ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

آزادی کی صد سالہ تاریخ

مشاہیر جنگ آزادی

۱۸۵۷ء تا ۱۹۵۶ء

آزادی کیلئے جان و مال کی قربانی دینے والے مشاہیر کی صد سالہ مکمل و جامع تاریخ
۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۵۶ء تک جن علماء و امراء نے جنگ آزادی میں حصہ لیا اور اسکی
بقاء و حفاظت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی پیش کی اور سیاست ملکی و تعمیر
ہند و پاکستان میں جد و جہد کی اُنکے مفصل حالات اور سیاسی کارناموں کا شاندار مرقع

مرتبہ

مفتی انتظام اللہ شہابی

ناشران

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

خیر اللہ خان
Karachi

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشران محفوظ ہیں

133886

[redacted] مجلد ــــــــ [redacted]

ناشران

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب

قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

Marfat.com

تقریب سعید

قومی تعمیر سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ایک عرصہ سے محسوس کر رہے تھے کہ اُن مشاہیر کا ایک جامع تذکرہ مرتب ہونا چاہیئے، جنھوں نے غدر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصّہ لیا اور پھر ۹۰ سالہ غلامی کے بعد انگریزی اقتدار کو ختم کر کے ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام میں عظیم قربانیاں پیش کیں۔

مگر نہ معلوم وجوہ کی بنا پر آج تک اہل قلم کی نظروں سے یہ اہم گوشہ پوشیدہ رہا اور اُنھوں نے اس موضوع پر کوئی جامع کتاب مرتب نہیں کی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس اہم ترین کام کی تکمیل کیلئے مشہور مورخ مفتی انتظام اللہ شہابی کی خدمات حاصل کرنے میں ہم کامیاب ہوسکے۔ اور قومی ترقی کی مسدود راہوں کو کھولنے کیلئے "مشاہیر جنگ آزادی" کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا یہ مرقع پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد سعید عفی عنہ

۷ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	نام	صفحہ
۱	مقدمہ	۸
۲	تیطو میاں	۱۸
۳	مولانا سید احمد بریلوی	۱۹
۴	سید عمر شاہ	۲۰
۵	عبدالغفور	۲۱
۶	لال خاں	۲۱
۷	زین العابدین	۲۲
۸	عبدالرحمٰن	۲۲
۹	امیر الدین	۲۳
۱۰	ابو ظفر بہادر شاہ غازی	۲۳
۱۱	مولانا سعید اللہ	۲۸
۱۲	مولانا فیض احمد بدایونی	۲۹
۱۳	کفایت علی کافی	۳۰
۱۴	محمد مستقیم خاں	۳۲
۱۵	مولانا مرزا مہدی صالح لکھنوی	۳۵
۱۶	مولانا امام بخش صہبائی دہلوی	۴۹
۱۷	دلاور جنگ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی	۷۴
۱۸	مولانا فضل حق خیر آبادی	۷۷
۱۹	مفتی صدرالدین خاں آزردہ	۹۲
۲۰	نواب مصطفٰے خاں شیفتہ	۱۰۲
۲۱	منشی محمد اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی	۱۱۳
۲۲	ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی	۱۳۹
۲۳	عظیم اللہ خاں کانپوری	۱۵۳
۲۴	مولانا محمد جعفر تھانیسری	۱۶۱
۲۵	لیاقت علی الہ آبادی	۱۸۰
۲۶	شہزادہ فیروز شاہ	۱۸۴
۲۷	نواب خان بہادر خاں بریلوی	۱۸۹
۲۸	مولانا پیر علی	۱۹۴
۲۹	سردار احمد خاں	۱۹۵
۳۰	دھوندو پنت نانا راؤ	۱۹۶
۳۱	جنرل تانتیا ٹوپے	۲۰۱
۳۲	راجہ کنور سنگھ جگدیش پوری	۲۰۴

Marfat.com

نمبر شمار	نام	صفحہ
٣٣	راجہ بینی مادھو بخش	٢٠٤
٣٤	راجہ ناہر سنگھ ملبب گڈھ	٢٠٥
٣٥	کمانڈر ہیرا سنگھ	٢٠٥
٣١	راجہ کنور سنگھ	٢٠٥
٣٧	گردھاری لال	٢٠٦
٣٨	بہادر علی خاں رئیس کماؤں	٢٠٦
٣٩	نواب علی رئیس گجرات	٢٠٦
٤٠	قادر بخش صوبہ دار سفر مینا	٢٠٦
٤١	شاہزادہ مرزا مغل	٢٠٦
٤٢	شہزادہ مرزا قویش	٢٠٧
٤٣	شہزادہ جواں بخت	٢١١
٤٤	شہزادہ خضر سلطان	٢١٩
٤٥	نواب تفضل حسین خاں والی فرخ آبادی	٢٢٥
٤٦	مولوی حکمت اللہ خاں فتح پوری	٢٣٠
٤٧	مرزا برجیس قدر بہادر	
٤٨	واجد علی شاہ	٢٤٠
٤٩	جنرل بخت خاں روہیلہ	٢٤٢
٥٠	رسالدار سید حسن بجنلوی	٢٢٥
٥١	مرزا غوث محمد خاں	٢٤٦
٥٢	مسٹر سائمن	٢٤٧
٥٣	نواب محمد علی	٢٤٧
٥٤	سید ہدایت علی	٢٤٧
٥٤	علی محمد خاں جیبی گرین بریلوی	٢٤٨
٥٥	میر عمران علی	٢٤٨
٥٦	مفتی عنایت احمد کاکوروی	٢٤٩
٥٧	سعادت خاں	٢٥٠
٥٨	رکن الدین سہسوانی	٢٥١
٥٩	سید اکبر زماں	٢٥١
٦٠	خان محمد خاں گولنداز	٢٥٢
٦١	شاہ نیاز احمد	٢٥٤
٦٢	محمد ابراہیم خاں لکھنوی	٢٥٥
٦٣	مولوی رضی الدین بدایونی	٢٥٧
٦٤	نواب ولی داد خاں بلند شہری	٢٥٩
٦٥	شہزادہ محمد عظیم	٢٦٠
٦٦	مولوی وزیر علی مرادآبادی	٢٦٠
٦٧	نواب مموخاں	٢٦١
٦٨	نواب مجو خاں مرادآبادی	٢٦٢

Marfat.com

نمبر شمار	نام	صفحہ	نمبر شمار	نام	صفحہ
۷۰	مرزا بیدار بخت دہلوی	۲۶۴	۸۸	ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال	۲۹۲
۷۱	سعادت اللہ	۲۶۵	۸۹	مولانا شوکت علی	۲۹۳
۷۲	خان بہادر مفتی انعام اللہ	۲۶۵	۹۰	مولوی انعام اللہ خاں اکبرآبادی	۲۹۴
۷۳	نواب بہادر خواجہ سر سلیم اللہ بہادر	۲۶۶	۹۱	قائداعظم محمد علی جناح	۲۹۷
۷۴	مولانا شبلی نعمانی	۲۶۸	۹۲	مولانا عبیداللہ سندھی	۳۰۷
۷۵	شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی	۲۷۰	۹۳	مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری	۳۱۰
۷۶	حکیم اجمل خاں مسیح الملک	۲۷۲	۹۴	مولانا محمد سجاد بہاری	۳۱۱
۷۷	مولانا عبدالباری	۲۷۷	۹۵	سیٹھ یعقوب حسن مدراسی	۳۱۲
۷۸	مظہر الحق بیرسٹر ایٹ لا	۲۷۷	۹۶	مولانا فضل الحسن حسرت موہانی	۳۱۳
۷۹	سر محمد علی محمد	۲۷۹	۹۷	اشفاق اللہ	۳۱۴
۸۰	شیخ غلام حسین ہدایت اللہ	۲۸۰	۹۸	مولانا انور شاہ کشمیری	۳۱۹
۸۱	سر محمد شفیع	۲۸۲	۹۹	مولانا احمد علی محدث سہارنپوری	۳۲۰
۸۲	مولانا محمد فاخر الہ آبادی	۲۸۳	۱۰۰	مفتی محمد رمضان اکبرآبادی	۳۲۱
۸۳	مولانا عبدالماجد بدایونی	۲۸۴	۱۰۱	نوابزادہ لیاقت علی خاں	۳۲۲
۸۴	مولانا محمد علی جوہر	۲۸۵	۱۰۲	علامہ شبیر احمد عثمانی	۳۲۴
۸۵	ڈاکٹر مختار احمد انصاری	۲۸۹	۱۰۳	آصف علی دہلوی	۳۲۶
۸۶	سیٹھ چھوٹانی بمبئی	۲۹۱	۱۰۴	ڈاکٹر عبدالمامون	۳۲۸
۸۷	مولوی سید ظفر حسن واسطی	۲۹۱	۱۰۵	مولانا ظفر علی خاں	۳۲۹

Marfat.com

نمبر شمار	نام	صفحہ	نمبر شمار	نام	صفحہ
۱۰۶	مولوی رضوان اللہ	۳۲۸	۱۲۸	برندرا کمار گھوش	۳۶۸
۱۰۷	ڈاکٹر محمد عالم	۳۳۱	۱۲۹	جوتیش چکرا برتی	۳۶۹
۱۰۸	خان عبدالغفار خاں	۳۳۱	۱۳۰	چیت انجن داس	۳۷۰
۱۰۹	سر آغا خاں	۳۳۶	۱۳۱	مدن موہن مالویہ	۳۷۲
۱۱۰	مولانا ابوالکلام آزاد	۳۳۸	۱۳۲	راش بہاری بوس	۳۷۳
۱۱۱	ڈاکٹر سیف الدین کچلو	۳۴۱	۱۳۳	سر تیج بہادر سپرو	۳۷۴
۱۱۲	مولانا حسین احمد مدنی	۳۴۲	۱۳۴	ڈاکٹر لکشمی دت	۳۷۵
۱۱۳	نواب محمد اسمٰعیل خاں	۳۴۴	۱۳۵	سورام مہا دیو	۳۷۶
۱۱۴	مولانا احمد سعید دہلوی	۳۴۵	۱۳۶	سریندرناتھ بنرجی	۳۷۷
۱۱۵	مولانا حفظ الرحمٰن	۳۴۶	۱۳۷	بھائی رام سنگھ	۳۷۸
۱۱۶	مولانا مفتی عتیق الرحمٰن	۳۴۸	۱۳۸	ڈاکٹر راش بہاری گھوش	۳۷۹
۱۱۷	مولانا محمد میاں	۳۵۰	۱۳۹	سوباش چندر بوس	۳۸۰
۱۱۸	شیخ محمد عبداللہ	۳۵۰	۱۴۰	سروجنی نیڈو	۳۸۴
۱۱۹	فضل الرحمٰن	۳۵۲	۱۴۱	شیام جی کرشن ورما	۳۸۶
۱۲۰	چودھری خلیق الزماں	۳۵۳	۱۴۲	مدن لال ڈھنگرہ	۳۸۸
۱۲۱	مسٹر دادا بھائی نوروجی	۳۵۴	۱۴۳	ونانک صادا کر	۳۸۹
۱۲۲	لوکمانیہ تلک	۳۵۵	۱۴۴	مہاتما گاندھی	۳۹۰
۱۲۳	پنڈت موتی لال نہرو	۳۵۹	۱۴۵	ولبھ بھائی پٹیل	۳۹۱
۱۲۴	چیت پاون دامودر	۳۶۳	۱۴۶	پنڈت جواہر لال نہرو	۳۹۳
۱۲۵	بکم چیٹر جی	۳۶۴	۱۴۷	اچاریہ کرپالانی	۳۹۴
۱۲۶	بجے پرکاش	۳۶۴	۱۴۸	ڈاکٹر راجیندر پرشاد	۳۹۷
۱۲۷	خودی رام بوس	۳۶۷			

Marfat.com

۷۸۶

مقدمہ

فرخ سیر کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو خود بادشاہ نے تجارتی مراعات عطا کیں۔ انگلستان کے دھوکے باز تاجروں نے کچھ عرصہ میں ہندوستان میں بڑا مکرو فریب کا جال پھیلا دیا۔ ملک کی دولت سمیٹنے لگے۔ سراج الدولہ ناظم ہنگامہ آڑے آیا۔ اس کے خسر میر جعفر کو اپنا کر اس کا خاتمہ کرا یا جعفر کو قاسم علی خاں سے میل کر کے قید کیا۔ کچھ دنوں بعد قاسم سے بھی بگڑ گئی وہ بادشاہ دلی شاہ عالم کے پاس الٰہ آباد آیا شجاع الدولہ کی سفارش سے بادشاہ مع فوج کے بنارس کی طرف روانہ ہوئے ۱۷۶۴ء کو بکسر میں انگریز سے مقابلہ ہوا۔ راجہ بنارس نے غداری کی جیتی بازی ہار گئے ۱۷۶۵ء میں بہار، اڑیسہ، بنگال کی دیوانی کا فرمان انگریز نے شاہ عالم سے حاصل کیا۔ نظامت کا بھی جھگڑا ختم ہوا۔ الہ آباد میں ۷ برس سلطنت کر کے بادشاہ دہلی آئے۔ مرزا نجف خاں جب تک زندہ رہا حکومت کی کچھ آبرو باقی تھی۔ اس کے مرتے ہی بادشاہ نے پیشوا کو وکیل مطلق اور مادھو سندھیا کو نائب مقرر کیا۔ اس نے آگرہ سے دلی تک قبضہ کر لیا اور ۶۵ ہزار ماہوار بادشاہ کے مقرر کر دئے۔ اس کے ہاتھوں بادشاہ کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ عاجز آ کر انگریز سے تعلقات قائم کر لئے اور وظیفہ پاتے رہے ۱۸۰۶ء میں حکومت مغلیہ کا بیڑا غرق کر کے دنیا سے سدھار گئے اکبر شاہ ثانی جانشین ہوئے جن کی حکمرانی قلعہ کی چار دیواری تک محدود تھی۔ پورے ملک کا انگریز حکمران تھا۔ محکمہ شرعیہ دہلی کو

Marfat.com

توڑ کر الہ آباد میں صدر نظامت قائم کی اور ہندو اور مسلمانوں کے مذہب سے کھیلنا چاہا انگریز کے اشارہ سے یورپ سے پادریوں کا سیلاب اُمنڈ پڑا جنھوں کے اسلام کے خلاف زہر اُگلنا شروع کر دیا۔ حکام اُن کے معاون و مددگار تھے اور انگریز نے یہ طے کیا کہ دلی کی شاہجہانی مسجد کو گرجے میں تبدیل کر دیا جائے۔

مناظرہ

پادریوں سے مقابلہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی میدان عمل میں نکل آئے رئیس الاساقفہ فنڈر منہ کی کھا کر فرار ہو گیا۔ مولوی صاحب کے نام وارنٹ جاری ہو گیا۔ یہ زمانہ ابو ظفر بہادر شاہ کا تھا۔ اکبر شاہ ثانی کے جانشین تھے۔ ان کے ولی عہد دارا بخت تھے جن کے مرنے پر مرزا فخرو ولی عہد مقرر ہوئے وہ بھی ہیضہ میں چل بسے۔ مرزا قویش سے انگریزی حکام نے یہ طے کیا کہ ۱۵ ہزار کا وظیفہ ملنے پر قلعہ سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ بادشاہ جواں بخت کو ولی عہد کر رہے تھے علامہ فضل حق خیر آبادی رسالہ غدریہ میں اس وقت کی کیفیت یہ تحریر کرتے ہیں کہ:-

برطانوی نصاریٰ جب ممالک ہند دیہات و بلاد پر قابض ہو گئے اور سرحدوں کو مضبوط کر لیا تو تمام ذی عزت اعیان کو ذلیل و خوار اس حد تک کر دیا کہ وہ سر نافرمانی کو جنبش نہ دے سکتے تھے۔ اس کے بعد یہ طے کیا کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لیا جائے تاکہ پھر یہ حکومت سے سرتابی نہ کر سکیں اور انقیاد و اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔ چنانچہ طرح طرح کے مکر و حیلہ سے کام لینا شروع کیا۔ بچوں اور نافہموں کی تعلیم اور اپنی زبان و دین کی تلقین کے لئے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کئے پچھلے زمانہ کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔

Marfat.com

دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقوں پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلہ کی پیداوار کاشتکاروں سے لیکر نقد دام ادا کئے جائیں اور غریبوں کو خرید و فروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے اس طرح بھاؤ کے گھٹانے بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس لیجانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں تاکہ ہر متنفس مجبوری درجہ ان کے قدموں پر آپڑے۔

ان ترکیبوں کے علاوہ مسلمانوں کو ختنے کرانے سے روکنا۔ شریف خواتین کا پردہ ختم کرنا نیز دوسرے احکام دین متین کو مٹانا وغیرہ ذالک عـ۱

ٹیپو سلطان کے مصاحب نواب چیناپٹن کے خلف ارشد دلاور جنگ مولوی احمد علی شاہ مشہور احمد اللہ شاہ نے ٹیپو کی آخری وصیت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سر بکف میدان عمل میں اتر آئے۔ گوالیار آکر محراب شاہ قلندر کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور نصرانیوں کو ملک سے بیدخل کرنے کا بیڑہ اٹھایا آگرہ آئے۔

مفتی مولوی انعام اللہ خان بہادر جو محکمہ شرعیہ کے مفتی رہ چکے تھے ان کے یہاں مقیم ہوئے یہیں مجلس علما کی تشکیل کی جسمیں مولوی کریم اللہ خاں بچھرایونی صدر الصدور۔ مولانا محمد قاسم داناپوری۔ مولانا غلام امام شہید امیٹھوی۔ مولوی امام بخش وکیل۔ مولوی حافظ ریاض الدین مفتی شہر۔ محمد شفیع وکیل سرکار۔ مولوی منصب علی وکیل۔ مولوی عظیم الدین حسن۔ مولوی محمد باسط علی۔ مولوی معین الدین مولوی شیخ اعتقاد علی وکیل۔ مرزا اسد علی بیگ۔ سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی نور الحسن سید حمت علی۔ مولوی طفیل احمد خیرآبادی۔ مفتی عبدالوہاب گوپاموی۔ مفتی نور اللہ

عـ۱ باغی ہندوستان صفحہ ۳۶۰

Marfat.com

کے حضرات اس مجلس کے رکن تھے۔ یہاں سے شاہ صاحب فیض آباد گئے حراست میں لے لئے گئے۔ بیرٹھ سے ہنگامہ اٹھا لکھنؤ پہ مکے اور نصف لکھنؤ پر قبضہ کیا۔ انگریز سے جنگی معرکہ رہے۔ چنانچہ جی۔ڈبلو فارسٹر اپنی کتاب ہسٹری دی انڈین میوٹنی صفحہ ۱۴۱ پر مولوی احمد اللہ شاہ کے متعلق یہ لکھتا ہے کہ اودھ کے باغیوں کی تجویز اور سازش کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا اس مولوی کو انگریز حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصہ سے جانتے تھے۔ شمالی مغربی صوبہ جات میں ظاہرہ مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکے تھے لیکن فرنگیوں کے لئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصہ تک وہ آگرہ میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر مسلم باشندوں پہ تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصہ بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہیں پایا گیا۔ انگریز جہاد کی تحریک کو سازش سے اعتراف کرتا ہے۔

مگر اس کا اثر فوجوں میں جو مسلمان تھے ان پہ اچھا پڑا ان میں انگریز سے نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ اسلام کے لئے جان دینے کو تیار ہو گئے۔ ڈلہوزی کی جو پالیسی ریاستوں کی ضبطی اور الحاق کی تھی اس نے بھی چنگاریوں میں ہوا دے دی ہونا ستارہ۔ جیت پور ضبط ہوئے تھے۔ مگر جھانسی اور اودھ کی ضبطی نے آگ بھڑکا دی۔ لکھنؤ کی چالیس پلٹنیں برخواست کی گئیں تو ان میں کا ہر ایک فرد ہندو ہو یا مسلمان انگریز کے خون کا پیاسا بن گیا۔

جو پلٹنیں رہ گئی تھیں ان میں سے دو کو بارک پور بھیج دیا۔ محمد شفیع لکھنوی دفعدار نے کارتوس پہ جو چربی لگی ہوئی تھی اس کا شغلہ چھوڑ دیا جس کا ہندوؤں نے

Marfat.com

زیادہ اثر لیا۔ پہلا فرد منگل پانڈے تھا جو انگریز افسر سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ اس واقعہ نے دور دور تک فوجوں میں انگریزوں سے بغاوت کی آگ لگادی اس پر ناناتیا ٹوپے کا دورہ فوجیوں میں پورا کام کر گیا۔

نانا راؤ کی پنشن ۸ لاکھ تھی ڈلہوزی نے ضبط کر لی تھی۔ اس کا کامدار عظیم اللہ انگلستان گیا اور ناکام لوٹا تو اس نے انقلاب کی اسکیم مرتب کی جس میں مرہٹہ سردار تانتیا ٹوپے بھی شریک مشورہ تھا۔ سیگنل چپاتیوں اور کنول کے پھول کی تقسیم تھی۔ مگر یہ تحریک تمام ملک میں پھیلنے نہ پائی تھی کہ ۱۰ مئی ۵۷ء میرٹھ سے کارتوس کا قضیہ انگریز افسر اُن کی حماقت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فوج حریت نواز زیر سرکردگی رسالدار حسن علی بریلوی دلی آئے۔ اصرار کے بعد بہادر شاہ نے اپنی شاہنشاہی کا اعلان کیا۔ امرائے ہند کو فرامین ارسال کئے۔ حکمرانی کی سندات عطا کیں۔ بریلی سے جنرل بخت خاں آئے ان کو کمانڈر کا عہدہ عطا کیا۔ نوے ہزار مجاہدین اور فوج زیر علم جمع ہوگئی۔ انگریز کا عمل و دخل دلی سے اٹھ گیا۔ مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ کی نمک حرامی اور مرزا مغل کی کوتاہ بینی سے انگریز کا اقتدار پھر لوٹ آیا۔ بادشاہ قید ہوئے رنگون بھیجدئے گئے۔ جنرل بخت خاں بادشاہ کو ہمراہ لیجانا چاہتے تھے وہ نواب زینت محل کے قبضہ میں پھنسے ہوئے تھے آخرکار جنرل صاحب اپنے ساتھیوں کو لیکر لکھنؤ آ گئے اور احمد اللہ شاہ کے ساتھ ہوگئے۔

فیروز شاہ دہلوی گوالیار، آگرہ، مراد آباد میں انگریز سے لڑے آخر میں شاہ صاحب کے پاس پناہ لی۔ مولوی لیاقت علی الہ آباد سے آ گئے۔ ڈاکٹر وزیر خاں۔ مولوی فیض احمد بدایونی بھی لکھنؤ پہنچ گئے نانا راؤ بھی انگریز سے شکست کھا کر لکھنؤ آ گئے

Marfat.com

یہ سب حضرات شاہ صاحب کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ ان کے سوا اور بھی علمبردارِ حریت جنھوں نے اپنے اپنے مقام پر اس جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا وہ بھی آکر شاہ صاحب کے شریک ہو گئے۔ ٹیپو سلطان کی وصیت کے الفاظ بھی اِس جگہ پیش کئے جاتے ہیں۔

"میں خوش ہوں کہ ایک کافر کے مقابلہ میں پڑ کر خدا کے راستہ میں جان دے رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں افرنگی فوج کو مارتے مارتے مر رہا ہوں۔ کاش کوئی میرے بعد ان فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال بھگائے اس وقت میری روح کو قبر میں چین آئے گا جب تک ہندوستان کی سرزمین فرنگیوں سے پاک نہ ہو جائے"

شاہ صاحب نے اس وصیت کے پیش نظر انگریز سے دو دو ہاتھ کئے اور جب روزہ محمدی پور میں حکومت قائم کی سکہ جاری کیا۔ راجہ پوائس کے دھوکے میں گولی کا نشانہ بنے۔ عظیم اللہ کا نظریہ اس تحریک سے یہ تھا کہ نانا راؤ انگریز کے بعد ہندوستان کا حکمران بنے۔ مرہٹوں پر بھروسہ کر گیا مگر وہ بے جان ہو چکے تھے البتہ جنرل بخت خاں کی رائے پر بہادر شاہ کاربند ہوتے تو ملک کا نقشہ دوسرا ہوتا شہزادہ فیروز شاہ کے ساتھ کوئی قوت نہ تھی۔ پھر اپنی شجاعانہ سرگرمی، پر اپنی بادشاہت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ برجیس قدر کی لٹیا ممو خاں نے شیعہ سنی سوال اٹھا کر ڈبوئی ورنہ حضرت محل کے جھنڈے تلے ایک لاکھ حریت نوازوں کا مجمع تھا۔ انگریز کے بیدخل کرنے کے لئے ان قائدین میں ہر ایک پیش پیش تھا۔ مگر نظریہ جدا جدا تھے یہی سبب تھا کہ اس تحریک کو کامیابی نہ ہو سکی۔

Marfat.com

اس کے علاوہ حسب ذیل اور بھی اسباب تھے۔

۱۔ ہندوستانی ریاستیں انقلابیوں کی شریک کار نہ تھیں بلکہ انگریز کا ساتھ دے رہی تھیں۔

انگریز کے پاس ہندوستان تھا ذریعہ نقل وحرکت خبررسانی کا انتظام اور پریس بھی اس کے ساتھ تھا۔ ترک۔ ایرانی۔ افغانی کوئی پرسان حال نہ ہوا۔ راجہ نیپال نے وطن اور قوم کے خلاف تلوار اٹھائی۔ انگریز کا ساتھ دیا۔ اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انقلابیوں کی سعی سے اکیس فوجی چھاؤنیاں اس جنگ آزادی میں حصہ لے رہی تھیں۔ مگر باہمی شیرازہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے ان کو ہر جگہ نقصان رہا۔

تازہ دم انگریز فوج اس وقت آگئی تھی کہ سربرآوردہ اور محرک قائدین جنگ کام آ چکے تھے۔ انگریز نے غداران ملک کی ہمنوائی سے ملک پر دوبارہ غلبہ حاصل کرکے جو ظلم کئے ان کی مثال ملنا محال ہے۔

۶ رجون ۱۸۵۷ء کو لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے بعض صوبوں میں مارشل لا جاری کرنے کا اعلان کر دیا۔ سر جارج کیمپل کہتا ہے :-

"فوجیوں نے خوب دل کھول کر نہایت ہی وحشیانہ طریق بے دریغ خون کی ندیاں بہائیں۔ (Memories of Indian career I P 233)"

آگے سر جارج لکھتا ہے :-

"غدر کے اعلان کے بعد سپاہیوں نے ہر اس انگریز کو

Marfat.com

جو ان کے ہتھے چڑھا بے دریغ قتل کر دیا۔ یعنی مشکل سے کوئی ایسا خاص واقعہ نظر آئے جہاں کوئی خوش قسمت انگریز باغی سپاہیوں کے ہاتھ سے بچ نکلا ہو۔

اس کے مقابلہ میں سول رعایا نے عام طور پر ہمارے آدمیوں کو پناہ دی اور اپنے آپ کو جوکھوں میں ڈال کر انگریزوں کی جان بچانے میں امداد کی۔ شائد ہی کوئی ایک آدھ ایسا واقعہ ملے جہاں رعایا کے ہاتھوں کوئی انگریز قتل کیا گیا ہو (میموریز آف مائی انڈین کیریر جلد ۱ صفحہ ۲۳۳)

اس ملک کی غدار جماعت جو انگریز کی وفادار تھی اس کو بھی انگریز نے نہیں بخشتا چنانچہ Magiendi اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۵ میں لکھتا ہے۔

میرے خیال میں لڑائی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مجرموں کے مقابلہ میں معصوم اور بیگناہ انسانوں کو زیادہ اذیتیں برداشت کرنی پڑیں ...... اودھ کے غریب دیہاتیوں کے درمیان انتقام لیتے وقت کوئی تمیز نہیں کی گئی ...... حقیقت یہ ہے کہ وہ بغاوت کے حد تک نہیں ہوئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بغاوت سے فائدہ اٹھا کر اپنے ملک کو غیر ملکیوں کے ہاتھوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی اب رہا یہ امر کہ ان کا یہ طرز عمل درست تھا یا غلط تو یہ ایک دوسرا سوال ہے۔ انھوں نے تو اپنے تئیں حق بجانب سمجھ کر اپنے وطن آزاد کرنے کی کوشش کی اس لئے ہم اس جذبے کو تو برا نہیں

Marfat.com

کہہ سکتے۔ چنانچہ ہمارے حق میں یہ زیادہ مفید اور تسلی بخش ہوتا۔ اگر ہم سپاہیوں کو چھوڑ کر اودھ کے باشندوں کی جان بخشی کر دیتے اور ایسی دردناک سزائیں نہ دیتے۔ (Majendii P.195)

مگر عمل انگریزوں کا یہ رہا کہ حریت نوازوں پر زیادہ سے زیادہ ظلم و ستم توڑے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مسلمان زیادہ انگریز نے قتل کرائے اور ان کے پائمال کرنے میں کسر اٹھا نہ رکھی

انقلاب ۱۸۵۷ء کی تحریک کو گو انگریز نے اپنے زعم باطل میں کچل دیا تھا مگر علمائے حق درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت میں سرگرم سعی تھے۔ علما مجاہدین سرحد سے تعلقات قائم کر کے ان کو مالی امداد پہنچا رہے تھے انگریز نے ۱۸۶۴ء میں ان علمائے کرام پر مقدمہ چلایا اور انڈمان بھیجدیا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں انگریز سے زیادہ نفرت بڑھی۔ موقعہ کے منتظر تھے مولانا محمد قاسم دیوبندی اور سر سید احمد خاں نے درسگاہیں قائم کر کے اپنے اپنے نظریہ کی تعلیم میں منہمک ہو گئے جس نے آگے چل کر قوم میں زندگی پیدا کر دی۔ ہندوؤں میں بھی سیاسی امنگ پیدا ہو گئی تھی۔ بنگالی پیش پیش تھے۔ ان کی سیاسی سرگرمیوں سے انگریز با خبر تھا کہ مسٹر ہیوم نے تمام سیاسی پارٹیوں کو یکجا کر کے ۱۸۸۴ء میں نیشنل کانگریس کی تشکیل کی۔ ہندو کثرت سے مسلمان خال خال شریک ہوئے مسلمانوں میں بھی سیاسی ادارے قائم ہوئے آخرش ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ ہر دو جماعتیں ملک میں سیاسی کام کرتی رہیں خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلما کے قیام نے ملکی سیاسی تحریک کو گرما دیا۔ ملک کی کامل آزادی کے

Marfat.com

طالب ہوئے مسلم لیگ کی سرپرستی قائداعظم نے جس دن سے کی کانگریس کے ہم پہلو مسلم لیگ ہوگئی اور اس نے ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنوا کے چھوڑا۔ اب بحمداللہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ارتقاء کی منزلوں کو طے کر رہا ہے۔

جنگ آزادی میں علماء پیش پیش نظر آتے ہیں راقم سطور نے غدر کے چند علما اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما دو کتابیں لکھیں مولانا فضل حق کے سیاسی حالات بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ کے رسالہ تاریخ وسیاست میں شائع کرائے ڈاکٹر سید معین الحق جنرل سکریٹری پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کے آرگن میں مولوی احمداللہ شاہ مولانا فضل حق اور عظیم اللہ خاں کے حالات انگریزی میں شائع ہوئے۔ مولوی محمد سعید صاحب مالک مطبع سعیدی کے فرمانے سے ۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۵۶ء تک کے مشاہیر کا یہ تذکرہ مرتب کرکے پیش کیا جاتا ہے جو ہمارے لئے شمع راہ ہی نہیں بلکہ باعث فخر و مباہات ہے۔

کرم فرما میجر شمس الدین محمد سابق وزیر تعلیم بہاول پور مولوی عظیم الدین خاں ایم۔ اے ڈاکٹر سید معین الحق خواجہ عبدالوحید دہلوی بی۔ اے۔ حافظ محمد رحیم دہلوی مترجم تزک بری۔ منشی ریاض الدین احمد بانی جناح کالج۔ سید عین الدین رضوی ایڈیٹر قومی زبان۔ مرزا علی اظہر ایڈوکیٹ۔ شجاع احمد زیبا ایم۔ اے۔ محمد ایوب قادری بی۔ اے مصطفےٰ علی بریلوی کا شکر گذار ہوں کہ اس کتاب کے مرتب کرنے میں معاونت کی۔

ادارہ مصنفین

انتظام اللہ شہابی — کراچی

Marfat.com

۲

تیتو میاں

غازی نثار علی معروف تیتو میاں چندر پور بنگال کے باشندہ تھے بچپن سے کشتی گیری کا شوق تھا پیشہ کاشتکاری تھا۔ کچھ عرصہ کلکتہ بھی رہے گھر کے کھاتے پیتے تھے۔ مگر طبیعت میں تہور و شجاعت تھی ایک زمیندار سے الجھ پڑے اس میں ان کو نقصان اٹھانا پڑا۔ واپسی پر حج کو گئے وہاں حضرت سید احمد بریلوی بھی حج کو گئے ہوئے تھے۔ ملاقات ہوئی ان کے مرید ہو گئے وہاں سے واپس آکر کلکتہ کے ضلع شمالی اور مشرقی میں اصلاحی دورہ کیا صدہا مرید ہو گئے اور جاں نثاری کیلئے تیار تھے۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں زمینداروں کے خلاف کسانوں کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے ۲۴ پرگنہ ندیا اور فرید پور میں ہنگامہ رہا۔ انگریزی فوج سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ان کے ساتھ ہزار کے قریب مجاہدین تھے۔ ایک موقع پر تیتو میاں کو گولی کا نشانہ بننا پڑا۔ ۳۵۰ آدمی گرفتار ہوئے۔ مقدمے چلے ۱۴۰ کو مختلف سزائیں ہوئیں۔ سرگروہ کو پھانسی ہوئی

Marfat.com

۲

مولانا سیّد احمد بریلوی

مولانا سید احمد رائے بریلی کے رہنے والے تھے دلی آئے اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے درس میں شریک ہوئے آپ کی صحبت نے سید صاحب پر مجاہدانہ سرگرمی کا رنگ چڑھا دیا۔ ان کے مرید مولانا شاہ محمد اسمٰعیل ہو گئے جو شاہ عبدالعزیز کے برادر زادہ اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے پوتے تھے۔ ان دونوں صاحبوں نے جہاد و احیاء حکومت کی تحریک شروع کر دی۔ ہندوستان کے شمال سے لیکر جنوب تک اور مشرق سے لیکر مغرب تک مسلمانوں میں عام مذہبی جوش اور سرفروشی کا جذبہ اور سیاسی بیداری پیدا کر دی اس تحریک سے ہندوستان کے لاکھوں مسلمان وابستہ تھے اور سارے برطانوی علاقہ میں اس کے مرکز تھے۔ سید صاحب نے اپنا اصلی مرکز ہندوستان کے شمالی سرحد کو بنایا۔ جو آزاد اور جنگجو علاقہ تھا۔ اس وقت سکھوں کی سخت گیری کے خلاف محاذ تھا ان سے مقابلہ رہا پیشاور مہاراجہ رنجیت سنگھ سے لیکر سلطان محمد کو وہاں حکمران بنایا۔ آپ کو اس طرف پوری کامیابی ہوئی ۱۲ رجمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو سرحدی قبائل امراء و خوانین ہندوستانی مجاہدین اور علماء و مشائخین نے بالاتفاق آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ بیت المال قائم ہوا۔

Marfat.com

زکوٰۃ وعشر کا نظام اور شرعی حدود و تعزیرات جاری ہو گئے۔ سکوں ملا تو آپ نے ہندوستان کے راجاؤں، نوابوں کو خطوط لکھے۔ چنانچہ مہاراجہ گوالیار کے سالے مہاراجہ ہندو راؤ کو اور ان کے دیوان سردار غلام حیدر خاں اپنی سردار چندن خاں رام پوری کو ہندا رو کے سمجھانے کے لئے خط لکھا کہ آپ لوگ ہم فقرا کے ساتھ ہمنوا ہو کر بدیسی حکومت کو نکال باہر کریں اور چین سے عزت و آبرو سے رہیں اب توجہ انگریز کے خلاف سید صاحب کی ہوئی تھی مگر مشیت ایزدی مسلمانوں کی خیانت اور غداری اور ناسازگار حالات سے مسلمانوں کو شکست اٹھانا پڑی ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۳۱ء کو سید صاحب و مولانا شاہ اسمعیل و دوسرے رفقا و مجاہدین کے ساتھ مقام بالاکوٹ (ہزارہ) پر شہید کر دیا گیا۔ باقی ماندہ جماعت نے سرحد میں ستھانہ اور ہندوستان میں پٹنہ کو مرکز بنایا۔

سیّد عمر شاہ

سید عمر شاہ بندۂ زمان شاہ ساکن تختہ بند بونیر سید عمر کے دادا ایک درویش تھے جن کا سرحد پر زیادہ اثر تھا۔ سید عمر شاہ نے باقی مجاہدین بالاکوٹ کو اپنے پاس جگہ دی۔ سید اکبر شاہ کو بلا کر سوات میں حکومت قائم کر لی اور انگریز کے مقابلہ کے لئے تیار رہے آخر ش ۱۸۵۷ء میں انتقال ہو گیا ان کے خلف جانشین ہوئے[۱]

[۱] بیچارے ہندوستانی مسلمان، ص ۴۴

Marfat.com

عبدالغفور

حضرت عبدالغفور یوسف زئی قبلہ پر کافی اثر رکھتے تھے سوات کے روحانی پیشوا تھے درۂ امبیلا پر انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا اور ان کو بری طرح شکست دی۔ شبخون ایسے مارے کہ یہ گھبرا گئے اور ناکام واپس آئے۔ اس کی داستان ہنٹر نے خوب لکھی ہے۔

لال خاں

نصیحت لال خاں باجوڑی یہ بھی غازی تھے۔ پر مولی مقام پر انھوں نے بھی کارنمایاں کئے۔ یہ مجاہدین کے ساتھ انگریز سے برسرمقابلہ شب قدر تک رہے اور تمام عمر انگریزی فوج پر شب خون مارتے رہے۔

Marfat.com

زین العابدین

زین العابدین حیدر آباد کے رہنے والے عبادت گذار اور صاحب اثر تھے مولوی ولایت علی عظیم آبادی جنوب کے دورہ میں تشریف لے گئے وہیں یہ انکے مرید ہوئے اور انھوں نے اصلاحی کام شروع کیا۔ کوششوں کا مرکز شمالی مشرقی بنگال کو بنایا۔ سلہٹ اور شمالی پتریا کے کسان ان کے ہمنوا تھے۔ انھوں نے وہاں سے صدہا مجاہد سوات روانہ کئے جو انگریزوں کیلئے وبال جان بنے ہوئے تھے۔

عبدالرحمٰن

مولانا عبدالرحمٰن لکھنوی مولا ولایت علی کے خلیفہ تھے جنوبی بنگال کے ضلع مالدہ میں تبلیغی دورہ کے سلسلہ سے آئے اور درس وتدریس مشغلہ رکھا۔ زمینداروں کے لڑکے درس میں شریک ہوتے۔ مولانا کا اثر واقتدار بڑھ گیا تو انھوں نے انگریز کے خلاف تبلیغ شروع کردی مولانا سرحدی کیمپ مجاہدین کے لئے مجاہد اور اور پٹنہ کے دارالاشاعت کو ہر سال روپیہ روانہ کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں عمر بتادی۔

133886

Marfat.com

Marfat.com

سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار محمد سراج الدین ابوظفر
بہادر شاہ تاریخ پیدائش ۱۷۷۳ء
تاریخ گرفتاری ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء

Marfat.com

امیر الدین غازی

مولوی امیر الدین ساکن مالدہ مولانا عبد الرحمٰن کے ساتھیوں میں سے تھے اور یہ بھی اصلاحی کام میں لگے ہوئے تھے۔ حکومت نے قید کر لیا پھر انکو چھوڑ دیا۔ عـہ

ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ ثانی

ابو ظفر عرف مرزا ابن اکبر شاہ ثانی ۲۸ شعبان سنہ ۱۱۸۹ھ کو لال قلعہ میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی علوم کی تعلیم پائی رمضان المبارک سنہ ۱۲۶۱ھ کو بعمر ۳۴ سال ولیعہد ہوئے۔ مسٹر اسٹین رزیڈنٹ نے خلعت ولی عہدی پہنایا۔ اکبر شاہ ثانی ان سے خفا رہتے اور اپنے فرزندوں میں مرزا بابر۔ مرزا سلیم۔ مرزا جہانگیر کو بہت چاہتے تھے۔ ان میں سے مرزا سلیم کو ولیعہد بنانا چاہا مگر مرزا ابو ظفر بڑے تھے۔ سرکار کمپنی نے حسب قاعدہ خاندانی انھیں کو منتخب کیا اور اکبر شاہ کی نہ چلی۔ مرزا سلیم باپ کے سامنے واصل بحق ہوئے۔ بادشاہ نے تمام خدمات قلعہ مرزا فیروز شاہ ابن مرزا سلیم کو سپرد کر دئے حتیٰ کہ انتقال کے وقت خزانہ کی کنجیاں بھی اپنے پوتے کے حوالہ کیں۔ ۲۸ جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۳ھ کو ابو ظفر کی عمر ۶۴ سال تھی سر جان تامسن

عـہ ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۱۲۰ — ۱۲۴

Marfat.com

رزیڈنٹ دہلی نے تسبیح خانہ کے تخت پر جو سنگِ مرمر کا تھا تخت نشین کیا۔ بادشاہ
نے سراج الدین بہادر شاہ ثانی لقب اختیار کیا اور ایک تخت گنگا جمنی ہشت پہل
اپنے اجلاس کے لئے تیار کرا کے اسکا نام تخت شاہی رکھا جس پر صرف ایک مرتبہ
اجلاس کرنا نصیب ہوا لارڈ ایلس اگورنر جنرل جن کو دربار میں کرسی نہیں ملی تھی
انھوں نے ان کے لئے بھی حکم کر دیا کہ آئندہ تخت پر اجلاس نہ کریں۔ مگر روز بروز
۲ ان کا اقتدار حکمرانی کم کیا جانے لگا۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد ۱۸۳۲ء میں دلی صوبہ
مغربی و شمالی میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۸۳۵ء میں سکہ بھی دلی اور نواح دلی سرکار کمپنی
کا رائج ہو گیا تھا عہد بہادر شاہ میں آگرہ کی عدالت العالیہ سے فیصلہ ہوا کہ قلعہ
دہلی کے باہر بادشاہ کو کسی قسم کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے۔

نذر عید | یہ دستور تھا کہ عید بقرعید نوروز اور سالگرہ کے موقع پر وائسرائے
۳ کشور ہند ایک سو ایک اشرفی حضور شاہ میں نذر گذرانتے تھے۔

جب تک سرجان ٹامسن رزیڈنٹ بادشاہ کے وزیر اور اتالیق زندہ رہے
ابوظفر پر کوئی آفت نہ آئی۔ ان کے انتقال کے بعد سائمن فریزر رزیڈنٹ امیرالامراء
وزیر اعظم اور بادشاہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ بادشاہ کی ان کے سامنے کچھ چلتی نہ تھی۔

۴ **ولیعہد** | پہلے فرزند رشید مرزا محمد دارا بخت بہادر ولی عہد مقرر ہوئے انکے
انتقال کے بعد منجھلے فرزند مرزا شاہ رخ ہوئے یہ پہلے مر چکے تھے منجھلے فرزند شہزادہ
سلطان فتح الملک بہادر کی ولی عہدی کا زمانہ آیا اس موقع پر نواب زینت محل
جو بادشاہ کی چہیتی بیوی تھی اس نے مقامی حکام کمپنی سے سازش کر کے اپنے
فرزند مرزا جواں بخت کو ولی عہد بنوانا چاہا بادشاہ بھی رضامند ہو گئے مگر سرکار

Marfat.com

Marfat.com

نواب زینت محل بیگم ابو ظفر بہادر شاہ

Marfat.com

کمپنی کی طرف سے ۱۸۴۷ء میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے کشور ہند ہو کر دلی آئے
انھوں نے فتح الملک کو خلعت ولیعہدی دیا اور بادشاہ کا نائب بنایا۔

۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو ولی عہد کا انتقال ہوا۔ ولیعہدی کا قصہ پھر اٹھا
بادشاہ نے شہزادہ جواں بخت کی ولیعہدی کے لئے باضابطہ مطالبہ کیا اور ایک
محضر نامہ پیش کیا جس پر ان کے آٹھوں بیٹوں کے دستخط تھے اور اس میں لکھا
تھا کہ ہم سب بہ رضا و رغبت جواں بخت کی ولی عہدی کے حامی ہیں۔ لیکن
دوسرے دن سرکار کمپنی نے مرزا قویش جو بہادر شاہ کے بڑے لڑکے تھے
یہ شرط منظور کرالی کہ بہادر شاہ کے بعد لقب شاہی موقوف کیا جائے گا۔
صرف خطاب شاہزادہ باقی رہے گا اور زر پیشگی جو اس وقت تک تقریباً
سوا لاکھ روپیہ ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار ماہوار رہجائے گا۔ مرزا قویش
کی ولیعہدی کا اعلان کر دیا گیا۔

بادشاہ اور زینت محل کو سخت صدمہ ہوا کہ یکایک میرٹھ سے ۱۱ مئی کو
وطن پرستوں کی فوج زیر سرکردگی رسالدار حسین علی بریلوی دلی میں آگئی اور
انھوں نے مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنالیا۔ بادشاہ نے بھی رنگ دیکھ کر حریت
نوازوں کی دل سے سرپرستی کی۔ نوابوں راجوں کو خط لکھے مگر ان کو سانپ
سونگھ گیا۔ کچھ عرصہ بعد جنرل بخت خاں بریلی سے آگئے ان کو کمانڈر کر دیا گیا۔
نوے ہزار فوج دلی میں جمع ہو گئی۔ انگریز دلی سے بھاگ کھڑا ہوا مگر مرزا الٰہی بخش
اور حکیم احسن اللہ خاں نے انگریز سے ساز باز کرنا شروع کیا۔ مرزا مغل مرزا ست
گٹھ گئے جہاں انگریز کے مقابلہ پر گئے پسپا ہوئے جنرل بخت خاں نے یہ حال دیکھا

Marfat.com

تو بادشاہ سے مل کر لکھنو چلا گیا۔ بادشاہ قلعہ سے ہمایوں کے مقبرہ میں آگئے الٰہی بخش نے ان کو گرفتار کرادیا۔ آخر تاجدار دودمان تیموریہ سرکاری ملزم کی حیثیت سے پالکی پر سوار کر کے گوروں کے پہرے میں دلی لاکر حویلی زینت محل میں رکھے گئے خوراک کے پانچ روپیہ یومیہ ملتے تھے۔

ان نمک خواروں کی مخبری پر مرزا مغل اور خضر سلطان ہڈسن ظالم کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بنے اور اُن کے سر خوان میں رکھ کر بادشاہ کے سامنے بھیجے گئے اس کے بعد دہلی میں قتل عام شروع ہوا شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے۔ والپول لکھتا ہے کہ :۔

"انگریزوں نے فتح دلی کے بعد جو لوٹ دلی میں جائز رکھی وہ وحشی نادر شاہ نے بھی نہ مچائی تھی"

ہزاروں بے قصور مسلمان اور شہزادگان نے پھانسی پائی غرضکہ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو لال قلعہ میں فوجی عدالت کے سامنے مظلوم بادشاہ کا مقدمہ پیش ہوا وکیل سرکار نے جو فرد قرارداد جرم سنائی اس میں باغیوں کو امداد دینا ۴۹ انگریزوں کو قتل کرانا ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء سے یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء تک شہر پر قبضہ کرنا اور باوجود انگریزی رعایا ہونے کے خود کو بادشاہ مشہور کرنا یہ ان الزامات میں سے چند الزامات تھے جو فہرست میں مذکور تھے۔ بادشاہ نے الزامات سے انکار کر دیا۔ مگر پہلے سے طے عدالت کر چکی تھی بادشاہ کو جلاوطنی کا حکم سنا دیا اور ۱۸۵۷ء میں رنگون پہنچا دیا وہاں ان کو صرف چھ سو روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ لیکن انھوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ چار سال

Marfat.com

Marfat.com

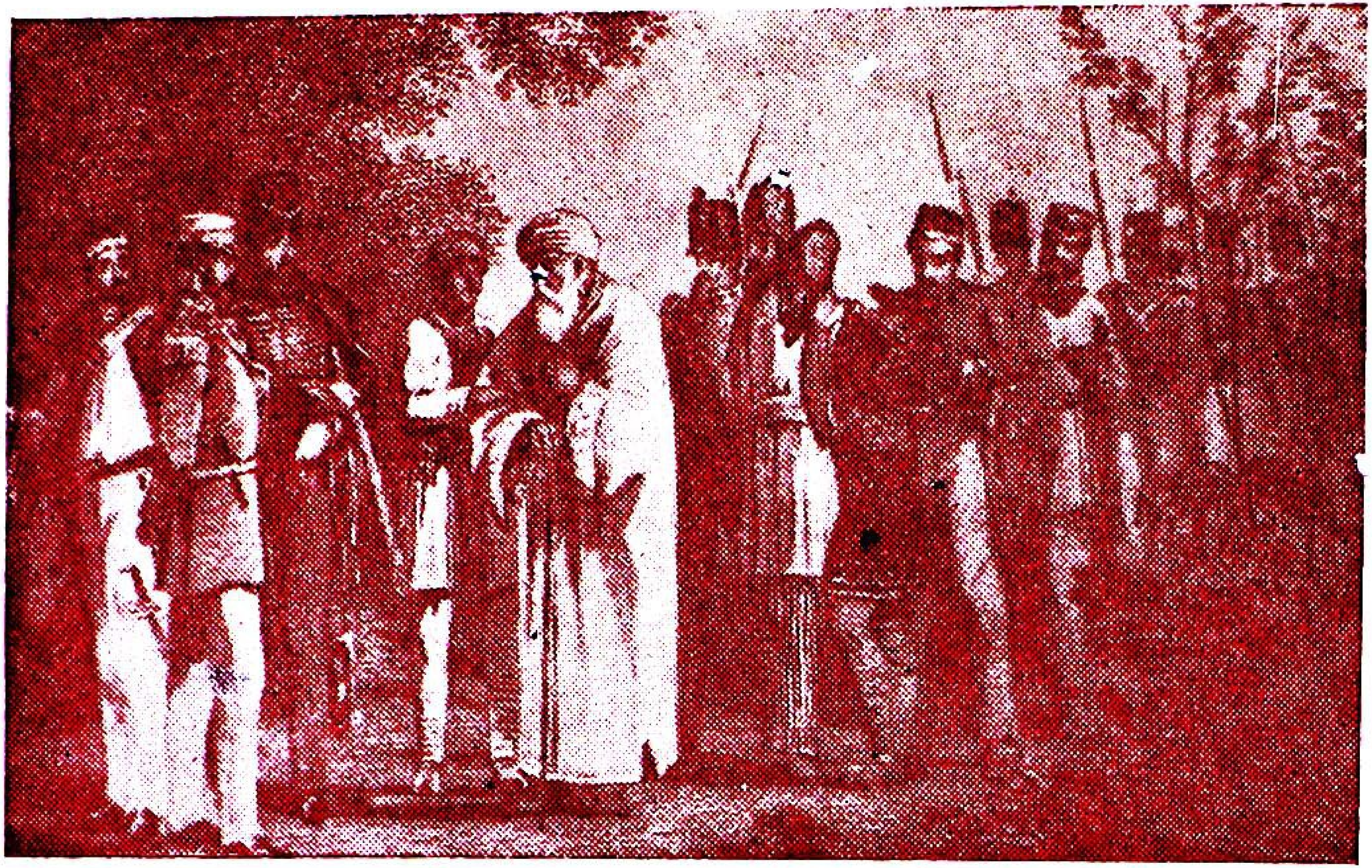

سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار محمد سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ کی گرفتاری کا
ہولناک منظر ۔ شاہ کے دائیں بائیں جواں بخت اور مرزا مغل ہیں
سامنے جنرل ہڈسن مغرورانہ انداز میں کھڑا ہوا ہے

Marfat.com

نہایت عسرت میں بسر کر کے بعمر ۹۲ سال ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۷۹ھ مطابق ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو اس دار المحن سے جنات النعیم کی طرف کوچ کر گئے۔

کہا ہاتف غیب نے کان میں
سنو ہو چکی آج تیری تمام

اولاد بہادر شاہ

فرزندان (۱) مرزا محمد دارا بخت (۲) محمد شاہ رخ (۳) کھومرث (۴) فتح الملک (۵) مرزا محمد قویش مرزا مغل (مرزا ظہیر الدین نام تھا) مرزا فرخندہ شاہ مرزا خضر سلطان مرزا بختاور شاہ مرزا سہراب ہندی مرزا ابو نصر مرزا محمدی مرزا عبداللہ مرزا کوچک سلطان مرزا شاہ عباس مرزا جواں بخت۔

دختران کاشفہ سلطان۔ ننھی بیگم۔ آغا بیگم۔ مبارک النسا۔ براتی بیگم۔ شبیہ بیگم۔ کھولی۔ دبیر الزماں۔ حسن زمانی۔ نواب بیگم۔ حاجی بیگم۔ کلثوم زمانی۔ جمیا۔ اورنگ زمانی۔ بہاری بیگم۔ غرضکہ ۱۳ لڑکیاں تھیں علہ

علہ سلاطین ہند جلد دوم ذکر بہادر شاہ از انعام اللہ شہابی۔

Marfat.com

مولوی حکیم سعیدﷲ

مولوی حکیم سعید ﷲ ولد مولوی حکیم حافظ عظیم ﷲ ولد حکیم حبیب ﷲ ولد حکیم حسیب ﷲ قصبہ آنولہ ضلع بریلی روہیلکھنڈ وطن تھا ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے آپ کے مورثان دور روہیلہ میں خاص شہرت اور حیثیت کے مالک تھے نواب علی محمد خاں مرحوم والیِ روہیلکھنڈ نے حضرت شاہ نور غازی رحمۃ ﷲ علیہ کی زیارت کے واسطے جو نوسو نواسی بیگھ پختہ اراضی وقف کی تھی اس کی تولیت آپ کے جداعلیٰ حکیم حسیب ﷲ کے سپرد کی جو اس دور کے مشہور حکما میں سے تھے جنھوں نے اس خدمت کو نہایت حسن وخوبی سے انجام دیا۔ جوانی میں علوم مروجہ حاصل کئے۔ قرآن مجید کے دس سپارے حفظ کر کے چھوڑ دیے۔ علم طب میں خاص طور سے یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اپنے وطن کے فاضل طب اور عزیز حکیم سنا سے بھی استفادہ کیا تھا۔ حکیم منا مرحوم حکیم سعادت علی خاں رئیس اعظم آنولہ و مدار المہام ریاست رام پور کے طبیب خاص تھے۔ حکیم سعید ﷲ کا ذریعہ معاش طب تھا۔ بڑے کامیاب طبیب تھے۔ خان بہادر خاں نے جب روہیلکھنڈ میں ۱۸۵۷ء میں آزاد حکومت قائم کی تو قصبہ آنولہ میں ان کی طرف سے حاکم نواب کلن خاں نبیرہ بخشی سردار خاں (روہیلہ سردار) مقرر ہوئے۔

Marfat.com

مولوی اسمٰعیل صدر شریعت بنائے گئے۔ فوج کا انتظام شیخ خیر اللہ کے سپرد تھا۔ جو بڑا جری اور جیوٹ کا آدمی تھا۔ حکیم سعید اللہ ارکان شوریٰ میں تھے جس کے دوسرے اراکین حکیم حسن۔ نواب جان محمد تھے۔ حکیم سعید اللہ نے خاص طور سے سراغ رسانی کا کام انجام دیا۔ آنولہ میں کفایت علی کافی مرادآبادی مفتی جہاد مرادآباد سے لیکر آئے تو حکیم صاحب کے یہاں ٹھہرے تھے۔

حکیم سعید اللہ صاحب نے کنپلہ اور گگرالہ میں انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا۔ گگرالہ جو کئی سو آدمیوں کا دستہ بریلی سے نواب خان بہادر خاں نے بھیجا تھا اس کی کمانڈ بھی کر رہے تھے جب روہیلکھنڈ میں انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو حکیم صاحب مدتوں روپوش رہے۔ سید گلزار علی امروہوی اور حکیم سعید اللہ جنگلوں میں رات کو رہتے تھے۔ آخر میں حکیم سعادت علیخاں مدارالمہام ریاست رام پور کی سفارش سے حکیم سعید اللہ کی جاں بخشی ہوئی ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا[1]

بڑے پابند شرع مخلص اور نیک اخلاق کے مالک تھے۔ مارہرہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ آپ نے ایک فرزند میاں رحیم بخش یادگار چھوڑا۔ جو عجیب دل و دماغ کے مالک تھے۔ نہایت زیرک اور عقلمند تھے فروری ۱۹۲۰ء میں انتقال کیا۔ اولاد موجود ہے۔

مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی نبیرہ بحرالعلوم مولانا محمد علی بدایونی ان کے والد مولانا حکیم غلام احمد تھے ۱۲۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ علمائے عصر

---

[1] سوانحات المتاخرین آنولہ از حکیم عبدالغفور۔ سہ العلم اکتوبر ۵۵ء

Marfat.com

سے تحصیل علوم کی صدر نظامت آگرہ میں پیشکار ہو گئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ کے مصاحبین میں سے تھے۔ ڈاکٹر وزیر خاں کے دوست تھے جنگ آزادی میں عملی حصہ لیا۔ مرزا مغل کے پیشکار رہے۔ آخر میں لکھنؤ آکر مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ ہو ئے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ تعلیم الجاہل۔ حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمت صدرا شیرازی اور فصوص فارابی کے حاشیہ مشہور ہیں۔ ہدیۃ قادریہ عربی اشعار کا مجموعہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند اکمل التواریخ)

مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی

میرٹھ میں فوج کے باغی ہو جانے کی خبر ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو مراد آباد پہنچی اس زمانہ میں سی۔ بی سانڈرس مجسٹریٹ مراد آباد اور مسٹر جے۔ جے کمبل جوائنٹ مجسٹریٹ۔ مسٹر کرا کرافٹ ولسن جج تھے۔ آخر الذکر اس ضلع میں سترہ سال سے تعینات تھے۔ وہ ضلع اور باشندگان ضلع سے پوری طرح واقف تھے اس لئے جب صورت حال زیادہ تشویشناک ہو گئی تو ضلع مراد آباد کا انتظام اسی کے سپرد کر دیا گیا۔ ۱۹ رمئی ۱۸۵۷ء کو مراد آباد کے حریت نوازوں نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اور فوج باغی ہو گئی ۱۹ رمئی ۵۷ء کو جب قیدی جیل خانہ توڑ کر آزاد ہو گئے تو سید گلزار علی اور سید اکبر علی (ساکنان امروہہ) جو مراد آباد میں پیشکاری کرتے تھے اور بڑے بہادر

Marfat.com

اور نہایت حسین وجمیل تھے۔ قیدیوں کی جماعت کے ساتھ راتوں رات اودھ چلے گئے اور انقلاب کی تیاری کرنے لگے۔

مرادآباد میں مجاہدین کا سخت زور شروع ہوگیا۔ یہ علاقہ ہمیشہ سے آزادی کا متوالا رہا ہے بریلی میں خان بہادر خاں نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے حکومت سنبھالی مرادآباد میں دوسرے خاندان کے علاوہ نواب دوندے خاں کی اولاد بھی تھی۔ لہذا مرادآباد میں مجاہدین کا خوب اجتماع ہوا۔ مجاہدین کے سربراہ کاروں میں مولوی ستو، مجدالدین احمد عرف مجو۔ عباس علی خاں نبیرۂ دلاور الملک نواب دوندے خاں اور مولوی سرفراز علی اور مولانا کفایت علی کافی کے نام نمایاں طور سے ملتے ہیں۔ یہاں مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی کا جو حال دستیاب ہوسکا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔

کفایت علی نام تخلص کافی ہے نسبتاً شیخ تھے زیادہ تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ مرادآباد کے قدیم باشندے تھے خاندان میں علم وفضل تھا۔ علوم مروجہ کی تکمیل کی۔ رام پور میں بھی تحصیل علم حاصل کیا۔ اپنے زمانہ کے سرآوردہ علماء میں سے تھے۔ علم طب میں مہارت کامل تھی۔ علم طب حکیم شبیر علی ابن مولوی محی الدین سے حاصل کیا۔ حکیم شبیر علی تذکرہ علمائے ہند (فارسی) کے مؤلف مولوی رحمٰن علی کے والد تھے۔ مولانا کافی نے حکیم شبیر علی کی وفات پر جو تاریخ کہی ہے اس کو مولوی رحمٰن علی نے تذکرہ علمائے ہند میں درج کیا ہے۔

لے الملفوظ مولانا احمد رضا خاں + و شبیر علی نے انتقال کیا + یہی سال تاریخ لکھ دیجئے
تو کافی مناسب بہر تواب + بسوئے لحد خادم بوتراب
۱۲۵۶ھ

Marfat.com

مولانا کافی نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں بڑے جوش سے حصہ لیا۔ آپ کو مراد آباد کا صدر شریعت بنایا گیا تھا۔ لہذا آپ نے احکام شرعیہ جاری کئے تھے۔ فتویٰ جہاد کی نقول آپ نے دوسرے مقامات پر بھجوائیں بلکہ بعض مقامات پر تو خود تشریف لے گئے آنولہ (ضلع بریلی) میں خاص اسی مقصد کے لئے گئے تھے اور وہاں ہفتہ عشرہ اپنے ہمدرس اور دوست مولوی حکیم سعید اللہ ابن مولوی حکیم عظیم اللہ کے یہاں قیام کیا اور جہاد کی تبلیغ کی مولوی حکیم سعید اللہ نے غدر میں بڑا کام کیا اور آنولہ کی تحریک کے خاص رکن تھے انھوں نے بڑے جذبہ اور ہمت سے کام کیا تھا۔ آنولہ میں نواب کلن خاں حاکم خاں بہادر خاں کی طرف سے مقرر ہوئے تھے انکے ساتھیوں میں مولانا محمد اسمٰعیل۔ نواب خان محمد اور حکیم سعید اللہ وغیرہ تھے حکیم سعید اللہ صاحب نے فرخ آباد اور ککرالہ میں خان بہادر خاں کی طرف سے خبر رسانی کا بھی کام کیا تھا۔ ککرالہ (ضلع بدایوں) اور کنپلہ (ضلع فرخ آباد) میں لڑائی لڑی ہنگامہ فرو ہونے پر بھاگے بھاگے پھرے بڑی مصیبت سے جان بخشی ہوئی۔ کچھ جائداد ضبط ہوئی ۱۹۰۷ء میں حکیم سعید اللہ کا آنولہ میں انتقال ہوا۔

مولانا کفایت علی کافی آنولہ سے بریلی پہنچے اور پھر مراد آباد پہنچے۔ نواب رامپور کی فوجوں کے مقابلہ میں مجاہدین کی جو جماعتیں تیار کی گئیں اس کی نگرانی انکے ذمہ تھی۔ مولوی محمد عمر نعیمی مراد آبادی کا بیان ہے کہ عرصہ قریب تیس سال کا ہوا کہ مولانا کافی کی قبر سڑک میں آگئی تھی۔ قبر کھل گئی جسم ویسا ہی رکھا تھا۔ مولوی محمد عمر نعیمی مراد آبادی کے نانا شیخ برکت علی نے جسم مبارک کو عقب جیل دفن کرادیا تھا قبر تا ہنوز محفوظ ہے۔ مولانا کافی کی ایک آخری غزل کا ایک مصرعہ بہت مشہور ہے

Marfat.com

جو ان کے حال پر پورا پورا صادق آتا ہے۔

بلبلیں اڑجائیں گی سونا چمن رہ جائے گا

مولانا کافی شاعری میں پورا درک رکھتے تھے نعت میں آپ کو خاص شہرت حاصل ہے ملک الشعرا شیخ مہدی علی خاں ذکی (المتوفی ۱۲۸۰ھ) سے تلمذ تھا۔ صاحب دیوان ہونا مشہور ہے۔ دیوان کا پتہ نہیں۔ عبدالغفور نساخ نے اپنے تذکرہ شعراء میں کافی مرحوم کا ذکر کیا ہے اور غالباً کفایت اللہ نام علامۃ الفاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں فرماتے تھے "کافی سلطان نعت اور رضا وزیر اعظم ہے" مولانا احمد رضا خاں بریلوی ان کی نعت بڑے شوق سے سنتے تھے۔ بلکہ آخر میں یہ التزام کر لیا تھا کہ مولانا کافی یا اپنے بھائی حسن رضا خاں کے سوا اور کسی کا کلام سنتے ہی نہ تھے۔ جس کا اندازہ الملفوظ حصہ دوم سے ہوتا ہے۔

مولانا کافی کی تصنیفات کا صحیح علم نہیں۔ مولانا کافی کی کتاب "بہار خلد منظوم ترمذی" کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو میں محفوظ ہے جو کہ ۱۲ صفر ۱۲۵۷ھ کو تحریر ہوا ہے جو کہ ان کے کسی مرید و رنہ شاگرد کا تحریر کردہ تو ضرور ہے۔ کتاب میں چند اوراد و وظائف اور کئی نسخے بھی درج ہیں یہ کتاب ۱۳۱۶ھ میں محمد یونس مراد آبادی نے اہل سنت برقی پریس مراد آباد سے دوبارہ طبع کرایا

یہ حالات محمد ایوب صاحب قادری سکنہ آنولہ نے مرحمت کئے۔

محمد مستقیم خاں: محمد اسمعیل خاں ددہیلہ مراد آبادی شہزادہ فیروز شاہ کے معاونین تھے ان کا قیام مراد آباد میں تھا

Marfat.com

روہیلہ خاندان سے ہی نصیر اللہ خاں تھے جو اپنے بھائی سیف اللہ خاں کے ساتھ بریلی سے مراد آباد گئے تھے اور مستقیم خاں کی لڑکی عبداللہ خاں ابن امداد اللہ خاں ابن نصر اللہ خاں کو منصوب تھیں۔

مستقیم خاں کے بزرگ عہد اورنگ زیب میں فوجی مراتب پر ممتاز تھے جن کو جاگیر بھی عطا ہوئی تھی۔

شہزادہ فیروز شاہ چند ساتھیوں کے ساتھ مراد آباد آئے پھر مستقیم خاں مع اپنے قبیلہ کے ان کے معاون ہو گئے اور انگریزوں کے مقابلہ پر داد شجاعت دی۔ ان کے ہمنوا نواب مجو خاں بھی تھے۔

نواب رام پور کی فوج سے اور شہزادہ سے مقابلہ ہوا۔ شہزادہ ناکام رہا اور بریلی روانہ ہو گیا۔ انگریز کے تسلط پر مذکرہ ہر دو بھائی روپوش ہو گئے۔ زمانہ دراز اور ظاہر ہوئے ان کی جائداد سرکاری قبضہ سے بچ رہی خاندان کے بہت سے لوگوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ محمد مستقیم خاں کے نواسے مکرم عبدالعلی خاں سکریٹری ڈاکٹر مختار احمد انصاری جو عبداللہ خاں کے خلف ارشد ہیں ان سے یہ حالات معلوم ہوئے۔

مولانا مرزا مہدی صاحب صالح لکھنوی

مولانا مرزا مہدی صاحب صالح نسلاً ترک برلاس تھے اور زمانہ شاہی میں خاندان صلحا کے مشہور فرد تھے۔ آپ کے والد ماجد مرزا علی صالح سپاہی منش امیر تھے جن کی تمام عمر جنگ و جدل میں گذری۔ آخر عمر میں انھوں نے تلوار رکھ دی اور تسبیح و تحلیل میں اس قدر بسر کی کہ لکھنؤ میں "صالح" کے لقب سے مشہور ہوئے اور ان کی اولاد آج تک "صلحا" کے لقب سے شہر میں ممتاز و منفرد ہے۔

جب آصف الدولہ نے فیض آباد کو ترک کر کے لکھنؤ کو آباد کیا۔ تو وہ خود دولت خانہ میں رہا کرتے تھے جو آجکل شیش محل کہلاتا ہے۔ اور محلہ حسین آباد میں گھنٹہ گھر کے پاس واقع ہے حسین آباد سے متصل مغرب میں ایک پرانا محلہ مفتی گنج ہے۔ جو دولت خانہ آباد ہوتے ہی روساء و شرفاء کا ملجا و ماویٰ بن گیا اور اس سے ذرا ہٹ کر جنوب میں نواب آصف الدولہ کے ماموں کے نام پر مرزا علی خاں کے احاطہ کی بنا پڑی۔ جس میں خاندان شاہی کے افراد و دیگر روساء نے بود و باش اختیار کی اور یہ احاطہ بھی مفتی گنج کا ایک جزو شمار ہونے لگا۔ غرضکہ دار السلطنت بننے کے بعد سے لکھنؤ کے کسی محلے میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین اس قدر یکجا نہ تھے۔ جتنے

Marfat.com

اس محلے میں سکونت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے پرانے زمانے میں مفتی گنج کی سکونت باعث فخر سمجھی جاتی تھی اور علم وفضل اس کے ہر باشندے کا طرۂ امتیاز تھا۔ محلے کی آبادی اس قدر گنجان تھی کہ بقول مغفور (مولانا مرزا غلام رضا صاحب) خوانچے والے صبح سے شام تک سودا بیچ کر سوسوا سو روپیہ روزانہ کما لیتے تھے۔ انگریزی عملداری کے پہلے لکھنؤ میں "بانکوں" کا دور دورہ تھا۔ جن میں مفتی گنج کے بانکے پیش پیش رہا کرتے تھے۔ جس طرح قرون وسطیٰ میں یورپ کے نائٹ اپنے محیرالعقول کارناموں کی وجہ سے آج تک مشہور ہیں اسی طرح ہمارے "بانکوں" کی بہادری و شجاعت بھی ہماری تعریف و توصیف کی مستحق ہے۔ مثلاً مفتی گنج کے دو بانکوں میں تلوار چل گئی لوگوں نے حلقہ باندھ لیا۔ داؤ پر داؤ ہونے لگے۔ ایک دوسرے کی تعریف کرتا جاتا ہے اور وار لگاتا جاتا ہے۔ کیا مجال کہ کوئی عزیز یا دوست دخل دے۔ یہاں تک دونوں نیم جاں ہو کر گر پڑتے ہیں۔ اس وقت دونوں کو پالکیوں میں لاد کر ان کے گھروں تک پہونچا دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ مفتی گنج کے بانکے سے اور ایک منصور نگر کے بانکے سے چوک میں نوک جھونک ہو گئی۔ تلواریں کھنچ گئیں منصور نگر والا غریب مارا گیا۔ قبل اس کے کہ کوتوالی سے اگرچہ وہ چوک ہی میں تھی، روند آسکے قاتل مفتی گنج پہنچ گیا۔ زمانہ مرزا علی رضا بیگ کوتوال کا تھا، جو بہت ہی منتظم اور سخت گیر کوتوال گزرے ہیں شہر بھر پر ان کا دبدبہ قائم تھا۔ خبر ہوتے ہی انھوں نے تیاری شروع کر دی ادھر مفتی گنج میں اطلاع ہو گئی کہ علی رضا بیگ قاتل کو گرفتار کرنے آرہے ہیں یہ کیسے ممکن تھا کہ

Marfat.com

مفتی گنج کا کوئی شخص گرفتار ہو جاتے۔ ہر مکان سے ایک ایک جوان مسلح نکل آیا اور اس طرح سے چھ سو جوان لڑنے مرنے پر تیار ہو کر محلّے کے چوراہے پر جمع ہو گئے۔ جب علی رضا بیگ کوتوال نے اتنی بڑی جماعت کو مقابلے کے لئے تیار پایا تو انھوں نے حکم دیا کہ توپ خانہ لگا دو اور اس پرسر جنگ محلّے کو اڑا دو۔ اس کی خبر بادشاہ کو ہو گئی انھوں نے فوراً سانڈنی سوار دوڑایا اور کوتوال کو حکم دیا کہ ہم نہیں چاہتے کہ جس محلّے کے باشندے اس قدر جری ہوں وہ محلہ تباہ و برباد ہو جائے خبردار مفتی گنج والوں کا بال تک بیکا نہ ہو۔ ہم نے انکا قصور معاف کر دیا۔

اسی مفتی گنج میں مرزا مہدی صاحب پیدا ہوئے اور علوم متداولہ وفنون حرب و ضرب سیکھا۔ آپ کے درسی حالات تو معلوم نہ ہو سکے اور نہ یہ معلوم ہوا کہ کن کن استادان علم وفن کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ خاندانی روایات سے فقط اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے تکمیل درس کے بعد فلسفۂ ہیئت میں شہرت حاصل کی اور ساتھ ہی ساتھ فنونِ سپہ گری اور پیرا کی میں بھی شہرۂ آفاق ہو گئے۔

لکھنؤ کا سب سے پرانا عربی مدرسہ سلطان مدارس (جو آجکل کوئن میری میڈیکل کالج کے قریب جگت نرائن روڈ پر واقع ہے) اس زمانہ میں سعادت علی خاں کے مقبرے کی عمارت میں قائم تھا اور مشاہیر لکھنؤ اس میں درس دیا کرتے تھے۔ مولانا مرزا مہدی صاحب بھی اس میں مدرس تھے۔ اور تاحیات درس دیا کئے۔

Marfat.com

مولانا چھ فٹ سے کچھ لانبے قد کے گراں ڈیل اور کسرتی جوان تھے۔ آپ کی ہیبت و سطوت کے مختلف واقعات مشہور ہیں۔ جب آپ سلطان المدارس سے لوٹتے تھے اور آپ کی فینس قاسم علی خاں کے پل پر پہنچتی تھی (یہ پل اِس وقت بھی قائم ہے اور حسین آباد کے مغربی گوشے کو مفتی گنج سے ملاتا ہے) تو پورے محلّے میں سنّاٹا چھا جاتا تھا کہ "بڑے مولوی صاحب آ گئے" اور جب پالکی گذرتی تھی تو دوکاندار اپنی اپنی دوکان پر کھڑے ہو کر سلام کرتے تھے۔ آپ کے مکان کے سامنے آپ کے باغ سے متصل ایک مسجد ہے۔ جس پر آپ نماز کے بعد بیٹھ کر تسبیح پڑھا کرتے محلّے کے بعض منچلے نوجوانوں نے ایک یہ حرکت کی کہ حلوائی کے پاس گئے اور کہا کہ بڑے مولوی صاحب مسجد میں بیٹھے ہیں دس سیر مٹھائی مانگی ہے دیدو۔ اُس نے دیدی۔ دس پندرہ روز تک ان لوگوں نے یہی حرکت کی اور مفت مٹھائی کھاتے رہے۔ غریب حلوائی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ قیمت کا تقاضہ کرتا۔ ایک روز جب آپکی فینس حسب دستور اس کی دوکان کے سامنے سے گذرنے لگی تو اس نے خلاف معمول دوکان سے اتر کر تین سلام کئے آپ سمجھ گئے کہ کچھ دال میں کالا ہے۔

آپ نے فوراً فینس روکی اور دریافت حال کیا۔ معلوم ہوا کہ محلّے کے نوجوان غریب کو جھکا دے کر مٹھائی چکھ گئے ہیں۔ آپ مسکرائے اور قیمت دلوادی مگر کسی سے کچھ نہیں کہا۔

Marfat.com

شاہی زمانے میں فنِ پیراکی کے جو مانے ہوئے استاد تھے ان کا ایک ایک گھاٹ مخصوص تھا جس پر وہ نہایا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو فن شناوری کے اصول سکھاتے تھے گئو گھاٹ جو مفتی گنج کے اتر جانب تقریباً دو فرلانگ پر واقع ہے مولانا کا مخصوص گھاٹ تھا۔ اور آپ وہیں اپنے صدہا شاگردوں کو پیراکی کی مشق کراتے اور جل بانگ سکھاتے تھے۔

واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ بھی آپ کے شاگرد تھے علی نقی خاں کی صاحبزادی بادشاہ کو منسوب تھیں اور گئو گھاٹ کے متصل ایک کوٹھی میں رہا کرتی تھیں اسی کوٹھی میں ایک حوض بنا تھا جس میں دریا سے پانی آتا تھا اور بادشاہ اسی حوض میں اپنے شفیق استاد سے مشق کرتے تھے (راقم الحروف نے وہ حوض دیکھا تھا۔ مگر اب کچھ عرصہ ہی ہوا کہ وہ کوٹھی مع حوض کے کھد گئی) ایک صاحب نے سلطان العلماءؒ مولانا سید محمد صاحب مرحوم سے (جو غفران مآب سید دلدار علی صاحب کے بیٹے تھے اور بادشاہ کی طرف سے نظارت شرعیہ ان کے سپرد تھی) علم ہیئت پڑھنے کی درخواست کی انھوں نے مولانا مرزا مہدی صاحب سے رجوع کرنے کی ہدایت کی اور ایک خط بھی سفارش کا لکھ دیا۔ مولانا کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو انھوں نے عدیم الفرصتی کی معذرت کی مگر جب طالب علم صاحب بہت ہی بضد ہوئے تو مولانا نے بعد ظہر گئو گھاٹ پر بلایا (یہ وقت آپ کا گئو گھاٹ پر شاگردوں کے جھرمٹ میں

Marfat.com

گزرتا تھا) وہ صاحب پہلے تو بہت متعجب ہوئے کہ علم ہئیت اور دریا کے گھاٹ سے کیا واسطہ مگر مولانا کے داب سے استفسار کی ہمت نہ ہوئی دوسرے روز کتاب بغل میں دبائے ہوئے پہنچے دیکھتے کیا ہیں مولانا کمر کمر پانی میں کھڑے نہا رہے ہیں اور سیکڑوں شاہزادے، امیر زادے اور شرفاء دریا کو گھنگھولے ڈالتے ہیں کہیں چھلی چھلیاں ہو رہی ہے کوئی ملاحی کے ہاتھ دکھلاتا ہوا نکلا جا رہا ہے کوئی کھڑی لگا رہا ہے اور کوئی جلباک کی مشق کر رہا ہے۔ مولوی صاحب حیران و ششدر کتاب لئے ہوئے مولانا کے سامنے آئے اور سلام کیا۔ مولانا کی نظر جو پڑی فرمایا "اچھا آگئے" اور دریا کے کنارے ریت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور علم ہئیت کا درس شروع ہو گیا۔ شاگرد پڑھتے جاتے تھے اور مولانا دریا ہی میں کھڑے کھڑے سمجھاتے جاتے تھے۔ جوں توں وہ وقت تو کٹ گیا۔ مگر نو وارد شاگرد کو بہت ہی شاق گزرا۔ وہ تو مولانا کے علم کا شہرہ سنکر آتے تھے۔ جناب قبلہ و کعبہ نے خاص طور سے مدح و ثنا کی تھی اور ان کی سفارش نے ان کے اشتیاق کو دوبالا کر دیا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسند درس و تدریس بچھی ہو گی، کتابیں کھلی ہوں گی اور نحیف الجثہ، زرد رو، کمر خمیدہ، ہلکے پھلکے مولوی بیٹھے علمی مسائل پر کھانس کھانس کر بحث کر رہے ہوں گے۔ یہاں کیا دیکھتے ہیں کہ اچھا خاصا پہلوان (مولانا کا معمول تھا کہ روزانہ نماز صبح کے بعد نالی سے ڈنڈ لگایا کرتے تھے) دریا میں اترا ہوا کھڑی کی مشق کر رہا ہے مطالب حکمیہ کو بھی بتاتا جاتا ہے۔ کسی کو اضطراب سمجھا رہے ہیں کسی الفرغانی المدخل الی علم ہئیت الافلاک" کا

Marfat.com

سبق پڑھا رہے ہیں یا البیرونی کی "القانون المسعودی فی الہیئۃ والنجوم" کے مشکل مقامات کو سمجھا رہے ہیں۔ طالب بیچارے نے شاید اس وقت تک ڈنڈ پہل عالم کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اس کے لئے علم صحت کا یکجا ہونا بالکل انوکھی بات تھی۔ اس لئے اس وقت تو انھوں نے طوعاً و کرہاً مولانا سے سبق پڑھا۔ مگر دوسرے روز سلطان العلما سے اس نہنگ دریائے حکمت و معرفت کی شکایت کی اور عرض کیا قبلہ و کعبہ! وہ تو مولوی نہیں پہلوان ہیں" جب دوسرے روز ملاقات ہوئی، تو سلطان العلماء نے دریافت حال کیا۔ اس پر مولانا نے کہا۔ وہ صاحب سچ کہتے ہیں آپ تو طالب علم کو عالم بناتے ہیں مگر میں اپنے شاگرد کو عالم متبحر بناتا ہوں۔

بادشاہ کے علاوہ نواب علی نقی خاں وزیر سلطنت بھی آپ کے شاگرد تھے اور انتزاعِ سلطنت کے قبل انھوں نے ایک دفعہ حق شاگردی ادا کرتے ہوئے مولانا سے عرض کیا کہ اگر حضور چاہیں تو کچھ مواضعات کا بندوبست آپ کے نام کر دیا جائے۔ مولانا برہم ہو گئے اور فرمانے لگے کہ "اچھا حق شاگردی ادا کرتے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ جو ذلتیں تعلقدار کو اٹھانا پڑتی ہیں مجھے بھی اٹھانا پڑیں" جب کسی تعلقدار کے ذمہ مالگذاری باقی رہ جاتی تھی تو اس کی اکثر پیشی گئو گھاٹ کی کوٹھی پہ ہوتی تھی اور دوپہر میں جلتی ہوئی ریت پہ ننگے سر کان پکڑوا کر دوڑایا جاتا تھا یہ اسی طرف اشارہ تھا) یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ ایک دفعہ بادشاہ کو خیال آیا کہ اپنے استاد کا گھر پختہ بنوا دیں۔ آپ کو معلوم ہوا تو یہ کہکر ٹال گئے" کہ دالان اور صحنچیاں تو پختہ ہیں رہ گئی مغرب کی دیوار تو اسکا کچا

Marfat.com

رہنا بہتر ہے۔ تیمم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے!

واجد علی شاہ اور علی نقی خاں کا زمانہ تھا۔ دونوں شاگرد تھے لکھنؤ میں گنگا بہہ رہی تھی۔ ہر وضع و شریف ادنیٰ سے اشارے میں لکھ پتی بن جاتا تھا۔ اگر یہ چاہتے تو لاکھوں کما لیتے اور گھر بھر لیتے یہاں یہ حال تھا کہ روپیہ کمانا کیا مکان تک بنوانا گوارا نہ تھا۔ موقع آیا بھی تو ٹال دیا۔ کبھی طمع دنیا نہیں کی۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ نماز صبح پڑھ کر اور کسرت سے فارغ ہو کر اپنے باغ میں، جو گلی اس پار مکان کے بالکل سامنے تھا، تشریف لیجاتے اور کبوتروں کو، جن کا بہت شوق تھا اپنے سامنے دانہ ڈلواتے اس سے فارغ ہو کر ان عرائض کی طرف متوجہ ہوتے جن کو سلطان العلماء ان کے پاس تفتیش و تفحص کے لئے روانہ کرتے۔ پھر مدرسہ تشریف لیجاتے۔ اور واپسی پر آرام کر کے بعدِ ظہر گئو گھاٹ جاتے۔ جہاں شاگردوں کا مجمع پہلے ہی سے آپ کا منتظر رہتا ہے۔

اس زمانے میں پیراکی کے دو مشہور استاد لکھنؤ میں تھے۔ ایک میر مچھلی جو نرم پیراکوں میں یگانۂ روزگار تھے۔ مثلاً دریا میں پالتھی مار کر بیٹھنا یا پانی پر کروٹیں لینا وغیرہ اور مولانا مرزا مہدی صاحب جو سخت پیراکوں میں مثلاً ملاحی رگانا گھڑی لگانا اور جلیبا تنگ وغیرہ (جو ایک طرح کی دریائی کشتی ہے) میں عدیم النظیر تھے۔ چونکہ آپ بہت ہی قوی ہیکل اور کسرتی جوان تھے۔ اس لئے سخت پیراکوں میں آپ کا مثیل لکھنؤ میں نہ تھا

Marfat.com

ملاحی اس قدر سخت اور تیز ہوتی تھی کہ کنارے پر دوڑتے ہوئے آدمی سے آپ ملاحی لگاتے ہوئے آگے نکل جاتے تھے (اس کا تذکرہ ہنرمندان لکھنؤ میں بھی کیا ہے) کھڑی کی اتنی مشق تھی کہ کاکرآباد سے جو لکھنؤ سے چار میل مغرب میں ہے، کھڑی لگاتے ہوئے "پکے پل" تک آتے تھے اور کمر کمر تک ابھرے رہتے تھے جو بہت ہی مشکل ہے اور اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے کبھی کھڑی کی مشق کی ہو۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا نے لکھنؤ نہیں چھوڑا بلکہ خاندانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محلے کا جو شخص بھی شہر چھوڑنے پر مجبور ہوا وہ اپنی عورتوں کو مولانا کے سپرد کرتا گیا۔ اس طرح سے تین سو سے زائد عورتیں گھر میں جمع ہو گئی تھیں۔ شہر میں چونکہ چاروں طرف انگریزوں سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ اس لئے کھانے کی کوئی چیز بازاروں میں ملتی نہ تھی صرف مٹھی مٹھی بھر ابلے ہوئے چنوں پر جو گھر میں پہلے سے بھرے ہوئے تھے، سب کی گذر اوقات تھی۔ اس پر آشوب زمانہ میں بعض وضعدار حضرات اپنی وضعداری کو نباہ گئے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک مرزا صاحب ہم لوگوں کے مکان کے سامنے رہا کرتے تھے اور ان کے ایک دوست منصور نگر کی چڑھائی پر رہتے تھے عرصہ سے یہ معمول تھا کہ وہ روزانہ ان سے ملنے مفتی گنج آتے تھے۔ جب حضرت محل نے لکھنؤ چھوڑ دیا اور انگریزوں نے تین طرف سے جنوب و مشرق و شمال سے رفتہ رفتہ شہر پر تسلط کرنا شروع کیا تو شہر بھر میں

Marfat.com

بھگدڑ مچ گئی اور لوگ لکھنؤ چھوڑ چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے دیہات و قصبات میں نکل گئے۔ مفتی گنج بھی تقریباً خالی ہو گیا اور جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا مرزا مہدی صاحب کے گھر میں تین سو سے زائد عورتیں جمع ہو گئی تھیں اور ان کے مرد محلہ چھوڑ کر جا چکے تھے۔ الا ماشاء اللہ متذکرہ صدر مرزا صاحب نے بھی شہر چھوڑنے کا تہیہ کیا۔ اسباب بندھ گیا۔ عورتیں تیار ہو گئیں۔ مگر مرزا صاحب سڑک تک آتے ہیں اور کچھ انتظار کے بعد پھر لوٹ جاتے ہیں۔ اعزا و اقارب اور دوست و احباب سب کہہ رہے ہیں کہ اب دیر کرنا مناسب نہیں۔ گورے گول دروازے اور حسین آباد تک پہنچ چکے ہیں جان کا خطرہ بڑھتا جاتا ہے، مگر یہ سُنی ان سُنی کر دیتے ہیں اور جب تک زیادہ تقاضا ہوتا ہے تو باہر آکر ٹہلنے لگتے ہیں۔ عزیزوں اور دوستوں نے جب حد درجہ اصرار کیا۔ تو کہا "بھئی میں فلاں آدمی کا انتظار کر رہا ہوں وہ آتے ہوں گے اُن سے مل لوں تو چلوں" سب نے کہا "آپ کی بھی کیسی باتیں ہیں۔ منصور نگر پر گوروں کا قبضہ ہو گیا۔ محلّے کا محلہ صاف ہو گیا۔ شاید ہی کوئی بچا ہو اور اگر وہ زندہ بھی ہیں تو ان کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوں گے۔ یا وہ اس قیامت کے وقت منصور نگر سے مفتی گنج (جو تقریباً تین میل تھا) آئیں گے" مرزا صاحب چیں بجبیں ہو کر بولے۔ "اگر قضا آئی ہے تو خیر ورنہ یہ مجال ہے کہ وہ زندہ ہوں اور مجھ سے ملنے نہ آئیں۔ تم لوگ میرے دوست کو نہیں جانتے وہ بزدل نہیں ہیں۔!" یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ صاحب دور سے دکھائی دیئے! معلوم ہوا کہ منصور نگر پر جب

Marfat.com

انگریزوں نے دھاوا کیا تو یہ بال بچوں کو لے کر نکل گئے۔ مگر راستہ میں ایک محفوظ مقام پر ان کو چھوڑ کر دوست سے ملنے مفتی گنج چلے آتے تھے دونوں نے کھڑے کھڑے علیک سلیک کی اور نزاکت وقت کو دیکھتے ہوئے وہ بھی فوراً لوٹ گئے اور مرزا صاحب بھی مع اہل و عیال کے مفتی گنج کو خیرباد کہہ کر دیہات کو نکل گئے۔ اپنی بزدلی کو دیکھتے ہوئے آجکل کے مسلمان ان باتوں کو خلاف عقل اور قابل استہزا سمجھیں گے۔ مگر یورپ اور امریکہ کی زندہ قوموں نے بھی نازک ترین موقعوں پر اپنے ایسے خلاف عقل کارنامے پیش کئے ہیں۔ جن کو کمزور قومیں عقل و سمجھ کے منافی سمجھتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر دکھاتے ہیں اور ہماری شکست خوردگی کا یہ عالم ہے کہ ہم لوگ اُن کی ہر ایک بات کو، چاہے وہ کتنی ہی خلاف عقل و بری کیوں نہ ہو آمنا و صدقنا کہہ کر قبول کر لیتے ہیں، اور اپنی اچھی باتوں کا بھی صرف اس لئے کہ یورپ والوں کے نزدیک وہ مستحسن نہیں، مذاق اُڑاتے ہیں۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جب مخالفت شروع ہوئی تو جو کوئی انگریز مفتی گنج کی طرف نکل آتا وہ بچ کر نہ جاتا۔ چونکہ مولانا کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اس لئے ان کے شاگرد بھی کھل کھیلے اور انگریزوں کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ سیکڑوں انگریز ان لوگوں کے ہاتھوں سے مارے گئے

۱۸۵۸ء میں سر کولن کمبل نے لکھنؤ کو جب دوبارہ فتح کیا اور انگریزوں نے ہندوستانی سپاہیوں کو بڑے امام باڑے (آصف الدولہ کے امام باڑے)

Marfat.com

سے نکال دیا تو انھوں نے گنئو گھاٹ کی اسی کوٹھی میں مورچہ جمایا جہاں بادشاہ پیراکی کی مشق کرتے تھے۔ یہاں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بہت انگریز مارے گئے جن کی قبریں بھی وہیں بنی ہیں مگر انگریزوں کی کثرت فوج اور سامانِ جنگ کے سامنے ایک نہ چلی آخر کس پیر اکھڑ گئے اور وہ کوٹھی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور لکھنؤ میں آخری مورچہ موسیٰ باغ میں، جو مفتی گنج سے بھی تقریباً ایک میل مغرب میں ہے۔ جس کے بعد انگریزوں کا لکھنؤ پر پورا تسلط ہو گیا جس روز گنئو گھاٹ پر لڑائی ہوئی اسی روز یا اس کے دوسرے روز مولانائے ممدوح بعد نماز صبح مکان سے حسب معمول نکلے اور چاہتے تھے کہ باغ میں
داخل ہوں کہ گنئو گھاٹ کی طرف سے گورے (یعنی انگریزی سپاہی) آ گئے ۴
اور تلوار چلنے لگی۔ چونکہ مولانا بہت ہی اچھے تلوار یئے اور شہ زور تھے۔ اس لئے جس پر ہاتھ مارا وہ ڈھیر ہو گیا۔ اس طرح دس یا بیس جب گورے قتل ہو گئے تو باقی ماندہ میں سے ایک نے گولی ماردی اور مولانا شہید ہو گئے۔ گھر میں جب معلوم ہوا تو گلی سے لاش اٹھا کر گھر میں لے آئے اور چونکہ شہر بھر میں مارشل (فوجی قانون یعنی شہر میں کوئی نکل نہیں سکتا تھا اور جو کوئی نکلتا تھا اس کو گولی ماردی جاتی تھی) جاری تھا اور ہر طرف گولیاں چل رہی تھیں اس لئے مولانا کو گھر ہی میں دفن کر دیا۔ اس طرح سے یہ جانباز سپاہی نش مولوی آخری دم تک انگریزوں کا مقابلہ کرتا ہوا ملک و ملت پر نچھاور ہو گیا اور اپنے ہی گھر میں ابدالآباد تک کے لئے آنکھیں بند کر کے سو گیا۔

دہلی اور لکھنؤ دونوں کو انگریزوں نے سیاسی چالوں سے فتح کیا۔ ۵

Marfat.com

جس میں سب سے زیادہ ہندو اور مسلمانوں کی غدّاری سے انگریزوں کو مدد ملی۔ دہلی میں مرزا الٰہی بخش۔ حکیم احسن اللہ خاں وغیرہ اور لکھنؤ میں علی نقی خاں اُن ہزاروں لوگوں میں تھے جنھوں نے ملک و قوم کو ذاتی مفاد پر قربان کر دیا اور انگریزوں سے مل کر اس وقت انھیں مدد پہنچائی۔ جب ان کے پیر بالکل اکھڑ چکے تھے۔ اگر یہ لوگ ان کی اعانت نہ کرتے تو ہندوستان میں انگریز ٹِک نہ سکتے تھے۔ بخلاف ان غدّاران قوم کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ذاتی مفاد کا بالکل خیال نہیں کیا اور مردانہ وار انگریزوں سے مقابلہ کیا اور جان دیدی۔ اگرچہ جاہ و منصب ان کے نصیب میں نہیں ہوا۔ مگر ان شہیدان ملت کے کارنامے قوم نے بھلائے نہیں بلکہ انھیں زندۂ جاوید بنا دیا۔ چنانچہ اب تک مفتی گنج میں "بڑے مولوی صاحب" کی شہادت سے بچہ بچہ واقف ہے۔ انگریزوں سے تنہا مقابلہ کرنا اور ان کو قتل کرنا ہر ایک کی نوکِ زبان پر ہے اور ان کی قبر پر آج تک لوگ منتیں مانتے ہیں اور دیا دریہ چڑھاتے ہیں اور خداوند عالم ان کی مرادوں کو بر لاتا ہے۔

لکھنؤ پر قبضہ پانے کے بعد انگریزوں نے اہالیان شہر سے بہت سخت انتقام لیا۔ کمپنی باغ میں درختوں میں سولیاں لٹکا دی گئی تھیں اور جس پر انگریزوں کی مخالفت کا ذرا بھی شبہہ ہوتا اس کو پھانسی دیدی جاتی۔ چونکہ مولانا کی وجہ سے انگریزوں کو سخت نقصان پہنچا تھا اور انھوں نے بہت سے انگریز قتل کئے تھے اس لئے ان کے صاحبزادے حسن مرزا صاحب مرحوم لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اور وہ عرصہ تک اپنے صاحبزادے ابوالحسنات مولانا مرزا صا-

Marfat.com

مرحوم مرزا علی اظہر صاحب کے والد) کے حسین آباد ضلع مونگیر (صوبہ بہار ملک بھارت) میں مقیم رہے بعد کو لکھنؤ تشریف لائے اور انتقال کے بعد غفرآنماب (لکھنؤ) میں دفن ہوئے۔ آج تک اس خاندان کا طرۂ امتیاز یہ رہا ہے نہ انگریزوں کی کبھی نوکری کی اور نہ نمک کھایا۔

خاندانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرزا مہدی صاحب نے علم ہئیت پر کچھ کتابیں لکھیں تھیں۔ مگر ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں تلف ہوگئیں۔ افسوس ہے کہ ان کی کوئی تالیف یا تصنیف اس وقت موجود نہیں ہے مگر ان کے چھوٹے بھائی مولانا مرزا ہادی صاحب قبلہ نے ایک کتاب خلاصتہ المصائب، واقعات کربلا پر لکھی تھی اور اس کا ایک نسخہ جو ۱۹۴۷ء میں چھپا تھا اور اس کے حاشیہ پر مؤلف کے صاحبزادے مولانا مرزا غلام رضا صاحب مرحوم کے نوٹ تھے، میرے پاس تھا۔ اتفاقاً خلاصتہ المصائب کا اصلی مسودہ خود مولانا مرزا ہادی صاحب قبلہ کے ہاتھ کا راقم مرزا علی اظہر کو نخاس لکھنؤ میں کوڑیوں کے مول مل گیا تھا۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں نسخے یعنی قلمی مطبوعہ راقم الحروف کی دیگر نایاب و قلمی کتابوں کے ساتھ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں تلف ہوگئے۔

خلاصتہ المصائب کے لائق مؤلف نے ابتدائے کتاب میں اپنے کچھ خاندانی حالات درج کر دئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خاندان نورانی الاصل ہے اور اس کا تعلق وزارت سے تھا مگر افسوس کہ مؤلف نے (جو مولانا مرزا مہدی صاحب قبلہ کے سگے

Marfat.com

چھوٹے بھائی تھے) اس کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ کہ ان کے مورث کب اور کس حیثیت سے واردِ ہندوستان ہوئے۔

یہ حالات میرے خصوصی دوست کرمی مرزا علی اظہر برلاس لکھنوی ایڈووکیٹ نے ازراقام کرکے مرحمت کئے۔

مولانا امام بخش صہبائی شہید دہلوی

مولانا صہبائی ہندوستان میں فارسی زبان کے مسلم الثبوت استاد تھے، فارسی زبان کا چراغ ہندوستان میں مدت سے ٹمٹما رہا تھا اور فارسی شاعری کی طبعی عمر اختتام کے قریب تھی۔ مگر حسن اتفاق دیکھئے اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے زمانہ میں کچھ اس نے سنبھالا لیا۔ چند صاحبانِ فضل و کمال خاص دارالخلافہ دلی میں آجمع ہوئے۔ کچھ خاک پاک دلی سے پیدا ہوئے کچھ حضرات باہر سے آبسے۔ ہر ایک یگانہ روزگار تھا۔ یہ لوگ علم و فضل کے ساتھ شعر و سخن میں بھی صاحب کمال تھے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی۔ مولانا عبداللہ خاں علوی قائم گنجی حکیم مومن خاں مومن۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر۔ سید غلام علی خاں وحشت نواب مرزا اسداللہ خاں غالب

Marfat.com

اکبر آبادی ۔ مولوی امام بخش صہبائی سے حضرات فارسی کے دلدادہ وجاں دادہ تھے صہبائی تو اس کے عاشق وشیفتہ تھے ہی ۔ بلکہ اس پر مٹے ہوئے تھے تمام عمر فارسی زبان کی خدمت میں ہی گزار دی ۔

نام ونسب مولانا امام بخش صہبائی ۔ مولانا محمد بخش تھانیسری کے خلف ارشد تھے ۔ صہبائی کے دوسرے بھائی حکیم پیر بخش تھے ۔ مرزا قادر بخش صابر گورگانی "گلستان سخن" میں لکھتے ہیں کہ :۔

سلسلہ ان کے نسب کا ان کے والد ماجد مرحوم مغفور کی طرف سے تو فاروق حق و باطل فاروق ابن خطاب علیہ رضوان اللہ الوہاب تک اور زبدۂ مستورات سراپردہ عصمت وعفت حضرت والدۂ شریفہ غفر اللہ لہا کی جانب سے قدوۂ واصلان درگاہ رہنمائے سالکان عرفان دستگاہ محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے ۔

صہبائی کے والد ماجد تھانیسر سے دلی آئے اور رہ پڑے کوچہ چیلان میں مکان بنا لیا تھا ۔

تعلیم وتربیت صہبائی غریب گھرانہ کے فرد تھے ۔ علوم فارسی وعربی علامہ عبد اللہ خاں علوی سے حاصل کئے علوی خاں اپنے زمانہ کا استاد وقت تھا ، عربی فارسی کا مسلمہ استاد تھا ۔ اس کے ساتھ ہی عربی فارسی ، اردو میں فکر سخن بھی کرتا تھا ۔ ریختہ میں کہتے ہیں کہ ؎

دامن سے ڈھاک جیسے کوئی لے چلے چراغ
جاتے ہیں سوز عشق لئے یوں کفن میں ہم

Marfat.com

شاعری حضرت علوی کی شعر و شاعری کا اثر صہبائی پر پڑے بغیر نہ رہا یہ کم عمری سے فارسی میں فکر سخن کرنے لگے۔ اردو میں گنتی کے شعر کہے۔ فارسی سے دل لگاؤ تھا۔ اس میں ہی شعر گوئی کرتے تھے۔ ذاتی کاوش اور استاد کی توجہ سے فارسی زبان پر تبحر کا درجہ حاصل کیا۔ عربی میں بھی معقول استعداد بہم پہنچائی۔ حقیقت یہ ہے کہ باکمال استاد نے وہ گر سکھائے تھے کہ نوعمری میں مرزا قتیل فرید آبادی کے ہم پایہ استاد سمجھے جانے لگے۔ اور ہم چشموں میں عزت و قدر سے دیکھے جاتے تھے سر سید احمد خاں "آثار الصنادید" میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کمالات ظاہری اور جلائل باطنی اور حسن خلق اور حمائد اطوار میں پسندیدۂ خالق و مقبول خلائق ہیں۔ خلق نوازش آپ کا آئینۂ بہار اور اوضاعِ حمیدہ آپ کے محمود روزگار اس فردِ زماں میں ایسی جامعیت کے ساتھ کم کوئی نظر سے گزرا ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ فنون متعارفہ و سخنوری مثل تحقیق لغت و اصطلاحات زبان وری اور تدقیق مقامات کتابی اور تکمیل عروض قافیہ و استکمال فن معمّا وغیرہا میں ایسا کمال بہم پہنچایا ہے کہ ہر فن میں ایک فنی کہنا چاہئے ؎

جداگانہ در ہر فنے یک فنی[۲] پذیرفتہ از ہر فنے روشنی

ملازمت مولانا محمد حسین آزاد "آب حیات" میں لکھتے ہیں کہ:۔ ۱۸۴۲ء میں جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا مسٹر ٹامسن

[۱] گلستان سخن [۲] آثار الصنادید صفحہ ۹۸

سکریٹری گورنمنٹ ہند جو آخر کو اضلاع شمال ومغرب میں لفٹنٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دلی میں آئے اور چاہا کہ جس طرح سو روپیہ ماہوار کا ایک عربی مدرس ہے، فارسی کا بھی استاد مقرر کیا جائے۔

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے مرحوم دہلی کالج" کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:۔

"مفتی صدرالدین خاں صدر الصدور نے لفٹنٹ گورنر سے عرض کی کہ ہمارے شہر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں ایک مرزا نوشہ دوسرے حکیم مومن خاں۔ تیسرے امام بخش صہبائی لفٹنٹ گورنر بہادر نے تینوں کو بلوایا مرزا نوشہ بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے تھے انھوں نے تو انکار کر دیا۔ مومن خان نے یہ شرط کی کہ سو روپیہ ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا انھوں نے یہ خدمت چالیس روپیہ ماہانہ کی قبول کر لی۔ بعد کو پچاس ہو گئے [1]

کچھ عرصہ بعد مسٹر لوترس پرنسپل مدارس دلی کے عہد میں صہبائی مدرس اول کے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔

فضیلت "مرحوم دہلی کالج" میں ہے۔

مولوی امام بخش صہبائی صدر مدرس فارسی اپنے وقت کے بہت بڑے فارسی ادیب تھے۔ مصنف اور شاعر بھی تھے انکی کتابیں

---

[1] مرحوم دہلی کالج صفحہ ۱۵۰ طبقات الشعراء مولوی کریم الدین دہلوی وتاریخ نثر اردو صفحہ ۹۹۸

Marfat.com

نصاب تعلیم میں داخل تعین ان کی بعض کتابیں اب تک پڑھی جاتی ہیں شہر میں ان کی بڑی عزت تھی۔" (صفحہ ۱۴۹)

گارسان دتاسی فرانسیسی اپنے خطبات اردو میں لکھتے ہیں

"مولانا صہبائی ملتی کریم الدین کے ہمعصر ہیں۔ اور منشی صاحب اپنے تذکرۂ شعراء میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے۔" [۵۱]

تصانیف مولانا صہبائی کا درس وتدریس کے بعد تمام وقت تصنیف وتالیف میں گذرتا تھا۔ فارسی میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ اردو کی کتابوں کی ملک میں مانگ دن بدن بڑھ رہی تھی اور قدر بھی ہونے لگی تو اس طرف بھی توجہ کی۔ جس سال کالج میں منسلک ہوئے۔ منشی شمس الدین فقیر کی تصنیف حدائق البلاغت (مصنفہ ۱۱۶۸) کا اردو ترجمہ مرتب کیا۔ مولانا حامد حسن قادری پروفیسر سنٹ جانس کالج آگرہ اپنی کتاب "داستان تاریخ اردو" میں لکھتے ہیں:۔

"صرف کہنے کو ترجمہ ہے۔ ورنہ اصل میں فن بلاغت کو اردو میں منتقل کیا ہے یہ اردو میں اس فن کی پہلی مکمل ومستند کتاب ہے" [۵۲]

"مرحوم دہلی کالج" میں ہے۔

"اردو صرف ونحو پر بھی ایک اچھی کتاب لکھی جس کے آخر میں یہ ترتیب

---

[۵۱] خطبات گارسان دتاسی صفحہ ۱۶۴ [۵۲] داستان تاریخ اردو صفحہ ۲۰۳

Marfat.com

حروف تہجی اردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں۔ شعرائے اردو کا انتخاب بھی تیار کیا تھا جو اسی زمانہ میں طبع ہو کر شائع ہوا۔(صفحہ ۱۴۹)

گارساں دتاسی لکھتا ہے :-

"سب سے آخر میں قابل ذکر کتابیں صہبائی کی تصانیف ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حدائق البلاغت۔ انتخابات نظم اردو دو قواعد اردو ان کی قواعد اردو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کے آخر میں ضرب الامثال اور محاورات کی فہرست درج ہے۔ (۱)

اردو کی خدمت

مولانا نے صحیح معنی میں اردو کی ہر عنوان سے خدمت کی ہے۔ سرسید احمد خاں نے "آثار الصنادید" کی ترتیب میں صہبائی سے کافی مدد لی۔ جس کا اعتراف بھی کیا ہے "گلستانِ سخن" کی تصنیف میں بلدری پوری صہبائی کی کارفرمائی کو دخل ہے۔ مقدمہ بالخصوص آپکا لکھا ہوا ہے شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ نے "خمخانۂ جاوید" کی تقریظ میں ایک جگہ لکھا ہے۔ گلستان سخن حضرت صہبائی کی تصنیف سے ہے۔ (۲)

فارسی میں "کلیات صہبائی" میں نظم و نثر کے رسائل شائع ہو گئے ہیں۔ مولانا حالی لکھتے ہیں۔

صہبائی جن کی نظم و نثر فارسی اور دیگر رسائل اور شروح تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ (۳)

(۱) خطبات گارساں دتاسی صفحہ ۱۶۴ (۲) خمخانہ جاوید حصہ اول تقاریظ (۳) یادگار غالب ص ۴۴

Marfat.com

شرح شرح "سہ نثر ظہوری"۔ ۱۲۶۰ھ میں لکھی ایک رسالہ "معما" کے حل میں لکھا۔ اس میں ایک شعر سے سات سو نام نکلتے ہیں۔ اردو زبان کے شعراء کا مجموعہ تیار کرکے اس غزلیات اور گیت گانے بجانے کی معہ تعریف قصیدہ اور بیان بحور عروض کے چھپوایا۔[۱]

علّامہ عبداللہ خاں علوی قائم گنجی کا ایک شاگرد نراتن داس تمبولی تھا۔ فارسی کی استعداد اس کو بڑی معقول تھی۔ علمی لیاقت حاصل کرنے کے بعد آبائی پیشہ قائم رکھا۔ ایک پیر میں لنج تھا۔ دوکان پر پیر پر پیر رکھے بیٹھا رہتا اور پان کی گلوریاں لگاتا رہتا۔ اس کے ساتھ طلباء فارسی کو بھی درس دیتا۔ طلباء دوکان کے نیچے کتابیں لئے کھڑے رہتے۔ کوئی "سہ نثر ظہوری" پڑھتا۔ کوئی "بہار دانش" کا سبق لیتا۔ کوئی "سکندر نامہ" سناتا۔ ہر ایک کو بتاتا اور شرح اور نکات بیان کرتا۔

بروایت مولوی عبدالحمید خاں صاحب پرفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، انھوں نے اپنے والد مولوی عبدالغنی مصنف "ارمغان آصفی" جو علامہ عبداللہ کے شاگرد تھے۔ بیان کیا کہ علامہ کے یہاں ایک امامی نامی خاکروب تھا۔ اس کا حافظہ اس غضب کا تھا کہ جو سنتا وہ یاد ہو جاتا۔ علامہ طلباء کو درس دے رہے ہیں۔ یہ خاکروبی کرتے ہوئے آئے کھڑے سن رہے ہیں۔ کسی نے کہا میاں امامی کیا سنا۔ فر فر پورا سبق سنا دیا۔ عام اساتذہ دلی کے منتخب اشعار نوک زبان

[۱] طبقات الشعراء مولوی کریم الدین۔

Marfat.com

تھے۔ سخن فہمی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ مشاعرہ میں یا کہیں مجلس ہوتی آپ کیلئے پائینتیں ایک چوکی بچھائی جاتی اس پر شیخ امامی بیٹھتے اور شعراء اپنا کلام اُن کو مخاطب کر کے پڑھتے۔ اگر کسی شعر پر ان کا سر ہل گیا بس مقبولیت اس کو حاصل ہوگئی۔ ذوق۔ غالب۔ مومن ہر ایک اُن کی قدر کرتا تھا۔ یہ تھے دلّی کے روڑے۔

طب } فنِ طب میں بھی صہبائی نے کمال حاصل کیا تھا مگر مطب نہیں کیا۔ آپ کے بھائی مشہور طبیب حکیم پیر بخش تھے۔

احباب میں قدر و منزلت } مولانا صہبائی جس سبھا کے رکن رکین تھے صاحبِ "گلِ رعنا" کے لفظوں میں سنئے۔

دلّی میں اس وقت آج کی ایسی دلّی نہ تھی۔ بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش صہبائی۔ علامہ عبداللہ خاں علوی۔ مفتی صدر الدین خان آزردہ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ نواب ضیاء الدین خاں نیر۔ شاہ نصیر الدین نصیر۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق حکیم آغا جان عیش۔ حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان۔ میر حسن تسکین اور خدا جانے کتنے سخنورانِ باکمال کا جمگھٹا تھا۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔

یہ سب حضرات صہبائی کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

غالب و صہبائی } مرزا غالب اور صہبائی میں گہرے تعلقات تھے، ایک دوسرے کی قدر دانی کرتا تھا چنانچہ مرزا نے

Marfat.com

اپنے کلام میں جہاں معاصرین کا ذکر کیا ہے، صہبائی کو بھولے نہیں ہیں۔ کہتے ہیں ؎

مومن و نیر و صہبائی و علوی و انگاہ
حسرتی، اشرف و آزدہ بود اعظم شاں

جہاں مرزا صاحب نے اپنی ہمہ دانی کو ٹھیس لگتے ہوتے دیکھا، دوستی و ملاقات کو بالائے طاق رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ "قاطع برہان" کی مخالفت میں مرزا رحیم بیگ شاگرد مولانا امام بخش صہبائی ساکن میرٹھ نے "ساطع برہان" شائع کی۔ مرزا صاحب چراغ پا ہو گئے۔ رحیم الدین کی لے دے شروع کردی۔ مولوی عبدالرزاق شاکر کو لکھ ڈالا۔

نامہ غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ وہ قوت علمی بھی نہیں رکھتا اور وں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اس کو تلمذ بھی ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وائے اس ہیچ پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عزووقار ہو۔"[1]

غرضکہ مرزا غالب رحیم بیگ سے بگڑے ہوئے تھے۔ بیچارے صہبائی پر بھی گئے ہاتھوں لے دے کر گئے۔

دلی کے دیوان خانے مولانا فضل حق کے یہاں ان کے والد

[1] "غالب" صفحہ ۴۴

مولانا فضل امام صدر الصدور کے زمانہ سے بعد نماز عصر روزانہ اہل علم کی صحبت رہا کرتی۔ علماء آ جمتے علمی مذاکرے رہتے۔ معمولی لکھے پڑھے کی تو گذر ہی نہ تھی۔ شب میں مفتی صدر الدین خاں کے یہاں محفل جمتی۔ مولانا صہبائی ہر دو جگہ کے بیٹھنے والے تھے مفتی صدر الدین کا مکان چتلی قبر کے قریب حویلی عزیز آبادی کے سامنے تھا۔ اس کے نزدیک مٹیا محل میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ رہتے تھے۔ مکان کوٹھی کے نمونہ کا تھا۔ انگریزی اور ہندوستانی دونوں وضعوں کو ساتھ ملا کر بنایا گیا تھا۔ صحن گو بہت بڑا نہیں۔ مگر اس میں مختصر سی نہر، سامنے دالان در دالان۔ پہلو میں انگریزی وضع کے کمرے۔ باہر کے دالان میں کواڑ لگا کر اس کو بھی کمرے کی شکل کا کر دیا تھا۔ دالانوں کے سامنے دو نیچا چبوترہ جس پر تخت کا چوکا لگا ہوا تھا اس پر دری اور دری پر چیت یا چاندنی کا فرش، اور دو طرف گاؤ تکیے لگے ہوتے ہوتے۔ آنے والے حسب مراتب بیٹھتے۔ اس محفل کی کیفیت وزیر تعلیم بھارت مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی سے سنیئے۔ فرماتے ہیں۔

"والد مرحوم دہلی کے دیوان خانوں کی مجلس کے جو افسانے سنایا کرتے تھے۔ بجھنے والے چراغ کا یہ آخری اجالا تھے۔ مرحوم دہلی کی ہفت صد سالہ زندگی کی انجمن طرازیوں کی یہ آخری بزم تھی۔

مفتی صاحب کا دیوان خانہ دہلی کے منتخب افراد کا مجمع و مرکز تھا جاڑا، گرمی، برسات کوئی موسم ہو لیکن شب کی مجلس کوئی قضا نہیں کرتا

Marfat.com

تھا۔ ہر فن کے اکابر کو وہاں ان کے بہترین وقتوں میں دیکھا جا سکتا اگر کوئی نووارد دہلی آتا اور چاہتا کہ دہلی کے سارے فضل و کمال کو بیک مجلس میں دیکھ لے وہ سید صاحب مفتی صاحب کے دیوان خانہ کا رخ کرتا۔[1] ان صحبتوں کے رکن ایک حضرت صہبائی بھی تھے کالج سے لوٹتے گھر آتے۔ پھر شام کو ہوا خوری کے بجائے مولانا فضل حق خیرآبادی کے یہاں جاتے۔ وہاں سہ پہری فواکہات کھاتے۔ شب میں بعد نماز عشاء مفتی صاحب کے یہاں جاتے۔ یہاں کی محفل برخاست ہوتی تو گھر جا کر سو رہتے"۔

فارسی

ہندوستان میں صرف دلی کو یہ فخر حاصل تھا کہ فارسی زبان کے ماہر مثل اہل زبان کے دلّی ہی میں کثرت سے تھے۔ یہاں کی فارسی زبان میں وہی چٹخارہ تھا جو اہل زبان میں ہوا کرتا ہے۔ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر قصہ خواں فارسی میں قصہ خوانی کرتے تھے۔ "بوستانِ خیال" زبانی سنائی جاتی۔ عوام تو عوام خواص شریک ہوا کرتے زباندانی کے لئے اہل علم اس صحبت میں شریک ہوتے بیفکرے جمع ہو جاتے کم عمری میں صہبائی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اپنے زمانہ میں مرزا محمد حسین قتیل فرید آبادی نے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر زبان حاصل کی ہے۔ شاہ عالم کے زمانہ میں نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی کی وجہ سے کثرت سے ایرانی دلّی میں آبسے تھے۔ ان کا مجمع عموماً بعد نماز عشاء جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ہوا کرتا انھیں ایرانیوں میں سے ملّا محمد باقر تھا

---

[1] "غالب" از مولانا مہر صفحہ ۲۹۰

Marfat.com

جس نے فرید آباد میں رہنا اختیار کیا تھا۔ اس سے ہی قتیل نے فارسی پڑھی، ایسے گرویدہ ہوئے ہندو مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے اور نجف خاں کی صحبت اختیار کی۔ پھر ایران گئے لوٹے تو لکھنو گئے۔ اور آصف الدولہ کے پاس میر انشاء اللہ خاں کے توسل سے پہنچے۔

لطیفہ دلی میں علم وفضل کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ رح کا گھرانہ فارسی میں بھی یگانہ حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رح کی فارسی دانی اور زبان کی شہرت عام تھی۔ شاہ صاحب کا "تحفۂ اثنا عشری" لکھنؤ پہنچا۔ آصف الدولہ نے مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ تحفہ کا جواب لکھا جائے۔ مجتہدین میں سے مولوی دلدار علی خاں نے جواب لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن "تحفہ" کی زبان چونکہ بے نظیر تھی اس لئے مرزا قتیل سے کہا گیا کہ مضامین قبلہ وکعبہ لکھیں اور آپ ان کو اپنی عبارت میں ادا کریں۔ تاکہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے ہو جائے۔ مگر قتیل نے عذر کیا اور کہا کہ میں شاہ صاحب کی سی فارسی عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کی تائید میں انھوں نے بیان کیا کہ دلی میں ایک رنڈی سے میرے تعلقات ہیں۔ میں نے نہایت دماغ سوزی سے اپنی پوری قابلیت صرف کر کے اسے ایک خط لکھا تھا وہ رنڈی خط کو دلی کے تمام لائق وفائق لوگوں کے پاس لے گئی اور درخواست کی کہ اس کا جواب لکھ دیا جائے۔ مگر اس کے جواب لکھنے کا کسی نے اقرار نہیں کیا۔ مجبور ہو کر وہ اس خط کو شاہ صاحب کی خدمت

Marfat.com

ہیں لے گئی اور ظاہر کیا کہ میں تمام جگہ پھر چکی ہوں۔ مگر کسی نے جواب کی حامی نہیں بھری۔ اب میں مجبور ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں حضور اس کا جواب لکھ دیں۔ شاہ صاحب نے خط سنتے ہی فوراً قلم برداشتہ اس کا جواب لکھوا دیا۔ وہ خط چھ مہینے سے میرے پاس رکھا ہوا ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کا جواب لکھوں۔ مگر اب تک مجھ سے اس کا جواب نہیں ہو سکا۔ اب آپ غور فرمائیں کہ میں تحفہ کی عبارت کا جواب کسی طرح دے سکتا ہوں۔ جب قتیل نے عذر کیا تو ناچار قبلہ و کعبہ نے خود ہی جواب لکھا۔ اس جواب کو نواب صاحب نے مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا پھر پوچھا کہ بتائیے کیسا جواب ہے۔

مرزا قتیل نے اس کو دیکھ کر کہا کہ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کروں نواب صاحب نے فرمایا کہ فرمائیے۔ مرزا قتیل نے کہا سچ تو یہ ہے کہ قبلہ و کعبہ سے تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا۔ شاہ صاحب تو تحفہ پیش کرتے ہیں اور قبلہ و کعبہ تحفہ کے جواب میں ذوالفقار (نامی کتاب) ...... اس کے بعد نواب صاحب نے فرمایا کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ کہئے۔ قتیل نے کہا کہ حضور کہاں جائس کا جولاہہ (استاد کعبہ جائس کے رہنے والے تھے) اور کہاں دلی کی سیڑھیوں کا بیٹھا ہوا شہدا[1]۔ غرضکہ یہ واقعہ ہے صہبائی نے آنکھ دلی کے اہل علم حضرات کی صحبت میں کھولی بچپن سے پختہ ہو گئے۔ فارسی دانی میں

---

[1] امیر الروایات صفحہ ۴۰

جواب نہ رکھتے تھے۔

بزم شعر و سخن

دلّی میں مشاعرہ کی بنا قاضی سراج الدین علی خاں آرزو نے ڈالی، اِن کے عہد سے لے کے میر اور غالب تک یہ سلسلہ شاندار طور سے رہا۔ میر نظام الدین ممنون کے مدرسہ اور مفتی صدر الدین خاں اور نواب شیفتہ کے دیوان خانوں میں بڑے پیمانہ پر مشاعرے ہوتے۔ قلعہ میں جب سے حضرت ذوق کی گرم بازاری ہوئی۔ بادشاہ اور شہزادوں کی طرف سے آئے دن مشاعرے ہوا کرتے۔ دلّی کے اساتذہ سب ہی ان مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ ممنون۔ آزردہ۔ غالب۔ ذوق، صہبائی۔ عارف محو۔ احسان وغیرہ۔ ارباب شعر و ادب کی شمولیت ضرور ہوتی۔ ان بزرگوں کی صحبت سے شہزادگانِ تیموریہ میں شعر و شاعری کا ذوق کافی ہو گیا تھا۔

قلعہ کے مشاعرے

قلعہ میں شہزادوں اور بادشاہ کی طرف سے جو مشاعرہ ہوتا وہ شاہانہ انداز سے ہوتا۔ بادشاہ سلامت خود بنفس نفیس شرکت فرما کر عزّت بخشتے تھے۔ شہزادے عموماً مشاعرہ کرتے تھے۔ قلعہ میں عجیب چہل پہل رہتی مرزا محمد اختر گورگانی نبیرۂ مرزا دارابخت ولی عہد بہادر ابو ظفر راقم السطور کے ملنے والے تھے میرے مکان کے قریب ایک عرصہ تک مدگیرانہ سے آکر رہے تھے۔ حیدر آباد سے یک صدی روپیہ کا منصب تھا۔

Marfat.com

وہ قلعہ کے مشاعروں کا اپنے والد کی زبانی ذکر کیا کرتے تھے۔ مشاعرے "دربار عام" اور کبھی "باغِ حیات بخش" میں منعقد ہوا کرتے "باغِ حیات بخش" میں ایک محل سنگ سُرخ کا بنا ہوا ہے۔ اس کو سنگ پٹھانی سے سفید کرکے رنگ آمیزی و طلا کاری کے گل بوٹے سے مزین کیا تھا۔ محل میں ایک درجہ پندرہ گز لمبا اور آٹھ گز چوڑا تھا جہاں شعر و سخن کی صحبت رہتی اس میں ایک حوض بھی تھا جس کا فوارہ ہر وقت چھوٹا کرتا تھا۔ اس باغ میں ساون بھادوں کی عمارتیں تھیں۔ مشاعرے کے دن ساون بھادوں کا سماں بھی رہتا تھا۔

۲۵ر فروری ۱۸۴۵ء کو محل "حیات بخش" میں بادشاہ کی طرف سے مشاعرہ کا انتظام ہوا۔ شاہانہ اہتمام و انتظام کیا گیا۔ محل، فرش و فروش، جھاڑ فانوس سے سجایا گیا۔ بادشاہ کی طرف سے اذنِ عام ہوا۔ اساتذۂ دلّی کو دعوت دی گئی۔ چنانچہ سب شعرا قلعہ میں جمع ہوئے خاندانِ بابر کے شہزادے ایک ایک نے شرکت کی۔ مرزا اعظم شاہ نبیرۂ سلیمان شکوہ متخلص آزاد۔ مرزا وحید الدین متخلص اختر۔ مرزا سپہر شکوہ اسرار۔ مرزا غلام محی الدین افسر۔ مرزا الماقی بدر۔ مرزا الطاف تاب مرزا معز الدین ثابت۔ مرزا عزیز الدین سرور، داماد ابوظفر بہادر شاہ سلطان شاہ۔ سلطان مرزا فخر الدین سیارہ۔ مرزا نور الدین ساہی۔ حاجی مرزا قادر بخش ششدر۔ مرزا بلند بخت فدا۔ مرزا سکند بخت فدا۔ مرزا مصلح الدین صالح۔ مرزا عزیز الدین عزیز۔ مرزا نصیر الدین قناعت

Marfat.com

مرزا خدا بخش قیصر۔ شہزادہ بہرام شاہ محب۔ مرزا منگو محزوں۔ مرزا محمود محمود۔ مرزا حسین مخلص۔ مرزا حضرت یا ذوق۔ حضرت غالب۔ صہبائی۔ عارف۔ تیر وغیرہ مشاہیر شعرائے دہلی شریک ہوتے۔

ان کے علاوہ دوسرے لوگ اسقدر تعداد میں آئے کہ نشستگاہ میں بیٹھنے کو جگہ تک نہ تھی۔ شعراء و سامعین سب جمع ہو گئے تو سلطان الشعراء شیخ محمد ابراہیم ذوق نے اولاً بادشاہ ابوظفر کی غزل پڑھی۔ جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

گردشِ چشمِ بتاں سے دل کو ہو کب مخلصی
حلقۂ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا
خار سا کھٹکے ہے جی میں اسکی مژگاں کا خیال
ہے رگِ جاں میں نیشتر کیا غضب ٹوٹا ہوا

پھر شہزادہ خضر سلطان نے اپنی غزل سنائی جس کے شعر یہ ہیں ؎

تارِ نفس کے ساتھ ہے الجھا ہوا یہ تار
نکلے گا دم بھی ساتھ جو تنا کہ رسا ہو
گالی سے کون خوش ہو مگر حسنِ اتفاق
جو تیری خوشی وہ ہی مرا مدعا ہوا

ان کے بعد مرزا حیدر شکوہ مرزا نورالدین نے غزل سنائی۔ مرزا روشن الدولہ ابن مرزا آغا جان تشنہ کہتے ہیں ؎

کام تو کچھ بھی نہیں ہے حشر میں اپنا مگر آن نکلیں گے تری خاطر اگر آنا ہوا

Marfat.com

قطب علی عالی دہلوی فرماتے ہیں ؎

کل تو عالی کا حال بہت ہی تباہ تھا
کیا گزری آج اس پہ خدا جانے کیا ہوا

مرزا علاء الدین ابن مرزا منور بخت بنارسی تخلص آرزو کہتے ہیں ؎

یاں بیخودی ہے مانع نظارہ ہم نفس
اس نے جمال اپنا دکھایا تو کب ہوا

حافظ محمد حسین بسمل کی باری آئی وہ فرماتے ہیں ؎

شکوہ مت کر حال جو بسمل ترے دل کا ہوا
شکر ہے ہر حال میں جو کچھ ہوا اچھا ہوا

مرزا غیاث الدین تمنا کہتے ہیں ؎

اے تمنا دل پہ کیوں رکھے ہوئے ہو ہاتھ تم
پھر کہیں کیا دل لگا عشق بتاں پیدا ہوا

مرزا حاجی شہرت خلف مرزا قیام الدین نے کم و بیش ستر شعر زمین طرح میں سنائے ؎

ہے یہ مستی میں ہی ہشیاری کا اب کیا نقاب
رخ ہے سرکا ہی تو ہے اک یوں ہی سا سرکا ہوا

اہلِ عالم کی نظر میں شانِ ظالم ہے بلند
ہے فلک ان سب کی نظروں میں تو ٹھہرا ہوا

مرزا قادر بخش صابر صاحب گلستان سخن نے غزل سنائی ؎

ہے نگاہِ آشنا کو ہر جگہ جلوہ سے ربط   دیر بھی کعبہ تھا جب میں نا صبور سا ہوا

Marfat.com

وصل سے عاشق نے پایا مرتبہ معشوق کا
قطرہ خود دریا ہوا جب واصل دریا ہوا

صابر کے بعد نواب زین العابدین خاں عارف نے پُردرد لہجہ میں اپنی غزل سنائی۔ ایک شعر تحریر ہے ؎

رسوا ہوا تو اہلِ وفا میں ہوا عزیز
اچھا ہوا وہ حق میں مرے جو بُرا ہوا

مولوی امیر علی عالی نے فارسی میں طرحی اشعار سُنائے۔ کہتے ہیں ؎

شکایتے چہ کنم از بتاں کہ خود دلِ من
ہمیشہ دشمن جانم بود کنارمرا

نواب ضیاءالدین خاں نیّر نے فارسی طرح پر غزل کہی۔ کہتے ہیں ؎

بس ست طول خدایا شبان تار مرا
بیاض صبح مدد چشم انتظار مرا

اس کے بعد مولانا امام بخش صہبائی نے یہ رباعی پڑھی ؎

شاہا بدرت کہ اصل عزو جاہ ست
از عرش ہزار سال آں سوراہ ست
از چرخ نہم سوال کردم گفتند
لیکن ذرہ عتبہ بہادر شاہ ست

غزل طرحی ؎

چہ گل کہ در کف پا نشگفد ز خار مرا   جنوں بفصل خزاں میکند بہار مرا

Marfat.com

چنانکہ بادہ در انگور نیست بادہ بنام بھر کجا کہ توئی نیست اعتبار مرا
برنگ لالہ در آغوش نوبہار نہ ہست ز دستِ داغِ دل آسودہ روزگار مرا
فلک بماتم یارانِ رفتہ صہبائی
سر و دماغ و دل و چشم اشکبار مرا

حالی کے پاس مرزا غالب بیٹھے ہوئے تھے اپنی غزل دس شعر کی غیر طرحی سنائی ؎

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کیلئے رہے نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کیلئے
بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونفشاں کیلئے
گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

نواب مصطفٰے خاں فرماتے ہیں ذوق نے شعر سوم کی مشاعرہ میں بے حد تعریف کی اور بار بار دہرایا۔ عموماً مرزا غالب مشاعروں میں فارسی کی طرح پر غزل کہا کرتے تھے۔ یہ پہلی مرتبہ اردو میں غزل سنائی مولانا حالی نے بھی قلعہ کے مشاعرہ کا ذکر کیا ہے کہ ذوق غالب نے ہم طرح غزل پڑھی تھی۔

مشاعرہ ساری رات جاری رہا۔ سب کے آخر میں سلطان الشعراء ذوق نے غزل طرح پر سنائی اور مرزا صاحب نے جو غزل پڑھی اس پر بھی فی البدیہہ شعر سنائے پہلے بادشاہ کی شان میں رباعی کہی۔ کہتے ہیں ؎

لہ غالب از مولانا مہر صفحہ ۲۸۶

چھٹے نہ اشرفی آفتاب عالم میں
خطِ شعاع سے اس پر اگر نہ ہو تحریر
ابو ظفر شہ والا گہر بہادر شاہ
سراج دین نبی سایہ خدائے قدیر

غزل طرح سے

پانی طبیب دے ہے ہمیں کیا بجھا ہوا — ہے دل بھی زندگی سے ہمارا بجھا ہوا
کہتے تھے آفتاب قیامت جسے سو وہ — نکلا چراغ داغ دل اپنا بجھا ہوا
چشم غضب سے ہم نگہ مہر پاسکے — اک نیمچہ ہے زہر میں گویا بجھا ہوا
پہلے نشانہ کرنا وہ بندوق کا مجھے — پہ تھا مرے نصیب سے توڑا بجھا ہوا
جل کر اگر بجھا بھی دل سوختہ مرا — سو جل اٹھے گا جیسے کہ کولا بجھا ہوا

ہم آپ جل بجھے مگر اس دل کی آگ کو
سینے میں ہم نے ذوق نہ پایا بجھا ہوا

مرزا غالب جا چکے تھے ان کی غزل پر غزل اسی وقت کہی، فرماتے ہیں

مرے یہ دل کے لئے تھے بنے زباں کیلئے
سو ہم نے دل ہیں مرے سوزش نہاں کیلئے
بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف
اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کیلئے

اس کے بعد مشاعرہ ختم ہوا۔ اس مشاعرہ کا ذکر مرزا غالب نے میر مہدی مجروح کو یہ لکھا:۔

Marfat.com

شاہ فرمان داد و حاجت بارگاہ سخن گستران را ایوان نظارت
نشان داد کہ روز آدینہ بست و پنجم فروری سنہ بداں نجستہ نشیمن
بیائید و جام سخن بریک دگر پیمائید و گروہے از شاہزادگان با بر بہ
و سنتے چند از آزادگان شہر فراہم آمدند جابہ مردم تنگی کرد گوئی پیکر
اندر پیکر ہمی خواہد نخست۔ سلطان الشعراء شیخ محمد ابراہیم زخمہ بتار زد
غزل سلطان را بداں نوا بر خواند کہ زہرہ از سپہر فرود آمد سپس شاہزادہ
یوسف دیدار ہمایوں آثار۔ مرزا خضر سلطان بہادر غزل طرح بدان
سخن ... بود کہ پنداری پروین بر بساط بزم افشاند مرزا وحید شکوہ
و مرزا نور الدین و مرزا عالی بخت عالی را ساز سخن بلند آہنگ شد
غالب آشفتہ نوا ... بر پہلوی عالی جا داشت دہ بیت از خویشتن
خواند محوی نام مرد ... ے از ہمی آشنایان خمکدہ صہبائی نشید مستانہ زد
مرزا حاجی شہرت کم ... ش ہفتاد بیت در زمین طرح بہ سامعہ
انجمن نشینان عرضہ داد مرا بہ بہانہ آب تاختن از بزم بیرون
آمدم و راہ غمکدہ گرفتم زود ... نہا کشودہ بود و چراغہا روشن
ہمانا نیمہ از شب بود کہ بہ بوریا گشتے بے نوائی دور جام بادہ روانی
داد و بادہ آشا میدم و ختم بامداد بہ ارک ہمایوں روئے آوردم ہر
چہار سلطان زادہ کہ نام نامی آناں بر زبان قلم رفت زمزمہ مستانہ
تازہ کردند من نیز غزل دوبارہ خواندم از ہمدمان شنیدہ شد کہ
شب در ہنگامہ سر آمدو نزدیک بہ دمیدن سپیدہ سحر بزم بر خاست

Marfat.com

گویند۔ سلطان الشعراء پایان انجمن دو غزل سرود امانہ در طرح
از امروز نیست"[۱]

قلعہ کے ایک مشاعرہ میں غالب اور صہبائی کی ہم طرح غزلیں تھیں۔
"گر بیانم نمی آید۔ دامانم نمی آید" طرح ہوئی۔ صہبائی نے یہ غزل پڑھی ؎

زکس یارب علاجِ دردِ ہجرانم نمی آید
شدم خاک ہنوز آں برق جولانم نمی آید

بنازم پاس ناموسِ تمنا راکہ در رویش
سخن تا لب نگہ تا نوکِ مژگانم نمی آید

چو دیدم غالب و آزردہ را از ہند صہبائی
بخاطر ہیچ یاد از خاکِ ایرانم نمی آید

آزردہ بیمار تھے شریک مشاعرہ نہ ہو سکے۔ مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔
"چوں نوبت بہ من رسید نخست ملک نخواست، فلک نخواست
سرودم آنگاہ غزل طرح خواندم ؎

چہ عیش از وعدہ چوں بادہ در جوانم نمی آید
بہ نوعے گفت می آیم کہ می دانم نمی آید

شہادت

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی
وھاں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی
کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

ابو ظفر قلعہ میں بیٹھے کمپنی بہادر کے وظیفہ پر گزران کر رہے تھے۔

---

[۱] کلیات نثر غالب صفحہ ۲۳۸

Marfat.com

ان کی ضعیفی سے فائدہ اٹھا کر نواب زینت محل جواں بخت کی جانشینی کے ڈورے ڈال رہی تھی کمپنی بہادر کو یہ کانٹا بھی چبھ رہا تھا۔ یکایک ہنگامہ رونما ہوا۔ وطن پرستوں کی بن آئی، آزادی وطن کے لئے۔ کمر باندھی میرٹھ کے ظلم کے مارے ہوئے فوجی تلنگے ان کی ہمنوائی کرنے لگے۔ اُدھر بادشاہ کو آگھیرا۔ پہلے تو وہ بچے مگر غور و خوض سے، اور کچھ حریت نواز شہزادوں کے کہنے سننے سے بہتر مستقبل کا خواب دیکھنے لگے۔

جنرل بخت خاں روہیلہ بریلی سے آگیا۔ اس کے ساتھ توپخانہ تھا۔ بادشاہ کی بہشت پناہی کرنے لگا بادشاہ نے جنرل فوج کا بنا دیا آگے چل کر لارڈ کمانڈر بن گئے۔ جنرل تھا بڑا بہادر۔ اس کے طریقہ کار کے مرزا مغل وغیرہ آڑے آئے۔ نتیجہ تباہی تھا جنرل لکھنؤ گئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی کے ہمراہ رہ کر لکھنؤ میں پھر نئی اسلامی حکومت قائم کرنا چاہی۔ ناکامیابی پر نیپال کے جنگلوں میں روپوش ہو گئے۔

ابوظفر رنگون بھیجدیئے گئے جو جو قلعہ سے تعلق رکھتا تھا لپیٹ میں آئے بغیر نہ رہا۔ آزردہ جیل گئے شیفتہ کو بھی قید ہوئی مولانا فضل حق کو انڈمان جانا پڑا۔ وہیں سپرد خاک ہوئے۔ غالب روپوش رہے تو خطرہ سے بچے رہے۔ صہبائی گولی کا نشانہ بنے چنانچہ ظہیر دہلوی کہتے ہیں۔

جہاں کی تشنۂ خوں تیغ آبدار ہوئی
سنانِ نیزہ ہر اک سینہ سے دوچار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی
ہر ایک سمت سے فریاد گیرودار ہوئی

Marfat.com

ہر ایک دشت قضا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا
ہر اک قبیلہ و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک اہل زبان خوش بیان قتل ہوا
غرض خلاصہ یہ ہے اک جہان قتل ہوا

گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں

غرضکہ جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے ان میں کئی اشخاص باکمال نامی اور فرد روزگار مارے گئے جو دہلی کی ناک اور یگانۂ آفاق تھے۔ جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہو گی۔ میاں محمد امیر پنجہ کش خوشنویس جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔

مولانا امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے اور میر نیاز علی قصہ خواں اور چیلوں کے کوچے کے اور بہت شریف خاندانی لوگ، سنا گیا ہے کہ اسی محلہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کر کے راج گھاٹ کے دروازہ سے دریا پار لے جا کر بندوقوں کی باڑیں ماردی گئیں۔ لاشیں دریا میں پھکوا دی گئیں۔

کیوں کر آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

حضرت اکبر لکھتے ہیں سے

لہ داستان غدر صفحہ ۱۲۸

Marfat.com

دهلی - کشمیری دروازه پر آنگریزوں کا سفا کا نه حمله اور .... دهلی لٹ گئی

Marfat.com

نوجوانوں کو ہوئیں پھانسیاں بے جرم و قصور ۔۔۔ ماردیں گولیاں پایا جسے کچھ زور آور
وہی صہبائی جو تھے صاحبِ قولِ فیصل ۔۔۔ ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر[1]

حلیہ | قد میانہ، تمام سر پر بال، رنگ گندم گون کھلا ہوا دُبلے پتلے منہ پر چیچک کے سے داغ کہیں کہیں تھے[2]

یہ تھی حضرتِ صہبائی کی کہانی۔

آخر میں ان کی درد انگیز شہادت پر ایک مرثیہ ملاحظہ ہو[3]

ندانم کجا رفت آں نعشِ پاک ۔۔۔ ملک برد یا ماند بر روئے خاک
ندانم کسے داد او را کفن ۔۔۔ دیا ماند چوں سایہ بر خاک تن
ندانم چہ کرد است با او سپہر ۔۔۔ زبس بہ کفن کرد یا تابِ مہر
بخاکش نمودند او را نہاں ۔۔۔ و یا مرتفع شد سوئے آسماں!
کسے فاتحہ ہم بر و خواندہ است ۔۔۔ بعطرِ گلابی بر افشاندہ است
کدامی گل و بلبل و باد و درخت ۔۔۔ بخاکش بجشنِ عقیدت گزشت
الٰہی بیامرز مظلوم را ۔۔۔ کلاہِ شہی دہ بہ ملکِ بقا

بفردوسِ اعلیٰ بود جائے او
بہشتِ برین باد ماوائے او

---

[1] دیوان اکبر [2] طبقات الشعراء از مولوی کریم الدین دہلوی [3] سفینۂ رحمانی صفحہ ۸ [4] مصنف نمبر ۱۴

دلاور جنگ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی رح

مولانا سید احمد اللہ شاہ دلاور جنگ نواب چینا پٹن کے صاحبزادے ابو الحسن تانا شاہ بادشاہ گول کنڈا کی اولاد سے تھے عالم فاضل فنون حرب کے ماہر ممالک مشرق و مغرب کی سیاحت کی پیر قربان علی جے پوری اور حضرت محراب شاہ قلندر گوالیاری کے مرید و خلیفہ تھے۔ قلندر صاحب نے اسلام کیلئے جاں بازی اور نصاریٰ سے جہاد کی بیعت لی اور انگریزوں کے اقتدار کے خلاف جنگی مساعی کیلئے ان کو مقرر کیا۔ دلاور جنگ دلی آئے پھر آگرہ آکر قیام پذیر ہو گئے۔ بیعت کا سلسلہ جاری کیا۔ خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی کے یہاں مجلس علما کی تشکیل کی۔ جب ہزارہا مرید ہو چکے ان کو فنونِ حرب سے آگاہ کیا۔ امجد علی شاہ کی شہادت پر لکھنؤ آئے فیض آباد گئے حکومت نے نظر بند کر دیا۔ ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا۔ جیل ٹوٹی۔ یہ بھی رہا ہو کر معہ محبان کے لکھنؤ آئے۔ اور نصف لکھنؤ پر قبضہ کر لیا اور اپنا اقتدار بڑھانا شروع کیا۔ ممّو خاں نے برجیس قدر کو تختِ اودھ پر بٹھایا اور نگراں ملکہ اودھ حضرت محل تجویز ہوئیں۔ افواج کمپنی سے دلاور جنگ اور حضرت محل

Marfat.com

کے خوب خوب مقابلے رہے ممو خاں کی سفلہ پروری اور سنی شیعہ کی پھوٹ ڈالنے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ مجبوراً حضرت محل شاہجہاں پور روانہ ہوگئیں۔ شاہ صاحب پھر بھی انگریز حکومت سے لیتے رہے۔ مگر مسلمان اپنوں اور غیروں کے ہاتھوں تباہی کی راہ لگ رہے تھے۔ شاہ صاحب نے بھی شاہجہاں پور کا رخ اختیار کیا۔ نواب خاں بہادر خاں بریلی بلا رہا تھا۔ پچاس ہزار روہیلہ اسکے کے زیر علم رکھنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ لکھنؤ سے شاہجہاں پور گئے۔ محمدی پور میں حکومت اسلامی قائم کی شاہزادہ فیروز شاہ اور نانا راؤ وزیر مقرر ہوئے جنرل بخت خاں کمانڈر ہوتے۔ خلافت راشدہ کی اتباع میں حکومت شرعیہ کا نقشہ قائم کیا سکہ شاہ صاحب کے نام کا جاری ہوا۔

سکہ زد بر ہفت کشور خادم محراب شاہ
حامی دین محمد احمد اللہ بادشاہ

مگر فیروز شاہ اپنی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ آخرش یہاں پر بھی زیادہ قیام نہ کر سکے۔ راجہ پوائین بلدیو سنگھ کی دعوت پر گڈھی کی طرف تشریف لے گئے۔ ہاتھی پر سوار تھے دھوکہ سے گولیوں کی باڑ سے تواضع کی۔ آخرش آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ سر کاٹ کر کوتوالی پر لٹکایا گیا۔ نعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے

سلہ تاریخ احمدی منظوم مولوی فتح محمد تائب لکھنوی (مسلمانوں کا روشن مستقبل از مولانا طفیل احمد مرحوم

Marfat.com

جلا دی گئی۔[1] یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ کا تھا۔[2]

سر مبارک کچھ دن بعد احمد پور محلہ جہان آباد میں دفن کیا گیا۔ راجہ پوائین کو پچاس ہزار روپیہ انعام دیا گیا۔[3] تفصیلی حالات "ایسٹ انڈیا کمپنی" اور "باغی علما" اور "حیات ولاور جنگ" میں دیکھئے۔

جنرل ٹامس جو ایک بہادر انگریز تھا وہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں شریک رہا۔ اس نے شاہ صاحب کے متعلق لکھا ہے۔

مولوی احمد اللہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا وہ اس قدر شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا یہ عزم کا پکا اور ارادہ کا مستقل تھا۔ باغیوں میں اس سے بہتر سپاہی نہ تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے سر کالن کمبل کو میدان جنگ میں ناکامیاب رکھا۔ وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محب وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطی سے برباد ہو گئی ہو سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محب صادق تھا۔ اس نے کبھی تلوار کو مخفی اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا وہ بہادرانہ اور معرکانہ طور پر ان سے معرکہ آرا ہوا جنھوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم اور ادب کے ساتھ جو شجاعت و صداقت کے لئے لازمی ہیں اور جن کا مولوی مستحق تھا۔

---

[1] رسالہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۵ [2] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۴۶۷ [3] صحیفہ زریں مطبوعہ نولکشور۔

Marfat.com

اس کو یاد کریں گی۔

ایک آزاد حکمراں اور بہادر قوم کے ایک شریف جرنیل کے

قیمتی الفاظ ہیں۔[1]

حضرت مولانا فضل حق فرقتی خیرآبادی

مولانا فضل حق متخلص فرقتی خیرآبادی کے والد مولانا فضل امام بن شیخ ارشد ہرگامی نسبتاً فاروقی تھے۔ فضل و کمال کے ساتھ منطق و فلسفہ میں تبحر خاص تھا۔ دلّی میں صدر الصدور کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ باپ دادا کا طریقہ بھی جاری تھا۔ منتہی طلباء کو بالخصوص علوم معقول کا درس دیتے "مرقات"، "حاشیہ افق المبین" یادگار ہے ۱۲۴۴ھ میں انتقال کیا۔

۱۲۱۲ھ میں علامہ فضل حق پیدا ہوئے۔ باپ سے جملہ علوم و فنون کی تحصیل کی۔ سند حدیث مولانا عبد القادر دہلوی سے لی۔ ۱۳ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور باپ کے تلامذہ کو درس دینے لگے۔

---

[1] تاریخ شاہجہاں پور صفحہ ۱۳۹ [2] سیر العلماء [3] مولانا فضل حق و عبد الحق خیرآبادی مطبوعہ مجلس مصنفین علی گڈھ ۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل۔

Marfat.com

ایک طالب علم مولانا فضل امام سے پڑھنے آیا، آپ نے فرمایا کہ میاں جاؤ فضل حق سے سبق لے لیا کرو۔ وہ ان کے پاس آیا۔ غریب آدمی بدصورت عمر زیادہ۔ علم کم۔ ذہن کند۔ یہ نازک طبع، نازپرور جمال صورت ومعنی سے آراستہ، چودہ برس کا سن وسال، نئی فضیلت ذہن میں جودت؛ بھلا میل ملے تو کیسے ملے۔ صحبت راس آئے تو کیونکر آئے۔ تھوڑا سبق پڑھایا بگڑ گئے۔ جھٹ اس کی کتاب پھینک دی۔ برا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا کے پاس پہنچا اور سارا حال کہہ سنایا۔ فرمایا بلاؤ اس خبیث کو۔ مولوی فضل حق آئے۔ دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا نے ایک تھپڑ دیا اور ایسے زور سے کہ انکی دستار فضیلت دور جا پڑی۔ پھر فرمانے لگے کہ تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا۔ ناز ونعم میں پرورش پائی۔ جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطرداری سے پڑھایا۔ طالب علموں کی قدر ومنزلت کو تو کیا جانے۔ اگر بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے پوچھ

درازیٔ شب از مژگانِ من پرس کہ یک دم خواب در چشم نگشت ست[1]

ملازمت اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ دلی میں ریذیڈنٹ رہا کرتا تھا۔ اس کے محکمے کے سررشتہ دار ہو گئے۔ ابوظفر ولی عہد بہادر سے دوستانہ مراسم تھے۔ قلعہ میں آتے جاتے۔ دلی وہ دلی تھی کہ ایک

---

[1] مولانا غوث علی شاہ قلندر (تذکرۂ غوثیہ)

طرف حدیث و فقہ کا دور دورہ دوسری طرف منطق و فلسفہ کی گرم بازاری۔ شعر و سخن کے گلی کوچہ میں چرچے بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر موجود۔ اُن کے ہم سبق مفتی صدر الدین خاں آزردہ دوستوں میں مولوی امام بخش صہبائی۔ علامہ عبد اللہ خاں علوی۔ حکیم مومن خاں مومن۔ نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ نواب ضیا الدین خاں نیر۔ شاہ نصیر الدین نصیر۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق۔ حکیم آغا جان عیش۔ حافظ عبد الرحمن احسان۔ میر حسین تسکین سے باکمال لوگ تھے شام کو مولانا کے یہاں نشست رہا کرتی ہے[1]

علامہ فضل حق ...... بزرگوں کے وطن کے لحاظ سے ان کو خیر آبادی کہہ لو مگر حقیقت میں ان کا بچپن، جوانی، بڑھاپا سب دلی میں گزرا۔ مرزا غالب آگرہ سے دلی آن رہے تو اُن سے مراسم پیدا ہوئے اور رفتہ رفتہ بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ مرزا ان کو اپنا مخلص بے ریا سمجھنے لگے۔

مناظرہ مولانا اسمٰعیل شہید ابن مولوی عبد الغنی بن حضرت ولی اللہ دہلوی علامہ سے بیس سال بڑے تھے۔ علوم منقول ہی میں نہیں بلکہ معقول میں بھی انھیں اجتہادی درجہ حاصل تھا۔ بدعات و محدثات کے خلاف آواز اٹھائی۔ علمائے دین بھڑک اُٹھے۔ علامہ بھی ان کے آگے آگے تھے۔ کبھی اکبر شاہ ثانی کو ابھارا

[1] گل رعنا صفحہ ۳۱۲ [2] امیر الروایات از میر شاہ خاں

Marfat.com

مگر شہید کی حق گوئی نے بادشاہ کی زبان بھی بند کردی۔ آخر مناظرہ کی ٹھنی۔ ایسا بازار گرم ہوا جس کا سلسلہ ہندوستان میں برسوں جاری رہا۔
امتناع نظیر، امکان نظیر کا مسئلہ رفع یدین آمین بالجہر کی بحثیں چھڑ گئیں۔ ہر دو الجھتے ہی رہے۔ دونوں میں تحریری مناظرہ ہوا کرتا۔ ایک مرتبہ علامہ اور حکیم مومن خاں شطرنج کھیل رہے تھے کوئی اعتراض دماغ میں آیا۔ اسی وقت آدمی کو لکھ کر دیا جاؤ۔ مولانا سے جواب لاؤ وہ گیا حضرت شہید کسی کام میں تھے۔ خادم واپس آگیا۔ شطرنج سے آنکھ اٹھا کر پوچھا جواب لائے۔ وہ بولا ابھی جواب نہیں [illegible] ہے۔ تحریر دے آیا ہوں۔ مسکرا کے بولے "بس ہو لیا جواب" یہ بات حکیم مومن خاں کو بری لگی۔ حکیم صاحب اور شہید پیر بھائی اور ہم عقیدہ تھے کہنے لگے وہ بات ہی ایسی کیا ہے جس کا جواب مولانا اسمٰعیل نہ دے سکیں اس پر ہر دو میں بحث بہت خوب رہی۔ ہر دو کے مزاج برہم سے ہونے لگے۔ حکیم صاحب نے یہ رنگ دیکھ کر بساطِ شطرنج تہ کی اور چلتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

علامہ فرقتی اور آرزو ہر دو تخلص رکھتے تھے۔ دو ایک دن بعد یاد آتھی حکیم صاحب کے گھر گئے اور دوست کو منالائے انھوں نے فی البدیہہ کہا ؎

Marfat.com

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

علامہ نے ایک دن مرزا غالب سے کہا حضرت نہ روزہ کے ہو نہ نماز کے کچھ تو آخرت کے لئے نیکی کا کام کر لو۔ موقعہ اچھا ہے۔ لگے ہاتھوں ثواب لے لو، وہ مسکرائے اور کہا فرمائیے کیا کام ایسا ہے۔ آپ نے کہا فارسی میں وہابیوں کے خلاف ایک مثنوی لکھ دو۔ جس میں ان کے بڑے بڑے اور مشہور عقیدوں کی تردید اور خاصکر مولوی شاہ محمد اسمٰعیل کو مخاطب کرکے امتناع نظیر النبیین کے مسئلہ کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کرو۔ اس مسئلہ میں شاہ صاحب کی یہ رائے تھی کہ ختم النبیین کا مثل ممتنع بالذات نہیں ممتنع بالغیر ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم کا مثل اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا پیدا ہونا آپ کی خاتمیت کے منافی ہے۔ نہ اس لئے کہ خدا اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے برخلاف اس کے علامہ کی یہ رائے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کر سکتا اس طرح خاتم النبیین کا مثل بھی پیدا نہیں کر سکتا مرزا صاحب نے مثنوی لکھ ڈالی جو کلیات میں مثنویات کے سلسلہ میں چھٹی مثنوی ہے۔

علامہ مثنوی دیکھ کے خوش نہیں ہوئے بلکہ چراغ پا ہو گئے

Marfat.com

مرزا کو نہ شاہ صاحب سے خصومت تھی اور نہ ان کے مخالفوں سے تعلق بلکہ صرف دوست کی رضاجوئی مقصود تھی۔ چنانچہ علامہ کے کہنے سننے سے کچھ اور اشعار کا اضافہ کر کے دوست کو رضامند کر لیا۔[1]

جھجر کی روانگی

عرصہ کے بعد ریذیڈنسی کمشنری میں اپنے آپکو تبدیل کرا لیا مگر یہاں بھی رنگ بے رنگ تھا یہ نازک مزاج واقع ہوتے تھے۔ حکام تھے تنک مزاج خطِ خراب کنان۔ ارباب علم اور بے علم سب ایک آنکھ دیکھے جاتے علامہ نے استعفےٰ دیا۔ نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر نے پانصد روپیہ ماہوار مصارف کے لئے پیش کیا اور قدر دانی کے ساتھ اپنے پاس لایا۔ روانگی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابو ظفر بہادر نے اپنا ملبوس دوشالہ علامہ کو اوڑھا دیا اور بوقت رخصت آبدیدہ ہو کے کہا چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اسکو منظور کر دوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع زبان پر لانا دشوار ہے۔

ایک عرصہ تک جھجر رہے پھر مہاراجہ الور نے بلوا لیا کچھ دنوں بعد سہارنپور قیام رہا۔ نواب ٹونک کے پاس بھی رہے۔ نواب یوسف علی خاں نے رام پور بلا لیا۔ خود تلمذ اختیار کیا اور محکمۂ نظامت

---

[1] یادگار غالب صفحہ ۱۷

Marfat.com

…ر م اقعہ عدالت میں منسلک کر دیئے گئے۔ نواب کلب علی خاں
…نے بھی کچھ آپ سے پڑھا۔ آٹھ دس برس رہنے کے بعد لکھنؤ چلے گئے وہاں
…ہاں صدر الصدور ہو گئے۔

مولوی رحمٰن علی خاں تذکرہ علمائے ہند میں اپنا مشاہدہ لکھتے
…ہیں کہ میں نے ۱۲۷۴ھ میں بمقام لکھنؤ مولانا کو دیکھا کہ حقہ نوشی کی
…حالت میں شطرنج بھی کھیلتے جاتے تھے اور ایک طالب علم کو
…افق المبین کا درس اس خوبی سے دیتے تھے کہ مضامین کتاب طالبعلم
…کے ذہن نشین ہو کر جاتے تھے۔[۱]

…دیب | فضل و کمال کی علمی حیثیت سے علامہ جس قدر و منزلت
کے شخص تھے ان کی نظیر ہندوستان میں مشکل سے
…ملے گی۔ علوم معقول کے تو امام تھے ہی۔ علم ادب۔ جو عربیت کا
…را جوہر ہے اس میں وہ کمال پایا کہ عرب کے معاصر شعرا سے
…ہونے سبقت لے گئے۔ علامہ کو عربی نظم پر بڑی قدرت حاصل
…تھی۔ چار ہزار سے زائد اشعار کہے۔ مولانا غوث علی شاہ قلندر
…واقعہ بیان کرتے تھے کہ علامہ نے ایک قصیدہ امرؤ القیس کے
…ایک قصیدہ کی طرز پر لکھا اور مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی کو سنانے
…کے لئے گئے شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا۔ اسکے
…جواب میں انھوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دئے۔ مولانا فضل امام

[۱] انتخاب یادگار منشی امیر احمد امیر مینائی صفحہ ۱۹ ور [۲] تذکرہ سیر العلماء مرتبہ حکیم سید بہاء الدین صدیقی گوپاموی

Marfat.com

بھی اس وقت وہاں موجود تھے وہ فرمانے لگے کہ بس حد ادب علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ہے نہیں فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تم سچ کہتے ہو مجھ کو سہو ہوا[1]

علامہ عربی کے سوا فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے۔ فرقتی تخلص تھا۔ یہ شعر نقل ہے ؎

فرقتی در کعبہ رفتی بارہا ناسلماں نامسلمانی ہنوز[1]

ظرافت طبع

مولانا باوجود علم و فضل خشک طبیعت نہ رکھتے تھے۔ زندہ دلی رفیق طبیعت تھی۔ سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے جب ڈاڑھی سفید ہونے کو آئی تو خضاب لگانے لگے۔ ان کے ایک مولوی دوست کو اس پر سخت اعتراض تھا اور وہ ہمیشہ مولانا سے کہا کرتے تھے کہ آپ خضاب کیوں لگاتے ہیں۔ مولانا ہمیشہ اپنے مولوی دوست کا یہ اعتراض سن کر خاموش ہو جاتے۔ لیکن ایک دن ضبط نہ ہو سکا تو کہنے لگے کہ مولوی کوئی دنیا کمانے کے لئے مسجد میں مولوی بن کر بیٹھتا ہے۔ کوئی پیری مریدی کرتا ہے۔ کوئی لوگوں کو تعویذ گنڈے کر دیتا ہے میں بھی آخر دنیا دار ہوں۔ دنیا کمانے کے لئے مریدوں اور غریبوں کی جیب نہیں کاٹتا۔ صرف اپنا منہ سیاہ کر لیتا ہوں۔ مولوی صاحب جو فی الحقیقت

[1] تذکرہ غوثیہ از مولانا گل حسن شاہ پانی پتی [2] گلزار بہار صفحہ ۱۱۴

Marfat.com

پیر جی بھی تھے فال و تعویذ والے بھی۔ اس جواب سے بہت منفعل ہوئے[1]

مولانا پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری راقم السطور سے یہ واقعہ بیان فرماتے تھے کہ علامہ لکھنؤ میں صدر الصدور جس زمانہ میں تھے منشی نولکشور نے مولانا سے عرض کیا کہ فرصت کے اوقات میں عربی کتب کی کاپی کو ملاحظہ فرمالیا کریں تو عین بندہ نوازی ہو۔ مولانا نے ازراہ اخلاق منظور کرلیا۔ اس وقت مجتہد العصر کی ایک مناظرہ کی کتاب مطبع میں طبع ہونے آئی۔ اس کی کاپیاں تصحیح کے لئے آپ کی خدمت میں آئیں۔ تصحیح بھی عبارت کی کرتے جاتے حاشیہ پر اعتراض کا جواب بھی لکھتے جاتے۔ جب کتاب چھپ کر مجتہد العصر کے پاس گئی تو کتاب دیکھ کے سر پیٹ لیا۔ کہ تمام عمر کی کمائی برباد گئی اور منشی نولکشور سے دریافت کیا تو اصلی واقعہ انھوں نے کہہ دیا۔ آخر ش کتابوں کے انبار میں آگ لگوادی گئی۔[2]

بیعت مولوی فیض الحسن کہتے تھے کہ میرے اُستاد مولوی فضل حق رام پوری کا بیان ہے کہ علاّمہ فرماتے رہتے تھے کہ میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ کا زیادہ معتقد نہ تھا۔ لیکن جب سے میں نے شاہ عبدالقادر کو دیکھا اس سلسلہ کا بہت معتقد ہو گیا۔

---

[1] ریاست اخبار دہلی ۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء [2] فضلائے ہند مرتبہ انتظام اللہ شہابی و داستان تاریخ اردو مرتبہ پروفیسر حامد حسین قادری۔

Marfat.com

کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے[1] چنانچہ آپ حضرت شاہ محمد مومن دہلوی کے مرید ہو گئے[2] اس کے بعد سے ہی ریاضت و مجاہدہ اختیار کیا۔

موجودہ انتخاب دیوان غالب مولانا جس زمانہ میں سررشتہ دار تھے اس وقت مرزا خانی کوتوال شہر تھے۔ یہ تھے مرزا قتیل کے شاگرد نثر و نظم میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ ان ہر دو باکمالوں سے اور مرزا غالب سے دلی دوستی تھی ہمیشہ باہم دوستانہ جلسہ اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے۔ مولانا آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں۔

> انھوں نے اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے مرزا نے کہا اتنا کچھ کہہ چکا اب تدارک کیا ہو سکتا ہے۔ انھوں نے کہا خیر ہوا سو ہوا انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو۔ مرزا صاحب نے دیوان حوالے کیا۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا وہ یہی دیوان ہے جسے آج عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں[3]

مگر اس واقعہ کو مولانا حالی یادگار میں چبا سا گئے۔ لکھا ہے مگر ان الفاظ میں نہیں۔

سیاست علامہ ایک حکیمانہ دماغ لے کے آئے تھے۔ قوم

---

[1] امیر الروایات صفحہ ۳۸ [2] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۶۴ [3] آب حیات صفحہ ۵۲۱

Marfat.com

میں اضمحلال آنکھوں دیکھتے آیا اکبر شاہ ثانی کا عہد دیکھا۔ بہادر شاہ کا زمانہ پایا۔ انگریزی حکومت کے معزز عہدوں پر سرفراز رہے شاہ امیر علی امیٹھوی ہنومان گڑھی کے مہنتوں کی سرکوبی کو آمادہ ہوئے اور ان کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ یہ لکھنؤ میں صدرالصدور تھے تو نواب اودھ کا ساتھ دے کر شاہ صاحب کو سمجھاتے بجھاتے رہے لیکن آخرش شاہ صاحب نے نواب اودھ کی فوج کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ تازیانۂ عبرت تھا۔ ادھر دلاور جنگ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی آگرہ سے لکھنؤ آئے تو آپس میں ملے جلے۔ رنگ کچھ اور ہی ہو گیا دلاور جنگ فیض آباد گئے۔ یہ الور چلے گئے ایک سال بعد ہنگامہ ۱۸۵۷ء رونما ہوا مولانا دلی آئے فتویٰ لکھا۔ جنرل بخت خاں سے ملے مگر سب تدبیریں الٹی پڑیں۔ وہاں سے وطن چلے آئے بادشاہ دلی سے رنگون روانہ کئے گئے۔

۱۸۵۹ء میں سلطنت برطانیہ کی وفاداری یا فتوئ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا مولانا موصوف کے فیصلے کے لئے جیوری بیٹھی۔ ایک انسپکٹر نے واقعات سن کر بائیس چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ سرکاری وکیل کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے

۱؎ تاریخ اودھ از حکیم نجم الغنی رام پوری آبکاری۔

Marfat.com

بلکہ بعض یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کئے۔ اور پھر خود ہی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی ادلہ سے توڑ دیتے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے ہمدردی بھی تھی۔ کرے تو کیا کرے۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں گے۔ سرکاری وکیل لاجواب تھے۔ چنانچہ پیروکار مقدمہ منشی کرم احمد خیرآبادی نے لکھنؤ سے سید اعظم علی خیرآبادی کے نام خیرآباد یہ خط لکھا۔

"مدت ایک ماہ و چند روز است کہ جناب مخدوم الاخوان حسب تقدیر مبتلائے حبس عشرہ از سیتاپور بہ لکھنؤ برائے ... جاری صفائی روانہ کردہ شدہ اند زبانی آیندگان ... از تحریرات انجا ہر روزہ منکشف بشود کہ امروز فردا بفضلہ تعالیٰ رہائی خواہد شد ی زگون روانہ شہادت صفائی مولوی صاحب مکرم مولوی نبی بخش صاحب (خیرآبادی راقم السطور کے پھوپھا) مشفقی مولوی قادر بخش صاحب و برخوردار مولوی سید ضامن حسین بموجب درخواست (شمس العلماء) مولوی عبدالحق بمعیت ایشاں لکھنؤ شدہ اند و ہمگیاں را امید از خدائے کریم است دیگر روز بالضرور مخلصی یافتہ دارد، دولت خانہ خواہند شد او تعالیٰ ہمچنین کند ہمہ ہا از خورد و کلاں ذکور و اناث چشم براہ انتظار کشادہ می باشند در رنج و قلق عظیم دارند ایزد جل علےٰ بر جمیع کساں رحم خود فرمائید۔"

Marfat.com

دوسرے دن آخری دن تھا۔ آپ نے اپنے اوپر جس قدر الزام کئے تھے ان کو ایک ایک کرکے رد کیا اور جس مخبر نے فتوے کی خبر کی اس کے بیان کی توثیق و تصدیق کی۔ اور فرمایا پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا۔ اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی اب عدالت میں میری صورت دیکھ کے مرعوب سا ہو گیا اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بھی بے حد رنج کے ساتھ عدالت نے حبس دوام کا حکم سنایا۔ آپ نے مسرت سے منظور کیا۔ آپ سے کا... سیکھ چکا تھا۔ مذکورہ خط میں اس کا ذکر اس طرح سے ہے۔

"برادر من تا دو عشرہ بسبب عدم بہم رسی حامل این لفافہ افتادہ ماند حالیہ آدمی خاص مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب نشانی یا بدو حال پر ملال جناب مولوی (فضل حق) صاحب از لکھنؤ درین عرصہ نوشتہ آمد لائق گریستن و واویلا کردن است یعنی حبس دوام از پیشگاہ حکم صدور یافت فواویلاہ وا حسرتاہ و تعالیٰ رحم فرماید[1]

محررہ بستم فروری مطابق ۱۷ رجب ۱۲۷۵ھ

انڈمان بھیج دیئے گئے۔ استاد مولانا محمد عمر اللہ ری بخاری اکبر آبادی اپنے استاد کی زبانی کہتے تھے کہ مولانا کو خدمت ذلیل درجہ کی دی گئی تھی۔

---

[1] سبز العلماء، صفحہ ۲۳

Marfat.com

جس کا سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ مشرقی علوم سے واقف اور فن ہئیت کا ماہر تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی سعید الزماں بھی تھے اور اپنی تصنیف کتاب ہئیت کی جو فارسی میں تھی۔ وہ ان کو دی کہ عبارت صحیح و درست کر دیں۔ مولوی صاحب سے تو کام چلا نہیں۔ علامہ نئے نئے گئے تھے۔ ایک سال ہی گذرا تھا ان کو وہ کتاب دی اور کہا مولانا آپ اس کو درست کر دیں۔ چنانچہ علامہ نے اس کی عبارت درست کی۔ اور معلومات میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ اور حاشیہ میں کثیر التعداد کتب کے حوالے لکھے۔ جب یہ کتاب مولوی صاحب سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس لے گئے وہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور اس نے کہا مولوی صاحب تم بڑا لائق آدمی ہے۔ مگر جن کتابوں کے حوالہ ہیں اور ان کی عبارتیں جو نقل ہیں یہاں کہاں ہیں۔ مولوی صاحب مسکرائے اور اصل واقعہ علامہ کا کہہ سنایا۔ وہ اسوقت مولوی صاحب کو لے کر بارگ میں آیا۔ علامہ تھے نہیں کچھ انتظار کے بعد دیکھا تو کر ا بغل میں دبائے چلے آرہے ہیں۔ وہ یہ ہئیت دیکھ کے آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور معذرت کی اور کلرکی میں لے لیا اور گورنمنٹ میں ان کی سفارش کی۔ ادھر علامہ کے صاحبزادہ مولوی شمس الحق دہلوی اور علامہ کے قریبی عزیز خان بہادر مفتی انعام اللہ گوپاموی کے داماد منشی خواجہ غلام غوث بیخبر

Marfat.com

خاں بہادر ذوالقدر ممبر فنشل لفٹننٹ مغربی شمالی صوبہ اودھ سرگرم سعی تھے پروانۂ آزادی حاصل کیا اور مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہوگئے۔ وہاں جہاز سے اترے شہر میں گئے تو ایک جنازہ نظر پڑا اس کے ساتھ بڑا اژدہام تھا۔ انھوں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ کل ۱۲ صفر المظفر سنہ ۱۲۷۸ھ کو علّامہ کا انتقال ہوگیا۔ اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔ یہ بھی ہمراہ ہو گئے اور بعد دفن فاتحہ وطن بصد حسرت و یاس لوٹے۔

چند عربی شعر قصیدہ نعتیہ سے نقل ہیں ؎

ذو اوّل الانبیاء آخرهم به — ختم نبوة وابتدء الابداء
وہ پہلا نبی ہے اور آخر انبیا ہے — اس پر تمام ہوئی نبوت اور اس سے شروع ہوئی
قد خصه الباری باوصاف علی — لم یعطها الاحداث والقدما
خاص کیا اللہ تعالیٰ نے ساتھ بڑے وصفوں کے — کہ نہیں دئے وہ اوصاف پچھلوں اور اگلوں کو

الجنس نعمانی شرح جواہر العالی

تصانیف شرح تہذیب الکلام۔ تحقیق حقیقۃ الاجسام۔ حاشیہ قاضی مبارک۔ حاشیہ افق المبین۔ حاشیہ تلخیص الشفاء۔ ہدیہ سعیدیہ فی الحکمت الطبیعیہ۔ روض المجود فی تحقیق الوجود۔ رسالہ مبحث قاطیغوریاس۔ رسالہ تحقیق علم و معلوم۔ رسالہ غدریہ اور ان تصنیفات کے علاوہ کتب اور قصائد عربی شمار میں سو سے زائد ہیں[1]

[1] تذکرہ مصنفین از مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی

Marfat.com

حضرت آزردہ دہلوی

حضرت آزردہ کے جد اعلیٰ خواجہ بہاءالدین خوارزمی فاروقی اکبر بادشاہ کے عہد میں تھے عہد اورنگ زیب میں مولوی خیر الدین ابو الخیر تھے جو مؤلفین فتاوا عالمگیری سے تھے ان کے صاحبزادے مولانا مظفر الدین امان اللہ نادر شاہ محمد شاہ کی جنگ میں شہید ہوئے یہ شیخ الاسلام کہے جاتے تھے ان کے بھائی مولوی لطف اللہ تھے سلہ

مفتی صدر الدین خاں آزردہ ابن مولوی لطف اللہ کشمیری نجابت و شرافت کے اعتبار سے امتیازی درجہ تھا۔ ان کے اجداد دہلی میں آکر مقیم ہوئے۔ اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ ۱۲۰۴ھ میں آزردہ پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت لفظ "چراغ" سے نکلتی ہے۔ دلی اہل علم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ مولوی صاحب نے خود ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔ علوم عقلیہ کی تحصیل مولانا فضل امام خیرآبادی صدر الصدور دلی سے کی۔ حدیث حضرت شاہ عبد القادر سے پڑھی۔

مولانا فضل حق اور آزردہ ہم سبق تھے۔ مولانا فضل امام سے منطق و فلسفہ کا درس لے رہے تھے۔ ایک بنگالی طالب علم

سلہ معارف نمبر ۶ جلد ۵۹ صفحہ ۴۵۸۔

بھی وہاں آگیا۔ اور مولانا سے بولا آپ کا نام سن کر دور سے آ رہا ہوں۔ آپ نے اشارہ سے ایک جانب بیٹھنے کو کہا۔ جب پڑھا چکے مخاطب ہوئے۔ طالب علم بولا آپ سے مجسطی بطلیموس پڑھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا میاں میری رائے میں مولوی شاہ عبدالقادر کے درس میں جا بیٹھو۔ وہاں تمھاری مراد پوری ہو جائیگی۔

طالب علم یہ سُن کے ہکا بکا رہ گیا۔ سر جھکا کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ دوپہر کا کھانا محلسرا سے آیا۔ شام ہوئی مولانا صدر الصدوری کا کام انجام دے کر گھر آئے فواکہات کا شغل کیا۔ نماز عصر سے فارغ ہو کر محلسرا سے باہر آئے۔ مفتی صدر الدین خاں اور مولانا فضل حق آن بیٹھے سبق ہونے لگا حسن اتفاق سے درس میں مجسطی ہی کا سبق تھا۔ ادھر ملنے جلنے والے آگئے۔ بنگالی اپنی جگہ سے اٹھا درس میں آبیٹھا اور یہ رنگ دیکھتا رہا۔ احباب بات چیت کر کے سدھارے۔ مولانا سے آنکھوں میں آنسو لا کے بولا۔ حضور مجھ سے ایسی کیا خطا ہوتی کہ مجھ کو ٹالا جا رہا تھا۔ حضور مجسطی پڑھا رہے تھے۔ مجھے حکم ہے شاہ صاحب کے پاس جاؤں۔ مولانا مسکرا دئے کہنے لگے میاں مجسطی ہر کوئی مدرس پڑھا سکتا ہے۔ مگر شاہ صاحب اس طرح پڑھاتے جیسے حکیم بطلیموس صاحب مجسطی پڑھاتا۔ تمھاری خوشی ہے مجھ سے ہی پڑھ لیا کرو۔ کل سے آجانا۔

آزردہ فارغ التحصیل ہو کے کلکتہ جانے لگے تو حضرت شاہ

Marfat.com

عبد العزیز محدث دہلوی نے کلکتہ کے ایک مدرسہ کے مہتمم مولانا امین اللہ کے نام ایک خط دیا جس میں تعارف اس طرح کرایا۔

"دریں ولا کہ مولوی صدر الدین صاحب کہ از فضلائے نامدار ایں بلدہ اولہ اند و در اکثر فنون عقلی و نقلی از عربیت و ادب در اصول و فقہ و کلام و ہم فنون فارسی مہارت تام دارند و اکثر مراجعت تحقیقات نفیسہ علوم در فقیر نمودہ اند و معہذا نسبت ارادت و اتحاد با فقیر موروثی دارند جد امجد ایشاں از فضلائے معتبر خاص اصحاب و تلامذہ در جناب حضرت والد ماجد فقیر بودند

القوم اخوان صدق بینہم سبب
من المودة لم یعدل بہ النسب

عازم دار الامارت کلکتہ بتقریبات چند در چند اند انشاء اللہ تعالیٰ ملاقات سامی خواہند نمود۔ مراعات جہات مذکورہ در حسن تلقی و اعزاز و اکرام ایشاں مہما امکن مد نظر سامی باشد"۱

ملازمت | ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے صدر الصدوری عطا ہوئی۔

مدرسہ کا قیام | شاہجہانی عہد سے زینت جامع مسجد مدرسہ دار البقا چلا آرہا تھا وہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ برباد ہوا۔ مفتی صاحب نے اپنے روپیہ سے دوبارہ بنوایا۔ عمارت درست کرائی۔ درس و تدریس کا اہتمام کیا۔ اساتذہ اور طلباء کو اپنے

۱؎ ذخائر ادب

Marfat.com

پاس سے تنخواہ و وظیفہ دیتے۔ منتہی طلباء کو عدالت کے کام سے فارغ ہو کے اسباق خود پڑھاتے اور تعطیل کے دن سب کو لے کر خود باغات کی سیر کراتے اور لذیذ کھانے کھلاتے تھے۔

جناب آزردہ نے نواب مصطفےٰ خاں کو اپنے مشاغل کے متعلق ایک خط لکھا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

> شکر ہے اس پروردگار عالم کا جس نے مجھ کو ایسی دلدل سے کہ ہمہ تن اس میں غرق آب تھا نکالا۔ کیسے علائق میں جکڑ بند تھا اور نکلنا اس سے سوائے ایسی صورت کے جو پیش آئی ممکن نہ تھا۔ مقدمات اصلی کا فیصل کرنا منصفوں اور صدر امینوں کے مقدمات کا مرافعہ سننا۔ رجسٹری کے دستاویزوں پر دستخط کرنا مقدمات کے دوران میں فتویٰ دینا کمیٹیوں میں حاضر ہونا۔ طلباء مدرسہ سرکاری کا امتحان ماہواری لینا۔ احکام آخر کو اپنے ہاتھ سے لکھنا۔ ہزاروں کاغذات پر دستخط کرنا۔ پھر گھر میں اکثر طالب علموں کو پڑھانا۔ اور اطراف و جوانب کے سوالات شرعی کا جواب لکھنا۔ وہابیوں اور بدعتیوں کے جھگڑے میں حکم ہونا مجلس شادی و غمی اور اعراس میں جانا۔ شعر و شاعری کی صحبت گرم رکھنا باغات کی سیر اور خواجہ صاحب کی زیارت کو اکثر جانا۔ [1]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مفتی صاحب محکمہ نزول کے کام میں اتنے

[1] معارف نمبر ۵ جلد ۲

Marfat.com

مشغول ہوتے کہ درس کے لئے کوئی وقت نہ نکال سکے۔ کئی دن تک درس بند رہا۔ طلباء سخت پریشان ہوئے آخر ایک منچلے شاگرد نے جرأت کرکے ایک نظم لکھی جس کے اس شعر سے اس واقعہ کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

ہاتف بدست چپ سر بینی فشردہ گفت
بیماری نزول بہ صدر الصدور شد

اس نظم کا اثر یہ ہوا کہ مفتی صاحب نے درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مرزا غالب نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

زاں نمی ترسم کہ گردد قعر دوزخ جائے من
وائے گر باشد ہمیں امروز من فردائے من
صدر دین و دولت و صدر الصدور روزگار
میر و مخدوم و مطاع و والی و مولائے من

ادبی ذوق دلّی میں ان دونوں شعر و شاعری کی گرم بازاری تھی دلّی اس وقت آج جیسی دلّی نہ تھی بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر و اہل علم حکیم مومن خاں مومن مولوی امام بخش صہبائی۔ علامہ عبداللہ خاں علوی۔ نواب ضیاء الدین خاں نیرؔ شاہ نصیر الدین نصیرؔ۔ سلطان الشعراء شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ۔ حکیم آغا جان عیشؔ۔ حافظ عبدالرحمٰن احسانؔ۔ میر حسین تسکینؔ، عارفؔ،

Marfat.com

مجروح. صابر. عالی وغیرہ کثیر التعداد شعراء تھے عموماً ان کے یہاں شب کی صحبت رہتی۔

مفتی صاحب اور شیفتہ کے یہاں ہر ہفتہ باری باری مشاعرہ ہوتا۔ اہلِ کمال اس میں شریک ہو کے لطف سخن اُٹھاتے۔

مولانا فضل حق تعلیم کے بعد دلی میں رہ گئے۔ مرزا غالب آگرہ سے دلی گئے۔ وہ بھی اس جماعت میں گھل مل گئے۔

مرزا صاحب نوابی دماغ رکھتے تھے۔ فضول خرچیاں بڑھی ہوئی تھیں۔ قرض اُدھار کا دائرہ وسیع تھا ایک قرضخواہ نے مرزا پر دعویٰ کر دیا اور یہ مقدمہ مفتی صدر الدین خاں کے اجلاس میں پیش ہوا۔ مرزا جب جواب دعوے کے لئے پیش ہوئے تو فرماتے ہیں۔

قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب مسکرا دئے اور اپنے پاس سے دوست کی خاطر روپیہ بھرا۔ اور مقدمہ سے غالب کو نجات ملی۔

علم و فضل

حکیم عبد الحئی "گل رعنا" میں لکھتے ہیں۔

جناب آزردہ مرحوم ان چند اشخاص میں سے تھے جنھوں نے اعلیٰ درجہ کی جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود

Marfat.com

ملک میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھا دیا۔ آپ اپنے زمانے
کے مشاہیر میں سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے
جاتے تھے۔ لہ

علماء کی مجلس ہو تو صدر نشین۔ مشاعرہ ہو تو میر مجلس حکام کے جلسوں میں موقر و ممتاز بیکسوں کے ملجا و ماویٰ۔ منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوجود آپ کی طبیعت ظاہری نمائش سے کوسوں دور تھی۔ دنیاوی آسائش کے تمام سامان ہوتے ہوئے خود سیدھی سادی وضع سے بسر کرتے تھے۔

سیاسی مسلک

مفتی صاحب سرکاری آدمی تھے۔ اختر لونی کی ہمراہی میں ریاستوں کے معاملات بھی سلجھا چکے تھے اتفاقاً دلاور جنگ مولوی احمد اللہ مدراسی دلی آ نکلے۔ وہ شیخ طریقت تھے۔ مفتی صاحب ایک ولی سمجھ کر ان سے ملے جلے وہ مجاہد آدمی۔ مفتی صاحب بھی ان کے کچھ ہم خیال ہو گئے معاً بعد علماء و فقرا ملنے آنے۔ سیاسی گفتگو پر کوئی توجہ نہ کرتے دلاور جنگ آگرہ چلے گئے۔ ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا۔ مولانا فضل حق الور سے دلی آئے۔ جرنل بخت خاں نے نقشہ اقتدار کا جما رکھا تھا۔ استفتا مولانا نے لکھا۔ مفتی صاحب و دیگر علماء نے فتویٰ دیا۔ مگر یہ سب تدبیریں بے سود تھیں۔ عصبیت قومی مردہ تھی بہادر شاہ رنگون روانہ کئے گئے۔ ان علماء پر بھی مصائب کا پہاڑ ٹوٹا۔ مولانا فضل حق کو اقرار جرم

Marfat.com

کرنے پر انڈمان جانا پڑا۔ مفتی صاحب جیل میں بند کئے گئے۔ مولانا نذیر حسین محدث و مولوی عبدالقادر وغیرہ بھی قید ہوئے مگر مسٹر منس کی سفارش سے یہ لوگ چھوٹ گئے۔ مفتی صاحب قید میں گھبرا سے گئے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے ترکیب بند لکھ ڈالا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔

آ پھنسے ہیں ڈھب الٰہی دیکھئے کیسی بنے
مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی بنے

پیروی مقدمہ میں جواب دعویٰ یہ کیا۔ ہم نے فتوے پر دستخط کئے۔ مگر کچھ عبارت بھی لکھ دی ہے۔ بالخیر لوگ پڑھتے ہیں۔ وہ بالجبر میں نے لکھا ہے۔ مفسدوں نے زبردستی مجھ سے لکھوایا تھا۔ کاغذات برآمد ہوئے تو پڑھا گیا۔ مفتی صاحب کے بیان کی تصدیق ہوئی اس بنا پر چھوڑ دئے گئے۔

مرزا غالب نے اپنے ایک خط میں حضرت آزردہ کے قید ہونے کی تفصیل لکھی ہے۔

حضرت مولوی صدرالدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں آخر صاحبان کورٹ کے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف جائداد ضبط ناچار خستہ و تباہ حال لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جائداد واگذاشت کی۔ اب نصف جائداد پر قابض

Marfat.com

ہیں اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ امداد (واگذاشت شدہ جائداد کا کرایہ) ان کے گزارے کو کافی ہے۔ اس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی۔ تیس چالیس روپے مہینے کی آمدنی۔ لیکن امام بخش کی اولاد ان کی عترت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ فراغبالی سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ ثمانیہ کے اواخر میں ہیں یعنی اسی برس کے قریب عمر ہے۔ اخدا سلامت رکھے بہت غنیمت ہیں۔

جامع مسجد دہلی جامع مسجد ۱۸۵۷ء میں انگریزی قبضہ میں آگئی تھی۔ یہ مقدس عمارت فوجی استعمال کے کام میں آتی۔ قریباً دو سال تک یہی صورت قائم رہی۔ مسلمانان دہلی فریضہ نماز کی ادائیگی سے محروم تھے۔ جب دلی میں امن ہوگئی تو مفتی صاحب نے عمائد شہر کی ہمنوائی میں مسجد کی واگذاشت کی سعی کی۔ آپ کے شرکاء میں سے شاہی خاندان کے مرزا الہی بخش بھی تھے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے یہ مسجد مسلمانوں کے حوالہ کی اور مسلمان اکابر شہر کی ایک مختصر جماعت کی انتظامیہ کمیٹی بنا کر مسجد اس کو تفویض کی اس منتظمہ جماعت میں مفتی صاحب و مولوی اکرام اللہ خاں وغیرہ تھے۔

حلیہ گداز جسم۔ سانولا رنگ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں ذرا اندر کو دھنسی ہوئی۔ بھری ہوئی ڈاڑھی تھی۔

لباس سادی وضع کے آدمی تھے۔ ظاہری نمائش سے کوئی

Marfat.com

سروکار نہیں رکھتے۔ لباس سفید ایک برکا پائجامہ۔ سفید کرتہ۔ سفید ہی صافہ ہوتا تھا۔

تصانیف | رسالہ منتہی المقال فی شرح حدیث لاتشدد والرجال ورالمنصور فی حکم امراۃ المفقود۔ مجموعہ فتاویٰ۔ تذکرہ شعرائے ریختہ یادگار ہے۔ مگر نایاب ہے۔

شاگرد | نواب صدیق حسن خاں۔ نواب یوسف علی خاں رامپوری۔ سرسید احمد خاں۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی۔ مولوی فیض الحسن سہارنپوری۔ حکیم محمد حسن امروہوی۔ مولوی احمد حسن مرادآبادی۔ مولانا سید نواب مثنی۔[۳]

وفات | اکیاسی برس کی عمر پاکر ۱۷ دسمبر ۱۸۶۷ء کو فالج گرا۔ کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔ درگاہ حضرت چراغ دہلی میں دفن ہوئے۔

مولوی ظہور علی المخاطب بہ شمس الشعراء نے تاریخ وفات یہ لکھی ہے۔

چو ملانائے صدر الدین کہ در عصر — امام اعظم آخر زماں بود
زہے صدر الصدور نیک محضر — بعدل و داد چوں نوشیرواں بود
بروز پنجشنبہ کرد رحلت — کہ ایں عالم نہ جائے جاوداں بود
ظہور افسوس آں استاد ذی قدر — برادرم ہمیشہ مہرباں بود
چراغش ہست تاریخ ولادت — بگفتم چراغ دو جہاں بود

۱؎ داستان تاریخ اردو صفحہ ۳۰۷ ۲؎ نقش سلیمانی۔ تذکرۃ الکرام صفحہ ۳۸۹
۳؎ تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۵۴

Marfat.com

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی

نواب شیفتہ باکمال لوگوں میں سے تھے جو آج بھی علمی دنیا میں عزت کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔ فارسی میں تو صاحب کمال تھے ہی اردو میں بھی استادانہ کلام چھوڑ گئے۔ اس جگہ نواب شیفتہ کا تذکرہ ذرا تفصیل سے پیش ہے۔

گو آپ کے سوانح زندگی کلیات حسرتی کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ مگر ان کے سیاسی واقعات پر ابھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس جگہ ان پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ شیفتہ شاعر ہی نہ تھے بلکہ اپنے عہد کے محبان ملت و وطن سے بھی تھے۔

ولادت و خاندانی حالات

عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ۱۸۰۶ء میں دلی میں پیدا ہوئے ان کے والد نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ جہانگیر آباد ضلع دہلی کے رئیس تھے اور والدہ مرزا اسمٰعیل بیگ ہمدانی مشہور سپہ سالار کی بیٹی اور احتشام الدولہ محمد بیگ ہمدانی کی نواسی تھیں۔

اجداد بنگشات سے عہد فرخ سیر میں وارد ہوئے۔ نواب مرتضیٰ خاں

Marfat.com

اور نواب محمد خاں بنگش رئیس فرخ آباد دیکھ بھی نفسے نواب مرتضیٰ خاں کا قیام بھی فرخ آباد میں تھا۔ یہی وہ وقت تھا کہ سلطنت دہلی کی بنا متزلزل ہو چکی تھی۔

مرتضیٰ خاں نے مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ مردم شناس راجہ نے انھیں سپاہ اندور کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ مگر اندور بھی اس وقت غیر مطمئن حالت میں تھا نواب کے ملازم ہوتے ہی لارڈ لیک گورنر جنرل کی مدافعت کے لئے مامور کئے گئے جو حکومت کمپنی کی طرف سے مہاراجہ کے استیصال پر متعین ہوئے تھے۔ عرصہ تک مقابلہ رہا۔ بہت سے آدمی طرفین کے نذر جنگ ہوئے۔ آخر نواب مرتضیٰ خاں کی اصابت رائے اور موقع شناسی کی بدولت باہم صلح ہو گئی۔

لارڈ لیک کو اس موقع پر نواب مرتضیٰ خاں کے جوہر قابل ہونے کا پورا تجربہ ہو چکا تھا۔ مضافات دہلی میں پرگنہ پلول علاقہ گڑگانوہ۔ تین لاکھ روپیہ سالانہ محصول کا ان کو عنایت کیا مگر نواب صاحب نے اس جاگیر پر قناعت نہ کرتے ہوئے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنے خلف الرشید نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے نام خریدا۔ نواب مرتضیٰ خاں کے انتقال کے بعد علاقہ پلول گورنمنٹ نے واپس لے لیا۔ اور اراکین خاندان کی پنشن مقرر کر دی۔ جو انقلاب ۱۸۵۷ء میں بند ہو گئی۔

Marfat.com

تعلیم و استعداد نواب شیفتہ نے ماں باپ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ فارسی، عربی اور علوم مروجہ کی تعلیم میاں جی نالا مال دہلوی سے پائی۔ حدیث و قرأت میں مولانا حاجی نور محمد دہلوی نقشبندی۔ شیخ عبد اللہ سراج حنفی مکّی اور شیخ محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ سے استفادہ کیا۔ علاوہ ان کے مولوی کرام اللہ محدث سے بھی بعض علوم پڑھے۔ فی الجملہ تمام علوم رسمی اور فنون متداولہ سے بخوبی واقف تھے۔

تصنیف و تالیف ترغیب السالک الٰی احسن المسالک اور تذکرہ "گلشن بیخار" اور دیوان ریختہ و فارسی رقعاتِ شیفتہ ان کی علمی یادگاریں ہیں۔ سفرِ حج کے حالات فارسی میں لکھے جو ۱۲۵۴ھ میں "رہ آورد" کے نام سے طبع ہوئے۔

شاعری فارسی ادب میں شیفتہ کو پوری دستگاہ حاصل تھی۔ فارسی زبان میں ان کی نظم و نثر کا درجہ کسی مشہور فارسی ادیب سے کم نہیں ہے۔ دہلی کی علمی صحبتوں اور شیفتہ کی فطری مناسبت طبع کا اقتضا تھا کہ سن شعور کے شروع ہونے کے ساتھ ہی معاً آپ فکر شعر کرنے لگے تھے ؎

اب شیفتہ اس فن کا ہوں میں پیر طریقت
گو عمر ابھی ہے مری اکیس برس کی

فارسی، اردو دونوں میں فکر سخن کرتے۔ تذکرہ ہمیشہ بہار" میں

Marfat.com

مولوی نصر اللہ خاں خورجوی اور مولوی اکرام اللہ شہابی تصویر الشعراء حصّہ دوم میں لکھتے ہیں۔

"نکتہ سنج زبان داں در نظم و نثر یکتائے زماں فصاحت و بلاغت از طرز کلامش پیداست۔ و وسعت خاطر و جودت طبع از ریختہ قلمش ہویدا عدیم المثال کریم الخصائل دانائے رموز معانی بینائے غوامض نکتہ دانی۔ آں بزرگ فارسی خوش گفتہ گویا کہ در سفتہ چہ دریں جزو زماں شخصی از امرائے ہندوستان چنیں بینظیر برخاستہ خدائے تعالیٰ گرامی او را پابندہ دارد"۔

سرسیّد احمد خاں مرحوم آثار الصنادید میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"مسند آرائے جاہ و جلال زیب دہ تمکنت و اقبال عمدۃ ارکین دولت اسوۂ اساطین حشمت صاحب مرتبہ عالی مہبط انوار سعادت ازلی، مورد الطاف مراحم لم یزلی نبض شناس سخن فہمی سخندانی قانون داں پردہ نکتہ سنجی و نکتہ ربانی۔ حاتم کرم عطا و رستم رستم تواں نواب محمد مصطفےٰ خاں بہادر"۔

ریختہ میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔

فارسی ادب میں کامل دستگاہ رکھنے کے باوجود اردو ادب سے نہایت دلچسپی رکھتے تھے۔ مگر شعر عموماً کم کہتے تھے اس کم سخنی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر تکبر و غرور کا گمان ہوتا تھا۔ لیکن ان کی بے تکلفی کے جملے مہذب ظرافت سے خالی نہ ہوتے تھے۔

Marfat.com

اصلاحِ سخن میں بھی ملکہ خاص تھا۔ مرزا غالب سے مشورہ سخن کیا مگر ان کو بھی ٹوک دیا کرتے۔ مرزا غالب نے ایک قصیدہ لکھا جسکے حسن مطلع کا پہلا مصرعہ یہ ہے ؎

عید اضحیٰ بصد آغاز مستاں آمد

مرزا صاحب نے اوّل عید قرباں لکھا تھا نواب شیفتہ کے ٹوکنے سے عید اضحیٰ بنایا۔ؔ مولانا حالی ایک جگہ یادگار غالب میں لکھتے ہیں۔

"اگر ہمارا قیاس غلط نہ ہو تو مرزا کے بعد ان کے معاصرین میں سے کسی کی فارسی غزل ان کی غزل سے لگا نہیں کھاتی تھی اور شعر کا جیسا صحیح مذاق ان کی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا ویسا بہت ہی کم دیکھنے میں آتا ہے۔ لوگ ان کے مذاق کو شعر کے حسن و قبح کا معیار جانتے تھے۔ ان کے سکوت سے شاعر کا شعر خود ان کی نظر سے گر جاتا تھا اور ان کی تحسین سے اسکی قدر بڑھ جاتی تھی۔ مرزا غالب فرماتے ہیں ؎

غالب بہ فن گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفٰے خاں خوش نکرد ؎

نواب ممدوح کی شان میں مرزا صاحب کا ایک قصیدہ بھی ہے۔ اس کا ایک شعر ہے۔

لے یادگار غالب صفحہ ۷۹

Marfat.com

آں ہمائے تیز پروازم کہ بال
در ہوائے مصطفیٰ خاں می زنم

ایک جگہ اور مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

غالب زحسرتی چہ سرائی کہ درغزل
چوں او تلاشِ معنی و مضموں نکردہ کس

ایک رقعہ میں نواب صاحب کی غزل کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

زہے غزل و خوشا غزل پایہ ایں زمیں را بہ آسمان بردہ اند و سخن را بنوازش زمیناں از آسماں فرود آوردہ۔

سخن سردوں حق شما است اگر آبروئے ستودن داشتہ باشم
بر خود نازمی توانم کرد زیادہ زیادہ"۔

حکیم مومن خاں مومن اپنے قابل شاگرد کی استادی پر فخر اور انکی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے شیفتہ کے "گلشن بیخار" کی تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

آں شیفتہ کز خرد گرامی باشد   سرخیل سخنوراں نامی باشد
اکنوں جسد بدانہ الابعدم   محمود سنائی و نظامی باشد

مومن ایک شعر میں شیفتہ کی سخن فہمی کی داد اس طرح دیتے ہیں ؎

زتحسین او حسن معنی نیاز
ہزار آفریں بر خیل امتیاز

کلام | نواب شیفتہ کے کلام میں گرمی، اور لذت کے علاوہ شکوہِ الفاظ

Marfat.com

اور چستی ترکیب نمایاں نظر آتی ہے۔ تلاش الفاظ اور ترکیب کی روش میں غالب اور مومن کا رنگ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں میر تقی میر کی پیروی اور سادہ بیانی پر فخر کرتے ہیں ؎

شیفتہ سادہ بیانی نے بہت چمکایا
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے[1]

تذکرۂ شعراء

تذکرہ "گلشن بیخار" ۱۲۵۰ھ میں لکھا گیا۔ اس زمانہ کی رسم کے مطابق شعرا کے کلام کے ساتھ ساتھ ان کا مختصر حال لکھنے کے لئے فارسی زبان اختیار کی گئی۔ لیکن اپنی اس خصوصیت کے لحاظ سے کہ شعراء کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اردو شعراء کا یہ سب سے پہلا تذکرہ ہے جس میں تنقید کی طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے جو تذکرے اردو شعرا کے لکھے ہیں ان میں تعریف کے سوا تنقیدی پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

مگر اس وقت کے طبائع عادی اس امر کے تھے کہ تعریف و توصیف کے سوا شعر کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کرنا اخلاقی جرم سمجھا جاتا تھا۔ صاحب "ہمیشہ بہار" اس تذکرہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"تذکرۂ "گلشن بیخار" بعبارت شستہ و رفتہ والا از یادگار ست۔ اما خالی از خار نیست چہ گلشن از خار لازم و آں لزوم تعصب است، الحق کہ جز ذات حق باز عیب خالی نیست"۔

---

[1] نواب شیفتہ مرحوم "زمانہ" دسمبر ۱۹۱۶ء از حضرت نظامی بدایونی۔

ان سے زیادہ حکیم غلام قطب الدین خاں باطن اکبر آبادی نے زہر اُگلا ہے۔ نغمۂ عندلیب "گلشن بیخار" کے مقابلہ میں لکھا ہے۔

نواب شیفتہ نے نظیر اور ان کے شاگردوں کی کچھ زیادہ قدر نہ کی۔ یہ بگڑ بیٹھے۔ شیفتہ، آزردہ، مومن۔ غالب کی دل کھول کر مذمت کی۔ عبارت نغمۂ عندلیب (گلشن بے خزاں) کی .... نورتن مجبور کی وضع پر ہے۔ وہی التزام ضلع۔ مثلاً کہیں جولاہوں کا ضلع کہیں صرف کا کہیں نحو کا کہیں عقوبی فرائض کا رعایت لفظی سے بھرا ہوا ہے۔ حکیم مومن خاں کا ذکر جولاہوں کے لوازمات بافندگی کے ضلع میں ہے۔ جو نہایت مضحک ہے۔

غرض ایک طرف تذکرہ کی یہ قدر دانی تھی۔ دوسری طرف اس کی بیحد قدر ہوئی۔ اور تذکرہ نویسوں نے نواب شیفتہ کو سراہا۔ بلکہ جتنی تعریف کی ہے وہ میرے خیال سے کم ہے۔ نواب صدیق حسن خاں قنوجی اپنے تذکرہ شمع انجمن میں لکھتے ہیں۔

"اکثر عمر در مشق فن سخن بسر بردہ و در مراتب نظم و نثر ادائے خاص داشت دبا پارسی و ریختہ طبع او چناں مناسب افتادہ کہ بہر شیوہ سخن خوش و حرف دلکشے بیگزارد اگر مجموع منظوم و منثور او را ببینی ایں معنی را مسلم داری"

نواب نور الحسن خاں کلیم "طور کلیم" میں لکھتے ہیں۔

"حضرت شیفتہ ادام اللہ فان صبا بہ مشق سخن مصروف بود و عمرے

Marfat.com

در دریں شغل بسر بردہ و مراتب نظم و نثر ادائے خاص وارد و بہر دو ریختہ و پارسی سحرے می طرازد و از من بپرس کہ مدتے بہ روش او وقف گزاردام فیضے کہ صفت او معنوی یافتہ ام

شیفتہ کی سیاسی زندگی

تذکرہ نویسوں نے شاعرانہ حیثیت سے زیادہ شیفتہ کو دیکھا اور ان کے دست رس سے بھی یہ سوانح باہر تھے۔ آپ کے کلیات میں سوانح لکھے گئے۔ اس میں بھی نواب شیفتہ کی سیاسی زندگی پر تبصرہ نہیں کیا گیا نواب اپنے عہد کے ملک و ملت کے بہی خواہ تھے اور ان شخصیتوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی کرنے میں کسر نہ رکھی۔ مگر قوم کی قسمت بگڑ چکی تھی۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی عمال کمپنی بہادر نے جو روش اختیار کی تھی، ملک گیری کے اعتبار سے اپنی جگہ صحیح مگر آزادی کے اعتبار سے بیچینی کا سبب بنی۔ جاگیروں کی ضبطی نے ارباب ثروت و جاگیر میں ایک مخالفت کی لہر پیدا کر دی تھی۔ ادھر ہنگامہ جو برپا ہوا تمام جاگیر دار بادشاہ دلی کے ہمنوا بن گئے۔ نواب شیفتہ کے ہمرشتہ رئیسوں نے نواب کو اپنا اگوا کیا۔ رؤسا میں سب سے بڑی شخصیت ولی داد خاں رئیس مالاگڈھ کی تھی ان کے پرچم کے تلے غلام حیدر خاں زمیندار لونڈری۔ مہدی بخش سہارنپوری۔ قاضی وزیر علی بلند شہری۔ عبداللطیف خاں رئیس خانپور۔ اسمٰعیل خاں

Marfat.com

اعظم خاں۔ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد وغیرہ جمع تھے۔ ولی داد خاں مذکور کی بھانجی بادشاہ دہلی کے ایک شہزادہ سے بھی منسوب تھی۔ شیفتہ کے متعلق بادشاہ سے خط وکتابت کرنا تفویض تھی۔ چنانچہ ہنگامہ ہونے پر ولی داد خاں نے اپنے علاقہ میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ مگر پانسہ اُلٹا پڑا۔ بعد تسلط ہر ایک باغی قرار دیا گیا۔ کسی کو حبس دوام ہوا۔ کوئی ۷ برس کے لئے قید ہوا۔ شیفتہ کو بھی ۷ برس کی قید فرنگ ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں بہادر شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ دائی بھوپال نے بڑی کوششوں کے بعد ان کو رہا کرایا۔ اس مصیبت سے نجات پانے کے بعد نواب مصطفٰے خاں نے جو خط نواب صدیق حسن خاں کے نام لکھا ہے یہاں بہ لفظ نقل کیا جاتا ہے۔

"خط سامی کہ در زمان بتلا بودن مخلص بہ بند بلا بنام صدر الصدور صاحب بہادر رسیدہ بود برطبق آں صاحب ممدوح آنچناں ساعی جمیلہ وکوشش ہائے نبیلہ فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسید۔ آرے مقتضائے محبت ہائے سامی ہمیں بود ایں احسان فراموش شدنی نیست۔ اکنوں نجات صوری رو داد۔ لیکن نجات معنوی از قید سبت یعنی جائداد وغیرہ وجوہ معاش ہنوز مطلق واگذاشت نہ شدہ۔ ایں مقدمہ ہم باجلاس صدر الصدور صاحب موصوف رسیدہ پس ضرورت انتساد کہ

Marfat.com

بہ آنجناب اطلاع کنم۔ ما بنام شاں خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند
ترقیم فرمایند و تحریر ایں معنی کہ بظہور ایں امر شکر گزار سامی خواہم شد فضول است
کہ میان ما و شما گنجائش ہیچ امور نیست کہ باد از بیگانگیہا امید ہد و ظاہر است
کہ باز ایں منت بس عظیم خواہد بود۔

"مورخہ یکم شعبان ۱۲۷۳ھ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے میر مومن علی خاں صدر الصدور ساکن سندیلہ کو ایک سفارش نامہ لکھا اور بڑی جد و جہد کے بعد نصف جاگیر واگذاشت ہوئی"۔

اخلاق و عادات

نواب صاحب پابند وضع خوش اخلاق اور زہد و اتقا کے دلدادہ نہایت صابر و مستقل مزاج بزرگ تھے۔ تسلیم و رضا کی دولت خصوصیت سے عطا ہوئی تھی۔ ہر حال میں خوش رہنا ان کی زندگی کا نمایاں ترین وصف تھا۔ طبیعت میں استغنا بہت تھا۔ مہمان نوازی اور فیاضی میں مشہور تھے۔ مجددی نقشبندی خاندان سے بیعت تھی۔ شریعت کے بڑے پابند تھے بھول کر بھی کسی ناجائز اور غیر مشروع امر کا ارتکاب نہ کرتے تھے ؎

ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ
ورنہ کبھی سماع مجرد سنا کروں

مرض الموت اور وفات

۶۳ سال کی عمر میں ۱۸۶۹ء میں بمقام دہلی وفات پائی حضرت شاہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں دفن ہوئے [1]

[1] نواب شیفتہ از مولانا ذکریا مائل (تسنیم آگرہ)

Marfat.com

منشی محمد اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی

علمائے کرام کے علاوہ ہندوستان کے شعراء کا بھی سیاست ملکی میں بڑا حصہ رہے۔ مگر تذکرہ نویس اپنی عدم واقفیت کی بنا پر نظر انداز کرتے رہے۔ سعادت یار خاں رنگینؔ جس نے وزیر علی خاں نواب اودھ کا ساتھ دیا اور نواب مرشد آباد کو وزیر علی خاں کی ہمنوائی کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ اس وقت کی حضرت رنگینؔ کی کارفرمائی قابلِ توقیر ہے۔ بند یلکھنڈ میں منشی محمد اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی کا انقلاب ۱۸۵۷ء میں کافی دخل رہے۔

حضرت منیرؔ کو ایک خوشگو شاعر سے زیادہ اس ملک میں کسی نے روشناس نہیں کرایا۔ چنانچہ اس جگہ ان کے سیاسی کارنامے مختصراً پیش کرتا ہوں کہ علماء ہی نے نہیں بلکہ شعراء بھی ملک کی سیاست میں برابر کے شریک رہے۔ آپ کے حالات کے لئے مسلم یونیورسٹی لٹن لائبریری سے بڑی مدد ملی۔ ایک تاریخی قطعہ کے لئے مجھ کو مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی کی ہمراہی میں "حبیب گنج" کا سفر کرنا پڑا۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا ڈاکٹر حبیب الرحمن خاں شروانی کے کتب خانہ میں "کلیات منیرؔ" سے مطلوبہ قطعہ حاصل کیا صعوبت سفر

Marfat.com

ظاہر نواب صاحب کا کتب خانہ تشنگانِ علم کیلئے سیرابی کا ملجا وماوٰی ہے۔

وطن منشی محمد اسمٰعیل حسین متخلص بہ منیر کا وطن شکوہ آباد تھا ہندوستان کے نامور شاعر تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت سید بہاؤالدین بزمانہ سلطان علاؤالدین غوری ہندوستان آئے۔ اور یہیں کے ہو رہے۔ ان کے پوتے کے پرپوتے سید شرف الدین علی خاں کو عہد محمد شاہ میں شکوہ آباد اور فیروز آباد کی صوبہ داری عطا ہوئی ۱۱۷۶ھ میں جنگ پانی پت کے بعد نواب دوندے خاں اس علاقہ پر قابض تھے[۱]۔ منشی منیر کے والد ماجد کا نام سید احمد حسین متخلص بہ شاد تھا۔ مرزا رفیع سودا دہلوی سے ان کو تلمذ تھا۔ مسٹر اسٹاکول حاکم آگرہ نے ان کو اپنے یہاں سررشتہ دار کر دیا تھا۔ عمر طبعی پا کر ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔

پیدائش و تعلیم منیر ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے فارسی و عربی کی تعلیم باپ سے پائی۔ دینیات کی تحصیل اپنے بھائی مولوی سید اولاد حسین سے کی۔

شاعری منشی منیر کو لڑکپن سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ آنکھ کھولی گھر میں شعر و سخن کے چرچے پائے۔ آگرہ میں ننھیال تھی۔ اکثر آتے جاتے رہتے۔ ان دنوں شعر و شاعری کی بڑی گرم بازاری تھی۔ خلیفہ گلزار علی اسیر کا ڈنکا بج رہا تھا۔ حضرت مہر اور باطن کی

---

[۱] "حیات حافظ رحمت خاں" از مولوی سید الطاف علی بریلوی۔

Marfat.com

شاعری عروج پر تھی۔ آئے دن مشاعرے ہوتے۔ لوگ غزل گوئی اور غزل سرائی کو نظرِ توجہ سے دیکھتے۔ منشی منیر نے بھی غزل گوئی سے لگاؤ پیدا کیا۔ حسنِ اتفاق نواب نظام الدولہ خلف الصدق وزیر شاہ اودھ بطور سیر و تفریح آگرہ آئے ہوئے تھے۔ ان کی دلچسپی اور خوش وقتی کے لئے مہاراجہ بلونت سنگھ کاشی نے محفلِ مشاعرہ منعقد کی خود بھی شاعر راجہ تخلص کرتے تھے۔ اسیر و قہر سے مشورۂ سخن کیا تھا۔

اس مشاعرہ کی دھوم تھی۔ نامی شعرا شرکت کے لئے تیاریاں کر رہے تھے۔ منیر کو بھی خیال گزرا کہ غزل کہہ کر مشاعرہ میں پڑھی جائے۔ چنانچہ محفل میں پہنچے۔ راجہ کاشی کے چھتہ میں یہ مشاعرہ تھا۔ راجہ صاحب نے اس کا اہتمام خاص طور سے کیا تھا۔

استادوں سے پہلے نوآموزوں نے غزلیں پڑھیں۔ ان ہی میں منیر کو جگہ دی گئی کہتے ہیں ؎

دنیا سے ہے باہر دلِ دیوانہ کسی کا　　بستی میں سماتا نہیں ویرانہ کسی کا
ساقی نگہِ مست تری لڑتی ہے کس سے　　کیوں چور نہ ہو نشہ میں پیمانہ کسی کا
کعبہ سے چلے آتے ہیں میخانہ کو بادل　　پہنچا ہے کہاں نعرۂ مستانہ کسی کا
نیند آئی ہے ہر ایک کو آغوشِ لحد میں　　شاید کہ اجل کہتی [illegible]

عاشق ہوں منیر اپنے ہی اندازِ سخن کا
وارفتہ کسی کا ہوں نہ دیوانہ کسی کا

Marfat.com

نکتہ سنجوں اور اہل کمال نے منیر کی امید سے زیادہ داد دی اور استادوں نے اپنے پہلو میں جگہ دی۔ نواب نظام الدولہ منشی منیر کی نازک خیالی، شستگی زبان اور حسن بیان پر فریفتہ ہو گئے کہنے لگے۔ میاں صاحبزادے کس کے شاگرد ہو؟ منیر نے کہا ابھی کوئی استاد ملا نہیں ہے! نواب نے کہا۔ اگر تم ہمارے پاس رہو تو ہم تم کو بہت عزت سے رکھیں گے اور شیخ ناسخ کا شاگرد بھی کرا دیں گے۔ منشی منیر نے بطیب خاطر نواب صاحب کے ساتھ رہنا منظور کر لیا۔

اس تقریب سے آگرہ سے منیر لکھنؤ پہنچے۔ نواب صاحب نے حضرت ناسخ سے ان کی سفارش کی، وہ ان پر توجہ کرنے لگے غزل پر اصلاح دیتے۔ زمانہ کے انقلاب نے شیخ امام بخش ناسخ سے لکھنؤ چھڑایا تو منیر نے ناسخ کے اشارے سے میر علی اوسط رشک کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا۔ انھیں کے ساتھ کانپور، مرشد آباد، کلکتہ وغیرہ مشاعروں میں گئے ؎

کلکتہ کو ہیں ڈاک میں جاتا ہوں لے منیر
فکر غزل ہے راہ میں کیا خوب بات ہے

لکھنؤ مستقل قیام رہا اپنے دیوان کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"آخر بحوادث گوناگوں مبتلا گردید۔ بہ ہیبت و سلطنت لکھنؤ

زنانختم بقول حضرت المتقدمین مرزا غالب دہلوی ؎

اندراں بقعہ معمورزدوں تنگی خواہش حسرت آگیں چو گنہگار بزنداں رقم

معاش کی طرف سے فکرمند تھے۔ نواب اصغر علی خاں نبیرہ نواب معین الدولہ ولد سیّد باقر علی خاں ظفر جنگ خلف ثالث نواب معتمدالدولہ بہادر نے اپنی مصاحبت میں رکھ لیا۔ بے فکری سے گزرنے لگی۔ ان دنوں واجد علی شاہی دور تھا۔ عام رنگ رلیاں تھیں۔ چند دن فارغ البالی سے گزرے تھے۔ بدقسمتی نے پھر چکر ڈالا احمد حسین خاں عروج نے مدد کی۔ اس زمانہ میں سید محمد ذکی خاں بہادر عرف نواب بہادر متخلص بہ ذکی نے منیر سے اپنے کلام کی اصلاح لی۔ دو سال اس طرح گزر گئے۔ مگر منیر کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ نواب تجمل حسین خاں بہادر ظفر جنگ والی فرخ آباد نے زاد راہ بھیج کر طلب کر لیا ؎

قطعہ

امیرِ عہد تجمل حسین خاں نواب
خطاب جن کا ظفر جنگ نام ہے اعلیٰ!
زمانہ میں انھیں کہتے ہیں لوگ حشمتِ جگ
نہ سپہرِ کرم فیض عام میں یکتا!
انھوں نے تنخواہ مع صرف راہ بھیجا ہے
طلب کیا ہے کمال اشتیاق سے بخدا
چلا ہوں لکھنؤ سے سوئے فرخ آباد آج
ہزاروں حسرتیں رنج و ملال میں ہے سدا

Marfat.com

فراق لکھنؤ سے ہے منیر یہ "تاریخ
بہشت ہند سے افسوس ہائے ۱۲۶ میں نکلا

فرخ آباد میں نواب نے اور اہل فرخ آباد نے آپ کے کمال کی نہایت قدر دانی کی اس زمانہ میں ایک قصیدہ لکھ کر نواب کے حضور میں گزرانا جس کا مطلع یہ ہے ؎

قلزم فیض کے کس کے ہوئے پیدا گوہر
اپنے کوزوں میں نئے پھرتے ہیں دریا گوہر
آبرو آپ کی خدمت میں بڑھی ہے ایسی
بن گیا اختر تقدیر ہمارا گوہر

نواب تجمل حسین خاں نے اس قصیدہ کے صلہ میں ایک خلعتِ زریں اور زنجیر طلائی عطا فرمائی اور معقول مشاہرہ مقرر کر دیا۔ شہر میں شہرت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ موزوں طبع بخوشی خاطر آپ سے مشورہ سخن کرنے لگے۔

نواب واجد علی خاں رضوان ابن نواب نجابت علی خاں نبیرہ نواب مظفر جنگ بہادر۔ نیز منشی مادھو رام متخلص بہ جوہر فرخ آبادی آپ کے سلسلہ تلمذ میں داخل ہوئے۔ ان دنوں ایک مشاعرہ ہوا طرح یہ تھی۔ ع

اس کا شیدائی ہوں جس کا کوئی شیدائی نہیں

حضرت منیر نے بھی طرح پر غزل کہی اور مشاعرہ میں پڑھی۔

Marfat.com

مطلع اس کا یہ تھا ؎

اور مجھ سا جان دینے کا تمنائی نہیں
اس کا شیدائی ہوں جس کا کوئی شیدائی نہیں

مقطع میں کہتے ہیں ؎

لکھنؤ کی آرزو میں جان دیتا ہے منیرؔ
سلطنت کا بھی زمانے میں تمنائی نہیں

کچھ عرصہ نواب تجمل حسین خاں کی رفاقت ترک کر کے لکھنؤ آ گئے۔ اپنے استاد رشکؔ کی صحبت میں رہنے لگے۔ بعد ازاں اپنے استاد کے ساتھ کانپور جانا ہوا۔ وہاں مشاعرہ تھا۔ اس میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ نواب زادہ علی بہادر خاں باندہ بھی محفل مشاعرہ کی زینت تھے۔ انھوں نے طرح کی غزل کے بعد یہ غزل پڑھی ؎

کیا جانئے کیا لطف ہے چلمن کے ادھر آج
جاتی ہے تو پھر کر نہیں آتی ہے نظر آج
محفل میں ہے ہر سمت حسینوں کا گزر آج
اے بے خبری تو ہی بتا ہم ہیں کدھر آج
ڈرتا ہوں کہ بو خونِ تمنا کی نہ پھوٹے
ہر سانس پہ آتا ہے مرے منہ کو جگر آج!
غصہ میں نزاکت نے کیا ہے عجب احساں
وہ پھیرتے ہیں پھر نہیں سکتی ہے نظر آج

Marfat.com

ہمسا کوئی نادان منیر اور نہ ہو گا
کل زاد کی تدبیر ہے دنیا سے سفر آج

تمام اہلِ مجلس نے بڑی داد دی۔ نواب زادہ باندہ نے آپ کے اشعار سے بڑا اثر لیا۔ منشی منیر سے کہا حضرت میرے ساتھ باندہ چلئے اور میری فکرِ سخن میں امداد دیجئے۔ چنانچہ دو سو روپیہ ماہوار مقرر ہو گئے۔ نواب کے کلام پر اصلاح دینے لگے۔ بہادر علی خاں نے نواب ہی تخلص رکھا۔ کہتے ہیں ؎

قصد کرتا ہوں ترے گھر سے جو میں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو جیں میں نہیں آنے کا

نواب بہادر علی خاں کے والد ذوالفقار علی خاں کا ۱۲۴۹ھ میں انتقال ہوا۔ ع
شد آہ ذوالفقار علی در نیام آہ
۱۲۴۹ھ

بہ ۱۲۶۵ھ میں جانشین ہوئے۔ منیر نے ایک قطعہ لکھ کر پیش کیا ؎

قطعہ

علی بہادرِ عالم پناہ بندہ نواز نہاد چوں بسر خود بہش افسر شوکت
منیر مصرعِ تاریخ ایں عمل گفتم جلوس باد مبارک بہ مسندِ نصرت
۱۲۶۵ھ

مسند نشینی علی بہادر

بہ نواب جاں بخش گیتی ستاں عطا کرد مسند چو ربِّ کریم
ازیں جشن پر نور شد باغِ دہر رگ برق گردید موجِ نسیم

Marfat.com

بہ فیض خداوند گیتی ستاں چناں گشت خرم چو باغِ نعیم
شدہ دستہا مامن آبِ زر کفِ ہر گدا گشت چوں لوحِ سیم
بہ تاریخ گفتم بہ یک بیتِ من کشیدم دریں رشتہ دُرِ یتیم
نو شاشوکتِ مسندِ بزم خود
چراغِ امید و مرادِ عظیم

دیگر

خلعت آیا گورنری سے ملا کھل گیا باغ ثروت اور جلال
میرے نواب ہو گئے مسرور ہو مبارک یہ سال فرخ فال
کہی برجستہ میں نے یہ تاریخ
آج آیا ہے خلعتِ اقبال

واقعہ نواب علی بہادر ایک دن اپنے باغ میں حسب معمول ٹہلنے جانے لگے۔ منشی منیر کو بھی ہمراہ لیتے گئے۔ دورانِ چہل قدمی میں بائیں روش سے ایک چمیلی کا پھول توڑ کر ان کو دیا اس پر فی البدیہہ تاریخ کہہ ڈالی اور نواب کے سامنے پیش کی سہ

صبح آئے حضور میرے پاس نورِ حق کا ہوا فلک سے نزول
لے گئے اپنے ساتھ بگھی پر ہو گیا مطلبِ عظیم حصول
پھر ہوا کھانے میں ہوئے مصروف جس طرح تھا ہمیشہ کا معمول
پھر دکھائی گلاب باغ کی سیر گلِ جنت سے بھی سوا ہر پھول

Marfat.com

گلِ تازہ دیا منیرؔ مجھے ہو گئی باغ باغ جانِ ملول
میں نے برجستہ یہ کہی تاریخ
گلِ خورشید ہے اچھی یہی پھول
۱۲۶۶ھ

نواب صاحب اس قطعہ کو سن کر بہت محظوظ ہوئے اور جناب منیر کی عزت و توقیر میں اور اضافہ کیا۔ پھر تو باندہ میں اچھی طرح گزرنے لگی۔ کہتے ہیں ؎

نواب کے کرم سے زمانہ ہے کامیاب
باندہ میں روز دیکھئے چرچا ہے عید کا

نواب سے ایک دن استاد کی خوبی کا ذکر کرنے لگے۔ نواب نے بھی ان کی تعریف کی کہتے ہیں ؎

یکتائے عصر، عالم و فاضل جنابِ رشک
علامہ و محقق کامل جنابِ رشک
کیونکر نہ میری قدر زیادہ ہو اے منیرؔ
سمجھا گئے تمام مسائل جنابِ رشک

سیاست منیر کو بادشاہ لکھنؤ سے بڑی عقیدت تھی۔ نواب واجد علی شاہ کی معزولی کا اثر انھوں نے بھی لیا۔ کمپنی بہادر سے عدم موالات کرنے لگے۔ اور نواب صاحب کے بھی کان بھرے۔ بندیل کھنڈ کے علاقہ میں جھانسی کو اہمیت تھی۔ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھا۔ یہاں کا فرمانروا راجہ گنگا دھر راؤ آف جھانسی تھا۔

Marfat.com

اس کو ماروپنت تانبے کی لڑکی لکشمی بائی بیاہی تھی۔ ماروپنت آخری پیشوا باجی راؤ دوم کا برہمن پروہت تھا۔ لکشمی بائی کے آٹھ برس بعد ایک بچّہ ہوا۔ جو چار ماہ کی عمر میں فوت ہوگیا۔ راجہ گنگا دھر کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور بچّہ کے غم میں گھلتا رہا۔ اپنی موت سے کچھ پہلے دامودر راؤ جو قریبی عزیز تھا اس کو متبنیٰ کرلیا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی ہندوستان کا گورنر جنرل تھا۔ اس کی منشا تھی کہ تمام ریاستیں حکومت سے ملحق ہو جائیں۔ ستارا۔ ناگپور کے بعد جھانسی پر نگاہ تھی۔ گنگا دھر راؤ نے مرنے سے پہلے انگریز ریزیڈنٹ سے درخواست کی تھی کہ وہ اسکی تاج برطانیہ سے عمر بھر کی وفاداری کے پیش نظر جھانسی کا الحاق نہ کریں۔ مگر درخواست نامنظور رہی۔ جھانسی کا الحاق ۱۸۵۳ء میں عمل میں آیا اور نوجوان بیوہ لکشمی بائی بے دخل کردی گئی۔ اس نے کمپنی کے اس خلاف عہد طرز پر آواز بلند کی مگر احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اس پر رانی کو ارباب حکومت سے عناد سا پیدا ہوگیا۔ رانی نے اپنے طریقۂ عمل سے اپنی رعایا کو گرویدہ کر رکھا تھا۔ ہر ایک اس کو اپنی ماں سمجھتا تھا۔ اس اثنا میں طوفان کے بادل چھا رہے تھے۔ کمپنی کے عمال کی سخت گیری سے عوام میں بے چینی کی چنگاریاں اکٹھی ہو کر جنگ آزادی کے واقعات کی صورت اختیار کر گئیں۔ جو کہ دراصل ہندوستان کی طرف سے اپنی سو سالہ غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لئے پہلی بغاوت تھی۔ بغاوت

Marfat.com

کا یہ شعلہ جوں ہی بھڑک اٹھا اس نے تقریباً سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جنگ آزادی دلی لکھنؤ اس تحریک کے مرکز بن گئے دور و نزدیک کے اور مقامات میں بھی جنگی ہنگامے رہے لکشمی بائی بھی اسی جنگ کی ہمنوا ہوگئی۔ سر ہیگ روز نے ایک مضبوط فوج کے ساتھ جھانسی پر چڑھائی کر دی۔ اس کے پاس گیارہ ہزار نوجوانوں، پر مشتمل فوج تھی۔ مقامی کارخانوں کی تیار کردہ توپوں۔ بندوقوں، گولوں اور بارود وغیرہ سے آراستہ کر دیا گیا اور وہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگئی۔

رانی نے تانتیا ٹوپی کو بھی امداد کے لئے لکھا۔ تانتیا فوج لے کر آیا مگر انگریزوں سے شکست کھا گیا۔ نتیجہ میں رانی کو شہر کی حفاظت ترک کرنا پڑی اور پیدل کالپی روانہ ہوگئی۔ راؤ صاحب یہاں کے محاذ کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے ڈھائی سو سواروں کا دستہ رانی کے زیر کمان دیا۔ اس نے انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ اور داد شجاعت دی۔ مگر راؤ صاحب اپنے مقابل سے شکست کھا گیا۔ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ رانی نے راؤ صاحب کی ہمت بندھائی اور مشورہ دیا کہ موقعہ ہے گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کر کے پھر دشمن سے نپٹا جائے۔ راؤ صاحب کو یہ تجویز پسند آئی۔ تمام فوج کو سمیٹ کر راجہ سندھیا کو آگھیرا۔ وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا اور مغلوب

Marfat.com

ہوا۔ اب گوالیار رانی کے قبضہ میں تھا۔ مگر راؤ صاحب بالکل ناکارہ مغرور اور عیاش مزاج آدمی تھا۔ گوالیار کی فتح کی خوشی میں اپنے آپ کو بھول گیا۔

اُسے چاہیئے تھا کہ جنگی تیاریوں پر توجہ دیتا۔ اور فوجوں کے اندر ضبط و نظم مستحکم کیا جاتا۔ مگر وہ غافل رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرہیگ روز نے بھاری فوج کے ساتھ گولیار پہ حملہ کر دیا۔ شیورام تانتیا ٹوپی اور کنشی بائی دو دیویاں اور چند مرد مصاحبوں کے ہمراہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔ مخالف فوج اس کے پیچھے لگ گئی ایک ایک کر کے اُنھوں نے بھون کھایا۔ رانی نے مقابلہ کیا یہ بھی مجروح ہو کر گھوڑے سے گری۔ ایک خدمتگار قریبی جھونپڑی تک لے گیا۔ لیکن کشتی عمر رواں کنارے لگ رہی تھی۔ چند لمحوں کے اندر مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ یہ دن ۱۸ جون ۱۸۵۸ء کا تھا۔

باندہ باندہ سے قریب یہ واقعات رونما ہو رہے تھے۔ نواب علی بہادر خاں ایک شجاع اور جری شخص تھا۔ اُدھر رانی جھانسی اور تانتیا ٹوپی کے نامہ و پیام شرکت جنگ آزادی کے جاری تھے۔ مرزا ولایت حسین خاں وزیر اعظم باندہ اور منشی سید اسمٰعیل منیر سے مشورہ کیا۔ ہر ایک جان بازی اور سرفروشی کے لئے سربکف تیار تھا۔ مقامی فوج کو کیل کانٹے سے درست

Marfat.com

کر کے اولاً راج گھاٹ کے قلعہ پر نواب نے حملہ بول دیا۔ قلعہ فتح کر لیا۔ عدو دوّاہ بندیلہ کو گرفتار کر لیا۔ اس فتح کی خوشی میں جناب منیر نے یہ تاریخ کہی ؎

چو فوج بندیلہ بباندا رسید ز حصن اجے گڈھ برائے فساد
برایشاں ظفر یافت نوابِ ما دلِ اہلِ انصاف گردیدہ شاد
چنیں گفت تاریخ نصرت منیر
خدا فتح عالی بہ نواب داد
۱۲۷۴ھ

قطعہ در تہنیت فتح نواب علی بہادر جنگ بر دوّاہ بندیلہ

فتح دی اپنی عنایت سے خدا نے آپ کو
سب عدو مقتول تیغ و بستۂ زنجیر ہیں
آیۂ اِنّا فتحنا مژدہ فتحٌ قریبٌ
تہنیت سے ہم زباں در دولت تقریر ہیں
فتح زیبا و مبارک ہو مٹا خارِ خلش
آپ منظور نگاہ مالکِ تقدیر ہیں

ایک قطعہ کا شعر یہ ہے ؎

ہوا محبوس دوّا باندہ میں کر اجے گڈھ سے
پھنسا دامِ مصیبت میں سیانا گرچہ کوّا ہے

۱۵/ جون ۵۸ء کو مسٹر ایچ۔ اے۔ کاک وِل قلعۂ باندہ میں آیا۔

Marfat.com

اس کو مصاحبوں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ۱۸ ر اکتوبر کو ارد گرد سے حریت نواز آ جمع ہو گئے۔ ان کے پاس دو ہزار گھوڑے سوار تھے۔ جنرل وائٹ لاک نے حملہ کیا۔ مگر ان کو شکست اٹھانا پڑی[۱]

اس جنگ کا ہیجا بھاری تھا۔ ایک جنگی کونسل بنائی گئی۔ جس کے ارکان میں محمد سردار خاں ناظم۔ میر انشاء اللہ خاں سپہ سالار افواج اور وزیر اعظم مرزا ولایت حسین تھے۔ امداد حسین اور فرحت علی افسران فوج قرار دئے گئے۔ جنرل وائٹ لاک نے اپریل ۱۸۵۸ء کو دوسرا حملہ باندہ پر کیا۔ مگر مقابلہ پر اہل باندہ ٹھہر نہ سکے شکست یاب ہوئے ۲۰ ر اپریل ۱۸۵۸ء کو سرکاری قبضہ باندہ پر ہو گیا۔

نواب نے راہ فرار اختیار کی۔ مرزا ولایت حسین اور منشی منیر نواب فرخ آباد سے امداد لینے روانہ ہوئے۔ فرخ آباد میں ہر دو گرفتار ہو گئے۔ مقدمہ ان پر چلتا رہا۔ مرزا ولایت حسین کو سزا حبس دوام بہ عبور دریائے شور ہوئی۔ انڈمان بھیج دئے گئے[۲]

منشی منیر پر ایک بلا اور نازل ہوئی مصطفےٰ بیگ ان کے دوستوں میں سے تھے۔ انھوں نے نواب جان طوائف کو قتل کیا۔ اور منشی منیر کو پھنسوا کر خود بچ گئے۔ منیر اس قصہ کو لکھتے ہیں سہ

مصطفےٰ بیگ ایک صاحب ان میں ہیں ۔۔۔۔ کج روں میں بڑھ کے چرخ پیر سے

---

[۱] گزیٹیر جالون صفحہ ۱۴۱ سنہ ۵۲ اردوئے معلی اپریل ۱۹۱۵ء منیر شکوہ آبادی از لکھنؤ۔

کرکے خونِ ناحق نواب جان / مجھ کو بھی پھنسوا دیا تزدیر سے
خون میرا وہ سمجھتے تھے حلال / تھا جو ہیں ذرینِ شبنم سے

آخرش ان کو بھی سزا آٹھ دس سال کی ملی۔ اور انڈمان بھیجے گئے۔ فرماتے ہیں ؎

غربت میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا / زیر غربت شکر فروشوں کو ملا
جب لخت جگر کھاکے لگی پیاس منیر / کالا پانی سفید پوشوں کو ملا

آخرش نواب علی بہادر پکڑے گئے۔ مگر حکومت نے ان کے ساتھ یہ رعایت برتی کہ اندور میں نظر بند رہے۔ ۳۶۰۰ روپیہ سال مقرر کردئے گئے۔ ۱۸۷۲ء میں بمبئی بلائے گئے۔ گورنر کے دربار میں جگہ ملی۔ آپ کے فکر سخن سے ایک غزل پیش ہے ؎

ترے خدنگِ ادا کا وہی نشانہ ہوا / کہ جس کے عشق سے تو آفتِ زمانہ ہوا
یہ کچھ نہ سوجھی کہ مجھ پر گزر گئی کیا کیا / نہیں تو وجہ مسرت مرا فسانہ ہوا

یہ کیا کیا جو کیا دعوئے وفا نواب
کہ اس کو اور جفا کے لئے بہانہ ہوا

نواب نے ۱۲۹۰ھ میں انتقال کیا۔ جناب منیر نے یہ قطعۂ تاریخ لکھا ؎

نواب علی بہادر اے بحرِ کرم / یوسف طلعت شجاع یکتا ہے ہے
اے قدر شناس و ناز بردار منیر / اے اہلِ سخن کے ہمت افزا ہے ہے
اے صدر نشینِ خلق و اقبال و شکوہ / اے بزمِ کرم معنی مسند آرا ہے ہے
اٹھ جاتے جوان تو زمانہ سے ہائے / صد حیف افسوس و دریغا ہے ہے

Marfat.com

تاریخ نزی یہ رو کے کہتا ہے منیر
فیاضِ زماں امیر زیبا ہے ہے

حالات قید فرنگ

فرخ آباد اور یارانِ شفیق — چھٹ گئے سب گردشِ تقدیر سے
آئے باندے میں مقید ہو کے ہم — سو طرح کی ذلت و تحقیر سے
کوٹھری تاریک ہوئی مثلِ قبر — تنگ تر تھی حلقۂ زنجیر سے
پھر ـــــ لے جائے گئے — ظلم سے تلبیس سے تزویر سے
جو الہ آباد میں گزرے ستم — ہیں فزوں تقریر سے تحریر سے
پھر ہوئے کلکتہ کو پیدل رواں — گرتے پڑتے پاؤں کی زنجیر سے
ہتھکڑی ہاتھ میں بیڑی پاؤں میں — ناتواں ترقیس کی تصویر سے

سوئے مشرق لائے مغرب سے مجھے
تھی غرض تقدیر کو تشہیر سے

کالا پانی انڈمان میں زیادہ وقت مولانا فضل حق کی صحبت میں گزرتا تھا چنانچہ آپ کے متعلق ایک قصیدہ میں کہتے ہیں ؎

رشک زلیخا ہوئی بحرِ صفتِ جوش زن
غرق ہوا نیل میں یوسفِ گل پیرہن
مخزنِ فضل و کمال عالمِ عالی مقام
ناقدِ تازی زباں فیضِ شناسِ سخن

Marfat.com

مولوی بے نظیر فضلِ حق اسم شریف
دہلی سے تا لکھنؤ مشہور و موتمن
قید میں، میں اور وہ رہتے تھے ایک ہی جگہ
عین سمندر میں تھے غرقۂ بحرِ محن
تصنیف قصیدہ کیا ہے میں نے انکے سامنے رقم
ختم ہوا جب، تھے وہ ہمدم گور و کفن

تاریخ پھانسی نوابان فرخ آباد جوانڈمان میں کہی

اقبال مند خاں و غضنفر حسین خاں
دونوں دُرِ محیط عصا آہ آہ ہائے!
دونوں جوان نیک امیرانِ ذی حشم!
مقتول تیغ تیرہ قضا آہ آہ ہائے!
تاریخ ان کے قتل کی کافی ہے یہ منیر
دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے!

تاریخ پھانسی نواب سخاوت حسین خاں برادر کوچک نواب تفضل حسین خاں

مسند نشین فرخ آباد

ریاضِ خلق سخاوت حسین خاں نواب
نہالِ باغِ کرم زیب مسندِ شوکت

Marfat.com

جوان قابل و فرزند خاص نصرت جنگ
غلام آلِ نبی سرورِ قمر طلعت
وہ بے گناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول
عنایت اس کو کیا حق نے گلشنِ جنّت
منیرؔ نے یہ کہی اس کے قتل کی تاریخ
ہوا شہید امیر دلیر باہمت
۱۲۷۴ھ

آپ بیتی

تھے قید ہم جزیرۂ دریائے شور میں
نیرنگِ گردشِ فلکِ نیلہ رنگ سے
منشی تھے محکمے میں کمشنر کے ہم وہاں
محفوظ تھے مشقتِ بیل و کلنگ سے
انعام میں معاف ہوئے ہم کو دو برس
شکر خدا رہا ہوتے کامِ نہنگ سے
ہندوستاں میں آکے رہے ہم پراگ میں
اب کانپور جاتے ہیں دل کی امنگ سے
فضلِ خدا سے سالِ رہائی کہو منیرؔ
اب ہم گھر آئے چھوٹ کے قیدِ فرنگ سے

Marfat.com

واقعہ الہ آباد میں بسا ناکام ہونے جنگ آزادی کے جلسہ خیر خواہانِ برطانیہ کا منعقد ہوا۔ اس میں نواب یوسف علی خاں رئیس رام پور نے بھی شرکت کی غرض سے الہ آباد آئے یہاں ایک گویا جو واجد علی شاہ کے پاس رہ چکا تھا لکھنؤ سے الہ آباد آگیا۔ اور رہ پڑا۔ نواب صاحب کے یہاں شام کو محفلِ سرود منعقد ہوئی۔ اس میں یہ گویا بھی طلب ہوا۔ اس نے گانے میں منیر کی مشہور غزل سنائی۔ ع

شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے

نواب نے سُن کر اثر لیا اور اس ردیف وقافیہ میں فرمایا ؎

ناظم منیر آئے یہاں ہم ہیں قدر داں
شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے

نواب کو معلوم ہوا منیر انڈمان میں ہیں تو گورنمنٹ میں لکھا پڑھی کرنے لگے۔ اُدھر منیر کو چھ سال گزر چکے تھے۔ قصیدے نعتیہ کہے۔ منا جاتیں کہیں ساتواں سال بھی نصف ختم ہونے کو ہوا۔
ایک قصیدہ جناب رسالت مآب کی شان میں کہنا شروع کیا۔ اس میں التجا کی ؎

اسی ذی الحجہ تک مطلب مرے دل کے عنایت ہوں
کرے اب کا محرم ہند میں یہ بندۂ جانی

Marfat.com

رہائی

بارے آئی نجات کی باری / کھل گیا عقدۂ گرفتاری
ہم کو منصب ملا رہائی کا / قید کو جا بُدا دبے کاری
کوچ ٹھہرا مقام غربت سے / اب وطن چلنے کی ہے تیاری
رخصت اے دوستانِ زندانی / الوداع اے غمِ گرفتاری
الرحیل اے دوستانِ زندانی / الفراق اے ہجومِ ناچاری
دال چاول سے کم رخصت ہوں / پاتے ہیں ڈوبے یہ نمک کھاری
مچھلیوں سے کھو کہ ہٹ کے شریں / گھاس کھودے یہاں کی ترکاری
چینی، برمی، ملائی، مدراسی / اہلِ آسام، جنگلی، تاتاری
اپنے دیدار سے معاف کریں / اپنی باتوں سے دیں سبک باری
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت / اشکِ شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بیٹھتے ہیں جہاز ڈودی پر / اٹھتے ہیں لنگر گراں باری
نکلے دریائے شور سے صد شکر / بحرِ شیریں کی آگئی باری
نظر آیا سوادِ کلکتہ / شکر ہے شکرِ حضرتِ باری

کیا منیر اور التماس کرے
فکرِ ناصر ہے نطق سے عاری

Marfat.com

دیگر

آج میں نے قید سے پائی رہائی اے منیر
فضلِ حق سے یہ خوشی کی دوپہر مسعود ہو

اس جزیرے سے سوئے کلکتہ ہوتا ہوں رواں
اے خدا ہندوستاں کا اب سفر مسعود ہو

آکے بیٹھا ہوں جہازِ تیز رو پر شکر ہے
لنگر اٹھا ساعتِ فتح و ظفر مسعود ہو

مادہ منظور ہے کہنا دعائیہ مجھے
نیک ساعت ہو اکواکب کی نظر مسعود ہو

آج کے دن کی ہے یہ تاریخ صوری معنوی
روز سہ شنبہ نہم ماہ صفر ۱۲۸۲ھ مسعود ہو

چنانچہ ۱۲۸۲ھ ۲۸ محرم میں قید انڈمان سے رہا ہو کے کلکتہ آئے۔ وہاں سے الہ آباد پہنچے۔ میر غلام عباس کے یہاں ٹھہرے۔ مثنوی معراج المضامین لکھی۔ عیال و اطفال کے مرگ کی خبر لگی۔ صدمہ جانکاہ ہوا۔ وہاں سے لکھنؤ آئے۔ نواب یوسف علی خاں ناظم کے شعر پر تظمین کی ہے

مشہور خلق آپ کی ہیں قدر دانیاں
حسب الطلب منیر بھی آتا ہے اب وہاں

Marfat.com

یہ حکم خاص ہے دل و جاں پہ مرے رواں
ناظم منیرؔ آئیے یہاں ہم ہیں قدرداں
شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے

چل اے منیرؔ قبلۂ عالم ہیں قدرداں!
بلواتے ہیں حضور معظم ہیں قدرداں
وہ کہتے ہیں جو آج مسلم ہیں قدرداں
ناظم منیرؔ آئیے یہاں ہم ہیں قدرداں
شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے

لیکن جب منیرؔ رہا ہو کر آئے تو نواب یوسف علی خاں بہادر انتقال فرما چکے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ؎

آیا منیرؔ چھوٹ کے جب قید سے یہاں
تھا قصد رام پور کو ہو جاؤں میں رواں
لیکن حضور ہو گئے راہی سوئے جناں
اب کس کے پاس جاؤں میں ہے کون قدرداں
نادم رہا میں اپنے کمالوں کے سامنے

لکھنؤ میں آغا علی حسن خاں نے دستگیری کی۔ کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جشن ولادت ولی عہد رام پور کی خبر ملی۔ ایک تہنیت نامہ قطعات تاریخ عرضی کے ساتھ نواب کلب علی خاں کی خدمت میں ارسال کیا۔ نواب صاحب نے ازراہ قدردانی

Marfat.com

ان کو طلب کر لیا۔ رام پور پہنچے سے

نوابِ پاک کلب علی خان نے اے منیر
بلوا کے رام پور میں کیں بخششیں کثیر
صد شکر آئے راہ پر اب طالعِ فقیر
ہے قدر دان سر پہ امیرِ فلک سریر
اب سرخ رو ہوں اپنے کمالوں کے سامنے

نواب کلب علی کا زمانہ رام پور میں عہد زرّیں کہنا سزاوار ہے۔ علوم و فنون کی اشاعت کی سرپرستی کے ساتھ صنعتوں اور حرفتوں کے رواج کی بھی ترقی تھی۔ جس طرح ہر ایک علم و فن کے عالم جمع کئے گئے تھے۔ اسی طرح دستکاری کے ماہر فن فراہم فرمائے۔ مدرسہ عالیہ اور وابستگان دربار میں علوم عربیہ سے ہر ایک علم کے کامل الفن اور مسلم الثبوت استاد موجود تھے۔ مفتی محمد سعد اللہ مولانا محمد ارشاد حسین محدّث۔ شمس العلما مولانا عبد الحق خیر آبادی۔ مولوی عبد العلی ریاضی داں وغیرہ وہ لوگ تھے جن کی قابلیت کے ڈنکے چار دانگ عالم میں بج رہے تھے۔ حکماء میں حکیم ابراہیم لکھنوی۔ حکیم علی حسن خاں۔ حکیم حسن رضا خاں۔ حکیم علی نقی خاں۔ حکیم ہادی حسن خاں لکھنوی یکتائے زمانہ تھے۔ شعراء میں منشی امیر احمد امیر مینائی فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ۔ حکیم سید ضامن علی جلال

Marfat.com

آفتاب الدولہ قلق۔ میر محمد ذکی بلگرامی۔ منشی مظفر علی خاں اسیر احمد علی خاں عروج۔ منشی امیر اللہ تسلیم۔ انھیں ہیں منشی منیر کو شامل کیا۔ سو روپے ماہوار ملنے لگے۔ نواب کلب علی خاں کی فرمائش سے مدح ممدوح میں ایک قصیدہ کہا۔ اس کے چند دلچسپ مقامات پیش ہیں ؎

نواب سخن کلب علی خان بہادر
دنیا نہیں جس کی درِ دولت کے برابر
نواب سخن دوست سخن سنج سخنداں
افصح نہیں آج اس کی فصاحت کے برابر

رُت ہے برسات کی بہت پیاری | موجزن جھیلیں۔ ندیاں جاری
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر | اودے اودے سنہری زنگاری
دیکھ تو رام پور کی برسات | کیا نمایاں ہیں قدرتِ باری

وصفِ علماء

علماء ایسے نامور ہیں یہاں | جن کی مدّاح خلق ہے ساری
حکمائے فلاسفہ کو بھی | فخر ہے ان کی کفش برداری
وہ اطبا ہیں عیسوی اعجاز | نام سے جن کے بھاگے بیماری
فردِ یکتا حکیم ابراہیم | کرلے بقراط جن کی عطاری
حافظوں کا شمار حد سے فزوں | شرح کرنے میں حد کی دشواری

Marfat.com

الغرض ہیں تمام اہلِ کمال
صاحبِ منصب نمک خواری

مجمع شاعراں نامی ہے
شاعری کی ہے گرم بازاری

بحرؔ منشیؔ، اسیرؔ اور امیرؔ
ہمسرِ انوری و مختاری

طبع پاکِ عروجؔ و داغؔ سے ہے
منفعل ابر کی گہرباری

ہے جلالؔ و حیاؔ و شاغلؔ سے
محفلِ نظم جلوہ گر ساری

مثنوی میں حباؔ و خواجہ بشیرؔ
رونقِ شاعری و نثاری

فنِ تاریخ میں رساؔ منصورؔ
جانؔ صاحب کی ریختی پیاری

سب سے بڑھ کر منیرؔ کو حاصل
بے کمالی و ہرزہ گفتاری

رام پور میں منشی منیرؔ کی آخری زندگی اچھی گزری۔

وفات عمر طبعی پا کر ہیضہ میں مبتلا ہوئے ۱۲۹۷ھ میں رام پور میں انتقال ہوا۔ سالِ رحلت اس مصرع سے ظاہر ہوتا ہے ع
"انتقالِ منیر عالی قدر"

تصانیف (دو دادین میں) منتخب عالم۔ تنویر الاشعار نظم منیر۔ مثنوی معراج
۱۲۶۴ ۱۲۶۹ ۱۲۹۰
المضامین۔ تیس ہزار اشعار کا مجموعہ و دیگر تصانیف۔
رسالہ اعلانِ حق۔ سراج منیر۔ رسالہ تنبیہہ الشائنین۔ بفضائل الثقلین۔
یادگار سے ہیں [1]

[1] مصنف (علی گڑھ)

Marfat.com

Marfat.com

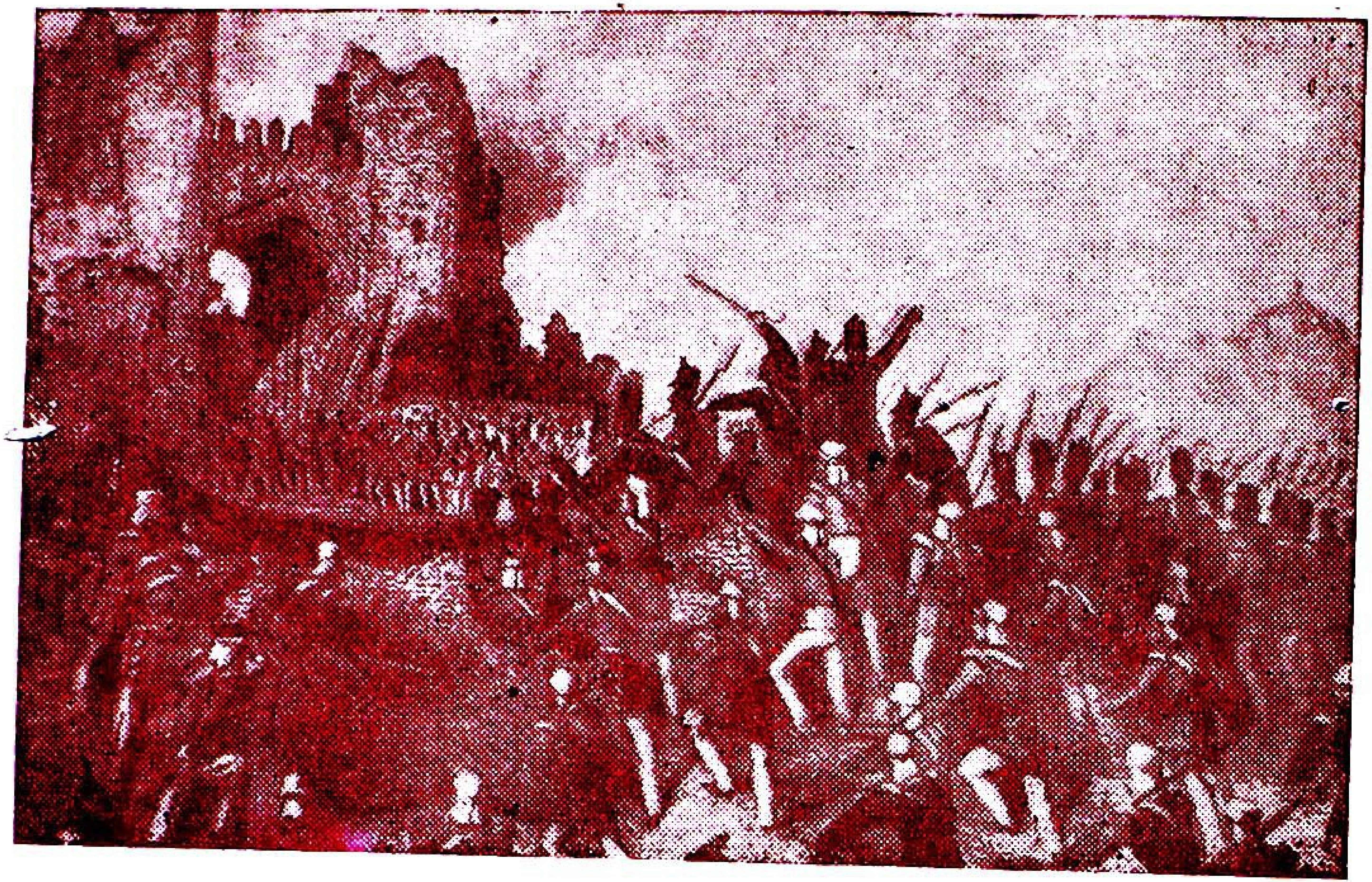

دهلی - کشمیری دروازہ پر انگریزوں کا سفاکانہ حملہ اور .... دهلی لٹ گئی

Marfat.com

ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی

پہلی جنگ آزادی میں ہندوستان کے جن محبان وطن نے جاں بازی و سرفروشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان میں دلاور جنگ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی اور نانا راؤ پیشوا اور عظیم اللہ خاں کانپوری پیش پیش تھے۔ اور اس جنگ آزادی کے بانی مبانی کہے جاتے ہیں۔ ان کے ہمراہیوں میں ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی بھی تھے جن کو بہادر شاہ نے آگرہ کا لارڈ گورنر مقرر کیا تھا۔[1]

ڈاکٹر وزیر خان بہادر کے شرفائے افاغنہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد محمد نذیر خاں بڑے زمیندار تھے۔ جنھوں نے ڈاکٹر صاحب کو علوم رسمیہ کی تعلیم دلا کر انگریزی تحصیل کرنے کے لئے مرشد آباد بھیجا۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر فن ڈاکٹری کی تحصیل کے لئے ہندوستان بھیجے گئے وہاں سے اسسٹنٹ سرجن کی ڈگری لی۔ مگر عبرانی اور یونانی زبان بھی سیکھ لی۔ اور معقول درک حاصل کیا۔ شوقیہ عیسوی مذہب کا مطالعہ کیا۔ انجیل و توریت مقدس کی شرحیں اور تفاسیر اور انجیل کے سو نسخے ہندوستان ساتھ لائے۔ کلکتہ کے بڑے اسپتال میں گورنمنٹ

---

[1] غدر کی صبح و شام۔ ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ گوپا موی قلمی)

Marfat.com

کی جانب سے اسٹیٹ سرجن مقرر ہوئے۔ پھر آگرہ میں تقرر ہوا۔ محلہ کاغذیان تاج گنج میں مقیم ہوئے۔ عمر کا حصہ زیادہ یہیں گزرا مقامی اہلِ علم حضرات سے تعلقات تھے۔ مولوی مفتی انعام اللہ خاں گوپاموی وکیل صدر کے یہاں آتے جاتے۔ مولوی احمد اللہ مدراسی آگرہ آتے اور یہاں مجلسِ علماء کی بنیاد ڈالی[۵]۔ اس کے ایک رکن ڈاکٹر صاحب بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو انگریز دشمنی اور حریت نوازی کا چسکا شاہ صاحب کے فیضِ صحبت سے پڑا شاہ صاحب انگریزی حکومت کے خلاف میدان تیار کر رہے تھے۔ چنانچہ جی فاسٹر اپنی تصنیف انڈین میوٹنی میں لکھتا ہے۔

"اودھ کے باغیوں کی تجاویز اور سازش کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس مولوی کو انگریز حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصہ سے جانتے تھے۔ شمالی مغربی صوبہ جات میں ظاہرہ مذہبی تبلیغ کی خاطر پھر چکے تھے۔ لیکن فرنگیوں کیلئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصہ تک وہ آگرہ میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر شہر کے مسلم باشندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصہ بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف

سلہ بیاض منشی اعظم علی اعظم اکبر آبادی (قلمی) سلہ داستان تاریخ اردو از پروفیسر حامد حسین قادری

Marfat.com

ایک سازش کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ وہ آزاد رہے"۔

غرضکہ شاہ صاحب نے علماء کی مجلس جس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے قائم کی تھی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کو ختم کرنا تھا۔ اس مجلس میں مولانا غلام امام شہید۔ مفتی انعام اللہ خاں۔ مولانا محمد قاسم دانا پوری۔ مولوی کریم اللہ خاں بہادر صدر الصدور۔ مولوی حافظ ریاض الدین مفتی شہر۔ مولوی امام بخش وکیل۔ مولوی منصب علی۔ مولوی اعتقاد علی۔ مولوی عظیم حسن۔ مولوی محمد باسط علی۔ مرزا اسد علی بیگ۔ مفتی عبد الوہاب گوپاموی مولوی نور اللہ آباد گوپاموی۔ مولوی نور الحسن۔ مولوی طفیل احمد خیر آبادی سے حضرات تھے[۱]۔ اس مجلس پر حکومت ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتی تھی۔ مگر کچھ حضرات کو ایک مقدمہ میں پھانسنا چاہا۔ مگر ناکامیابی رہی۔ اس واقعہ کو ولسن گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے[۲]۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ایک طرف راجہ نوابوں کو۔ دوسری طرف نصرانیت کی ترویج و اشاعت میں سرگرم سعی تھی۔ انگلستان سے بڑے بڑے علمائے عیسویت ہندوستان روانہ کئے جاتے۔ قسیس اعظم فنڈر ۱۸۵۳ء میں ہندوستان آیا۔ گورنروں[۳] کے یہاں قیام کرتا تھا۔ دلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر اسلام کے خلاف وعظ کہا کرتا۔

---

[۱] حیات ولادر جنگ ازانتظام اللہ [۲] داستان تاریخ اردو [۳] خطبات گرسان دتاسی

یہ عربی فارسی کا عالم اور فن مناظرہ کا واقف کار ہی نہیں بلکہ بڑا شاطر تھا۔ اس کے فضل و کمال کا انگریزی اخبارات میں ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا تھا۔ ان دنوں عموماً علمائے کرام عیسوی مذہب سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ انجیل اور توریت کا مطالعہ تو کجا۔ پادری فنڈر اسلام پر جو اعتراض کرتا اس میں الجھ کر یہ علماء رہ جاتے اسکو معلوم ہوا صدر نظامت کی وجہ سے آگرہ علماء کا مرکز بنا ہوا ہے..... اس کو خیال ہوا کہ اگر یہاں کے علماء کو مناظرہ میں شکست دے دی تو کثیر التعداد اہلِ اسلام اپنے مذہب سے منحرف ہو کر مشرف بہ عیسویت ہو جائیں گے۔ اس زعم باطل میں آگرہ آیا۔ اعلیٰ حکام صدر کے یہاں مقیم ہوا۔ اور مشاہیر علماء کو کھلا چیلنج دیا۔ مجلس علماء میں مشورہ ہوا اور ڈاکٹر وزیر خاں نے پادری فنڈر کا چیلنج منظور رکھا۔ اور اپنے دوست مولوی رحمت اللہ کیرانوی کو بلا بھیجا۔ وہ بھی ڈاکٹر صاحب کی طرح شوقیہ مذہب عیسویت کا مطالعہ کئے ہوئے تھے۔ مولوی رحمت اللہ نے پادری فنڈر سے خط و کتابت کے ذریعہ مناظرہ شروع کر رکھا تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب آگرہ آئے اور چھلی اینٹ میں قیام پذیر ہوئے۔

پادری فنڈر کو ایک خط میں مولانا نے لکھا کہ جس مذہب کی طرف تم دنیا کو بلا رہے ہو، اور جس کتاب کو تم آسمانی صحیفہ کہتے ہو وہ کتاب اپنی اصل حالت پر نہیں ہے اور تم جیسے پیشوایانِ مذہب

Marfat.com

عیسوی نے اپنی دینی کتاب "انجیل" میں بہت کچھ تحریف کردی ہے
آج دنیا میں دین عیسوی کی بنیاد کھوکھلی ہے[1]

شروطِ مناظرہ میں یہ شرط خاص اہمیت رکھتی تھی کہ اگر مولانا مرحوم پادری فنڈر کے ان اعتراضات کا جو وہ صداقت اسلام پر کرے جواب نہ دے سکیں تو مولانا مذہب عیسوی اختیار کرلیں۔ اس طرح اگر پادری فنڈر مولانا کے سوالات کا جواب دے سکے تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔

موضوعِ بحث میں جو معرکۃ الآرا مسائل مولانا کے ذمہ تھے۔ وہ رسول اللہ صلعم کی رسالت کا اثبات اور کلام مجید کا آج تک بلا تحریف اور تغیر و تبدل سے بالکل محفوظ من اللہ اور آسمانی کتاب ہونا۔

ابطال تثلیث کے ساتھ تحریف انجیل کا مدلل ثبوت پیش کرنا تھا۔

اس کے مقابلہ میں پادری فنڈر کو اثبات تثلیث اور یہ امر ثابت کرنا تھا کہ موجودہ انجیلیں جو آج پادریوں کے ہاتھ میں ہیں یہ وہی صحائف آسمانی ہیں جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئیں ان میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔"

صدر نظامت[1] کے انگریزی حکام کو پادری فنڈر سے

---

[1] اظہار الحق اعربی)

دلی ہمدردی تھی۔ چنانچہ ان کی جانب سے مناظرہ کا بڑا انتظام کیا گیا۔ اخبارات سے اعلان عام تھا۔ دور دور سے علماء اور پادری اس مناظرہ میں شریک ہونے کے لئے آتے۔

۱۸۵۶ء مطابق رجب ۱۲۷۲ھ میں مناظرہ کی مجلس منعقد ہوئی۔ مسٹر راسمٹ حاکم صدر مسٹر کرسٹین سکریٹری ریونیو بورڈ مسٹر ولیم حاکم علاقہ فوجی مسٹر لیڈلی مترجم اوّل برٹش گورنمنٹ خاص طور پر قابل ذکر ہیں[۱]

عمائدین شہر میں مولوی امیر علی شاہ مولوی قمر الدین خاں مہتمم اسعد الاخبار مولانا مولوی مظفر علی شاہ جعفری القادری سید صفدر علی شکوہ آبادی۔ پنڈت جگل کشور مولوی فیض احمد بدایونی حضور احمد۔ امیر اللہ وکیل۔ راجہ بنارس۔ امجد علی وکیل سرکار مفتی ریاض الدین۔ سراج الحق ابن مولوی فیض احمد بدایونی۔ مولوی معین الدین۔ سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی۔ مولوی کریم اللہ خاں پھپھوندی صدر الصدور[۲] مفتی اسد اللہ خاں۔ قاضی القضاۃ[۳] خادم علی مہتمم مطلع الاخبار۔ سید حافظ حسین۔ حافظ خدا بخش۔ ڈاکٹر الہام اللہ گوپامئوی۔ مفتی انعام اللہ ساحر[۴] قاضی باقر علی خاں ہمدانی۔ راجہ بلوان سنگھ کاشی۔ مولوی سید مدد علی تپش مرزا زین العابدین عابد

۱؎ نظام تعلیم از مولانا مناظر احسن گیلانی، اظہار الحق۔ ۲؎ داستان تاریخ اردو۔ ۳؎ انشائے بیخبر از انتظام اللہ شہابی۔ ۴؎ خمخانۂ جاوید حصہ چہارم

Marfat.com

محمد عبد الشہید کولوی۔ ڈاکٹر مکند لال۔ حکیم فرخند علی گوپاموی۔ مفتی اکرام اللہ گوپاموی۔ سید فضل حسین۔ ڈاکٹر وزیر الدین فرخ آبادی مولوی غلام امام شہید۔ مولوی غلام جیلانی۔ مولوی طفیل احمد خیر آبادی۔ حکیم جواہر لال۔ غلام محمد خاں رسا۔ خلیفہ گلزار علی اسیر حکیم غلام قطب الدین خاں باطن۔ مولوی سراج الاسلام امام جامع مسجد و پیشکار صدر شریک مناظرہ ہوتے۔

مجلس مناظرہ

نصاریٰ کی طرف سے پادری فنڈر مناظر اول فیسمس فرنچ مناظر دوم اور مسلمانوں کی طرف سے مولوی رحمت اللہ مناظر اول اور مناظر دوم ڈاکٹر وزیر خاں تھے۔ پادری نے اسلام پر چند اعتراض کئے۔ وہ مولوی رحمت اللہ نے باتوں باتوں میں دفعہ کر دئے جس کا اثر تمام جلسہ پر اچھا پڑا۔ مولوی صاحب نے کہا پادری صاحب آپ کے شکوک کا ازالہ تو کر دیا گیا۔ میرے چند اعتراض ہیں، انکا جواب مرحمت ہو پادری فنڈر کے لئے یہ پہلی بات تھی۔ ورنہ عموماً معترض یہی ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ نے انجیل کے کثیر التعداد نسخے مجلس کے سامنے کھول کر رکھدیتے۔ کہ پہلے تو اختلاف عبارت ملاحظہ ہو۔ اور اس سے بڑھ کر ترجمہ کیا گیا وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے

Marfat.com

ایک مدلل تقریر توریت اور انجیل کے محرف ہونے پر کی پادری صاحب بغلیں جھانکنے لگے مسٹر فرنچ کو ڈاکٹر وزیر خاں تقریر کا خلاصہ سناتے جاتے تھے۔ وہ انگریزی اور فرنچ زبان بھی جانتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مولوی صاحب کے بعد جو جامع تقریر کی ہے تمام حکام پر اوس سی پڑ گئی۔ پادری گھبرا سا گیا۔ دلائل کا جواب بن نہ پڑا تو معترف ہوا کہ انجیل اور توریت محرف ہیں۔ اور میں اس کا مقر ہوں۔ مگر مسئلہ تثلیث میں تحریف نہیں ہوئی۔ علمائے مجلس اور حکام صدر کو حیرت تھی کہ جن کتب کو خود پادری صاحب محرف مان رہے ہیں اس کے مسئلہ کو محرّف قرار نہیں دیتے آخر ش پادری صاحب کو شکست ماننا پڑی اور چپکے سے آگرہ سے روانہ ہو گیا پھر ہندوستان ٹھہرا ہی نہیں۔ پادری فنڈر اور مولوی رحمت اللہ کے مابین خط وکتابت ہوئی۔ اس مجموعہ کو امین الدین ہندی نے شائع کیا۔ روداد مناظرہ سید عبداللہ اکبرآبادی نے شائع کی "اثبات تحریف انجیل" وزیر الدین بن شرف الدین دہلوی نے فتح الملک مرزا فخرالدین بہادر ولی عہد بہادر شاہ کے صرف سے شائع کی۔ مگر انگریز حکام کو ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی رحمت اللہ مثل خار کھٹکنے لگے۔ چند ماہ بعد انقلاب ۱۸۵۷ء رونما ہو گیا۔ مولوی رحمت اللہ کی گرفتاری کا اشتہار جاری ہو گیا۔ مولوی صاحب نے حجاز کا راستہ لیا اور وہاں بخیر وخوبی پہنچ گئے۔

Marfat.com

مولوی صاحب ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ مولوی علی احمد کے ہمراہ تحصیل علم کے لئے شاہجہاں آباد آئے۔ مدرسہ مولوی محمد حیات میں قیام کیا۔ ان کے والد نجیب اللہ مرہٹہ سردار ہندوراؤ کے دیوان تھے۔ پھر لکھنؤ جا کر مفتی سعد اللہ سے تکمیل علوم عربیہ کی کی۔ اور ازالۃ الاوہام کتاب لکھی۔ حجاز جا کر مکہ میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا۔ سلطان روم ایک سو پچیس روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ بعمر ۷۵ سال ۲۴ر رمضان ۱۳۰۸ھ میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر وزیر خاں مردانہ وار میدان میں نکل آئے۔ آگرہ میں جو فوج انقلابیوں کی آئی اس کی سرپرستی ڈاکٹر صاحب نے کی۔ انگریز قلعہ بند ہوگئے۔ یہ مولوی فیض احمد بدایونی کو ساتھ لے کر دہلی پہنچے۔ بہادر شاہ کا دربار جما ہوا تھا۔ بریلی سے جنرل بخت خاں آچکے تھے[۱] وارکونسل بنی ہوئی تھی۔ مرزا مغل خضر سلطان۔ جواں بخت۔ مرزا عبداللہ۔ حکیم احسن اللہ خاں۔ نواب زینت محل مفتی صدرالدین خاں۔ مولوی امام بخش صہبائی اس کے ارکان تھے۔ ڈاکٹر بھی مجلس شوریٰ میں داخل کر لئے گئے۔ جنرل بخت خاں لارڈ گورنر تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ مولوی فیض احمد مرزا مغل کے پیشکار مقرر ہوئے۔

---

[۱] جنرل بخت خاں روہیلہ۔ از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی (رسالہ مصنف علی گڑھ)

Marfat.com

جنرل صاحب نے انگریزی فوج کو جہاں مقابلہ ہوا شکست دی۔ مرزا مغل ایک معرکہ میں منہ کی کھا آئے تھے۔ ادھر مرزا الٰہی بخش نے مرزا مغل کو گانٹھ لیا تھا اور خوف زدہ کر دیا تھا کہ جنرل روہیلہ نواب غلام قادر کے خاندان سے ہے۔ بہادر شاہ اور تمہارے پردے میں انگریزوں کو نکال کر خود تخت نشین ہونا چاہتا ہے۔[۱] مرزا مغل کچے کان کے دوست دشمن کو نہ پہچان سکے۔ جنرل بخت خاں نے ایک مورچہ خود سنبھالا۔ دوسرا مورچہ کشمیری گیٹ کا مرزا مغل کے سپرد کیا۔ مرزا نے وقت پر ہمت ہار دی۔ جیتی ہوئی بازی ہاتھ سے جاتی رہی۔[۲]

جنرل نے یہ رنگ دیکھ کر ڈاکٹر وزیر خاں سے کہا اپنی فوج کو علیحدہ کر لو اور اپنے ہمنوا جو ہوں ان کو ساتھ لو۔ یہ مغل بچے انگریز سے ساز باز کر گئے۔ نتیجہ یہ نظر آتا ہے ہم سب یہیں کھیت ہو کے رہ جائیں گے۔ مقبرہ ہمایوں جا کر بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ اور سب حال عرض کیا۔ اور کہا آپ میرے ساتھ چلئے۔ مگر نواب زینت محل نے بادشاہ کو اس کی ہمراہی کے لئے آمادہ نہ ہونے دیا۔ آخرش جنرل صاحب دلی سے روانہ ہو گئے۔ اسکے جاتے ہی مقبرہ ہمایوں میں بہادر شاہ گرفتار کر لئے گئے۔ مرزا مغل اور خضر سلطان کو ہڈسن نے گولی کا نشانہ بنایا۔ مرزا قویش روپوش ہو گئے۔ جنرل صاحب اور ڈاکٹر صاحب لکھنؤ آئے۔ حضرت محل

کے مہمان ہوئے۔

یہاں دو دربار جمتے تھے۔ ایک مرزا برجیس قدر ابن واجد علی شاہ کا دوسرا مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی کا۔ شاہ صاحب کے یہاں مجاہدین اور علماء کا مجمع تھا۔ خدا اور اس کے رسول کی رضا جوئی مقصود تھی۔ مرزا برجیس قدر کے یہاں ممو خاں کی طوطی بول رہی تھی۔ رشوت کا بازار گرم تھا۔ ناچ رنگ کی محفلیں ہوتیں غدار ملک و وطن ارد گرد جمع تھے۔ انگریز سے ساز باز کئے ہوئے تھے۔ جنرل بخت خاں رنگ دیکھ کر شاہ صاحب کے "علم" کے نیچے آ جمے[۱]۔ نانا راؤ پیشوا کانپور سے آ گئے۔ عظیم اللہ خاں پہلے سے موجود تھے۔ مولوی لیاقت علی الہ آباد سے آ گئے۔ شہزادہ فیروز شاہ مرزا کوچک سلطان یہ سب حضرات مولوی احمد اللہ شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ شاہ صاحب نے انگریزوں سے کئی معرکے جیتے۔ مگر ممو خاں کی حماقت سے حضرت محل مرزا برجیس قدر کو محلات سے لیکر لکھنؤ سے باہر روانہ ہوئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز کو کامیابی ہوئی۔ شاہ صاحب مقابلہ کہاں تک کرتے۔ انھیں بھی ہٹنا پڑا۔ شاہجہاں پور پہنچے۔ یہاں نواب قادر علی خاں ناظم شہر نواب بہادر خاں نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں والی بریلی کی طرف سے تھے[۲]۔

---

[۱] تبصرۃ التواریخ حصہ دوم [۲] حیات حافظ رحمت خاں از مولوی سید الطاف علی بریلوی۔

Marfat.com

رئیس فرخ آباد اور جنرل اسمٰعیل خاں بھی یہاں آ گئے۔ شاہ صاحب نے تمام فوج منتشر کو یکجا کیا اور ۲۸ اپریل ۱۸۵۸ء کو بجپوریہ کے قریب انگریزی فوج سے سخت مقابلہ کیا۔ سرکاکن کمبل فوج گراں سے آگیا تو سب کی رائے سے یہاں سے ہٹ کر محمدی پور کی گڑھی پر قبضہ کیا۔ اور اس کی دھنس بندی کی گئی۔ اور یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ جنرل فوج بخت خاں مقرر ہوئے۔ قاضی سرفراز علی گورکھپوری قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ نانا راؤ اور شہزادہ فیروز شاہ وزیر مقرر ہوئے۔ سکہ مضروب ہوا۔

سکہ زد بر ہفت کشور خادم محراب شاہ

حامیِ دینِ محمد احمد اللہ بادشاہ[۱]

مگر شاہزادہ فیروز شاہ خود بادشاہت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یہاں بھی دو ملاؤں میں مرغی حرام ہوگئی۔ حضرت محل اور ممو خاں نے سرکالن کمبل کی یلغار سے پریشان ہو کر نیپال کی طرف رخ کیا۔ حضرت شاہ صاحب راجہ بلدیو سنگھ رئیس پوائین کی دعوت پر پوائین گئے۔ دھوکے سے گولیوں کا نشانہ بنے۔ یہ ۱۵ جون ۱۸۵۸ء کا واقعہ ہے۔ سب ساتھی جدھر موقع ملا چلتے ہوئے۔ ڈاکٹر وزیر خاں حجاز روانہ ہو گئے۔ مکہ معظمہ جاکر مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مقیم ہو گئے۔ اور اپنا مطب وہاں کھول لیا۔ ایک عرب سردار

---

[۱] قیصر التواریخ حصہ دوم ۲؎ تاریخ احمد منظوم از مولوی فتح محمد تائب لکھنوی

Marfat.com

عبداللہ الیمنی سے تعلقات ہو گئے۔ اس کی بیوی سخت علیل ہو گئی جانبر ہونے کی کوئی توقع نہ تھی۔ ڈاکٹر وزیر خاں کے علاج سے اس کو شفا ہوئی۔ عبداللہ الیمنی نے ڈاکٹر صاحب کی مالی خدمت کرنا چاہی مگر آپ نے منظور نہ کی۔ عبداللہ آپ کا بڑا معتقد ہو گیا حکومت برطانیہ کا ہندوستان پر کامل تسلط جب ہو گیا تو اپنے باغیوں کی تلاش میں سرگرم سعی رہی۔ ہندوستان میں جو ہاتھ لگا پھانسی یا انڈمان کی سزا دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی تلاش جاری تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ مکہ معظمہ میں ہیں تو سلطان عبدالعزیز خاں سے مراسلات کا سلسلہ جاری کیا۔ اور لکھا کہ ہمارا باغی آپ کے قلمرو میں ہے۔ اس کو ہمیں دیا جائے۔ سلطان نے شریف مکہ کو لکھا اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب سے اظہار واقعہ کیا اور کہا کہ آپ کو بچانا میرے امکان سے باہر ہے۔ البتہ عبداللہ الیمنی سے آپ ملئے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب ان سے ملے۔ عرب سردار نے کہا ڈاکٹر صاحب دس ہزار عرب میرے قبیلہ کے ہیں۔ بچہ بچہ کٹ جائے گا جب کوئی آپ کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ اور شریف مکہ کو کہلا بھیجا کہ سلطان روم کو لکھ دیں کہ ڈاکٹر صاحب عبداللہ الیمنی کی امان میں ہیں کوئی انگلی نہیں لگا سکتا۔ چنانچہ سلطان نے صاف انکار لکھ دیا۔ کہ ڈاکٹر نہیں دیا جا سکتا۔ برطانیہ خاموش ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب نے عمر طبعی پا کر انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں

Marfat.com

دفن ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے "تحریف اناجیل" ایک مبسوط کتاب لکھی۔ جس کا مسودہ ڈاکٹر محمد نفیس کے پاس راقم السطور کی نظر سے گذرا ہے۔

عظیم اللہ خاں

عظیم اللہ خاں ہندوستان کا وہ سپوت ہے جس نے حکومت انگلشیہ کے خلاف ایک محاذِ جنگ قائم کیا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار پر وہ کاری ضرب لگائی کہ اگر غدارانِ ملک و وطن حکومت کا ساتھ نہ دیتے اور اپنوں کے ساتھ غداری نہ کرتے تو انگریز کبھی کے ہندوستان سے رخصت ہو چکے ہوتے۔ عظیم اللہ نے بہادر شاہ کو نظر انداز کر کے نانا راؤ پیشوا کو پیش پیش رکھ کر مرہٹہ طاقت سے کام لینا چاہا۔ مگر یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی اور اس کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انگریز اس انقلابی شخص سے اس قدر خفا تھے کہ تاریخ میں مجبوراً ذکر تو کرتے ہیں۔ مگر حقارت سے اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ عظیم اللہ خاں کو ایک غریب گھرانہ کا ہی نہیں بلکہ ادنیٰ درجہ کے خاندان کا فرد قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کو ایک اینگلو انڈین کے یہاں بوائے کی صورت میں

Marfat.com

Marfat.com

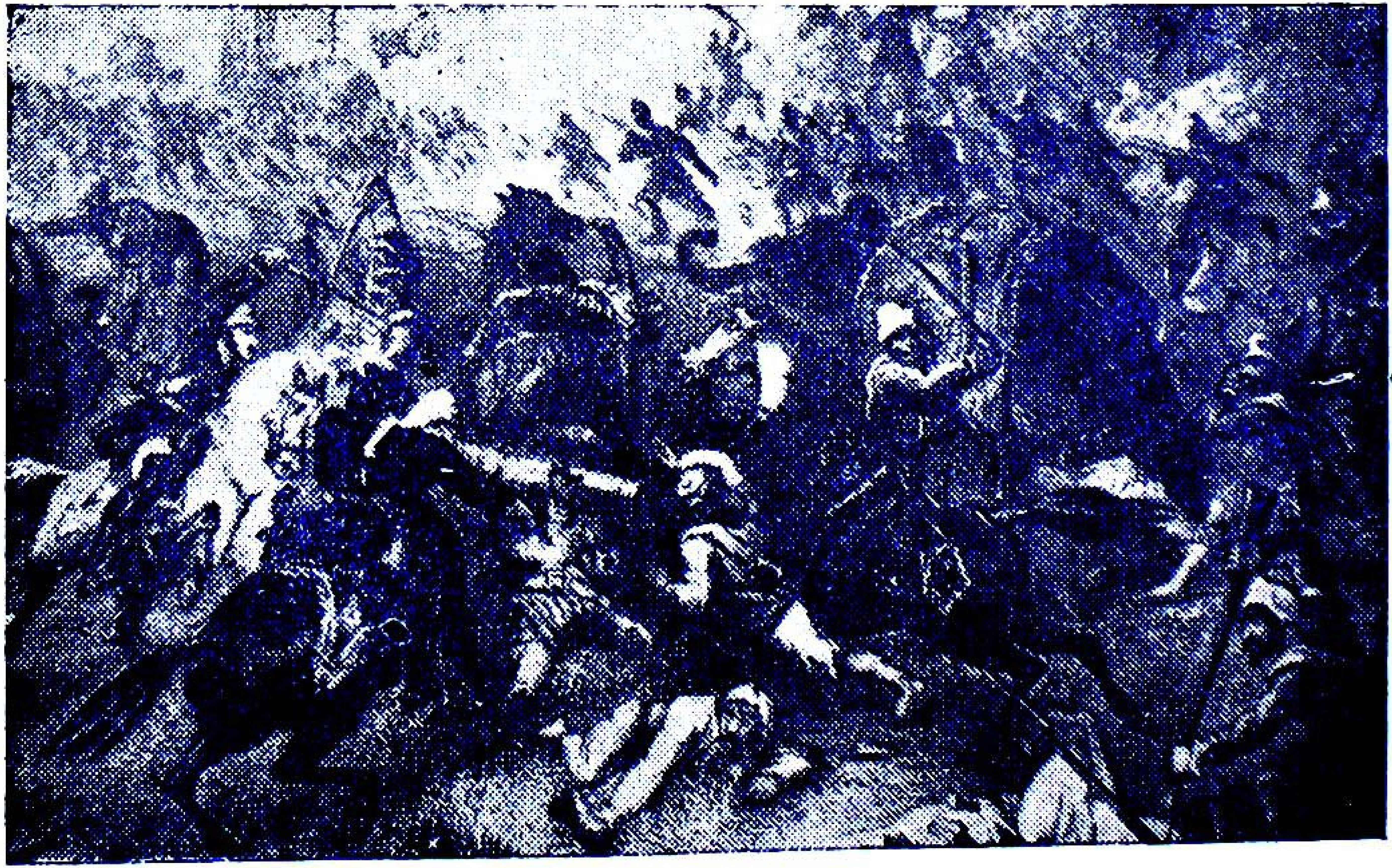

کانپور مجاہدین ہند اور انگریزوں کے درمیان ایک جرأت مندانہ معرکہ

Marfat.com

پیش کر کے خانساماں بنایا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے ذاتی شوق سے انگریزی پڑھتا ہے اور مشن کے فری اسکول میں داخل ہو کر معقول استعداد حاصل کرتا ہے۔ اور فارغ التحصیل ہو کر ماسٹر اس اسکول کا بن جاتا ہے۔

مگر مسٹر فارس میچل اپنے روزنامچہ میں محمد علی خاں عرف جے می گرین کے ذکر میں محمد علی خاں روہیلکھنڈی کی زبانی لکھتا ہے کہ۔

"میں نے اور عظیم اللہ خاں نے گورنمنٹ اسکول کانپور میں گنگا دین سے انگریزی کی تعلیم پائی تھی اور بعد کامیابی عظیم اللہ خاں ملازم اس اسکول میں ہوئے۔

عظیم اللہ خاں ذہین اور تیز طبع تھے۔ بہت جلد مطالعہ سے استعداد فاضلانہ بڑھا لی۔ تھوڑے عرصہ میں عظیم اللہ کی انگریزدانی کی کانپور میں دھوم مچ گئی۔ جو گورنر کانپور آتا یہی ایڈریس اس کا لکھتے غرضکہ حکام ضلع میں بڑا رسوخ ان کا ہو گیا۔ کلکٹر کانپور نے نانا راؤ رئیس بٹھور سے ان کی اعلیٰ قابلیت کا ذکر کیا۔ نانا صاحب نے عظیم اللہ خاں کو بلایا۔ اور ان کی گفتگو کا اثر بہت کچھ لیا۔ اور ان کی کارگزاری سے ایسا خوش ہوا کہ ان کے بغیر نانا صاحب کوئی کام ہی نہ کرتا۔

ناناراؤ نانا صاحب کا نام مہاراج دھوندو پنت نانا راؤ تھا ان کے والد کا نام مادھو نرائن راؤ بھٹ موضع

Marfat.com

ویٹرون علاقہ پونا کے رئیس تھے۔ خاندان پیشوا سے منسلک تھے۔ آخری پیشوا باجی راؤ رئیس بٹھور کے پاس مادھو نرائن آ گئے۔ ان کے ساتھ نانا راؤ بھی تھے۔ ان کی عمر ڈھائی تین سال کی تھی۔ باجی راؤ کی گیارہ بیویاں تھیں۔ مگر اولاد میں صرف دو لڑکیاں باقی رہ گئی تھیں۔ اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے باجی راؤ نے مادھو نرائن سے نانا راؤ کو گود لے لیا۔ اور اپنا متبنیٰ بنایا۔ اور ان کی تعلیم کا خاص طور سے انتظام کیا گیا۔ انگریزی تعلیم بھی پائی۔ باجی راؤ کا ۱۸۵۲ء میں انتقال ہوا۔ نانا صاحب کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ بٹھور کا علاقہ نانا صاحب کے قبضہ میں آیا۔ اور خزانہ بھی ملا۔ گورنمنٹ نے یہ رعایت روا رکھی۔ کچھ سپاہ اور چھ توپیں اپنے قلعہ میں رکھ سکیں۔ مگر ۸ لاکھ سالانہ پنشن جو باجی راؤ کو ملتی تھی لارڈ ڈلہوزی نے بند کر دی۔ اور نانا صاحب کو ان کا جانشین نہ مانا۔ اور ان کی جاگیر سے البتہ تعارض نہیں کیا۔ نانا راؤ نے حکام کے ذریعہ پنشن کھلوانا چاہی مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ عظیم اللہ خاں نے اس سلسلہ میں بہت دوڑ دھوپ کی مگر کوئی صورت کامیابی کی نہ نکلی۔ تو ہر دو صاحب میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ مسئلہ انگلستان جا کر ڈائرکٹران کمپنی کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۵۳ء میں عظیم اللہ خاں کو پانچ لاکھ روپیہ دے کر نانا صاحب نے ولایت روانہ کیا[1] محمد علی خاں روہیلکھنڈی ان کے

Marfat.com

ساتھ تھے۔ اور نانا صاحب کے بھائی بالا صاحب کو بھلے کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ انگلستان جاکر ایک اعلیٰ ہوٹل میں ٹھہرے اور ڈائرکٹران سے عظیم اللہ نے تبادلہ خیال کیا۔ اور لارڈ ڈلہوزی کی پالیسی پر کڑی نکتہ چینی کی۔ دعوتوں کا سلسلہ بھی قائم رکھا۔ مگر ڈائرکٹران نے صاف جواب دے دیا جس سے ان کو سخت نا امیدی ہوئی۔ پانچ لاکھ روپیہ بھی صرف کیا مگر سب بے سود رہا۔ وکلاء کو معقول معاوضہ دیا گیا۔ مٹھی بھی گرم کی گئی۔ اس زمانہ میں ایک وفد راجہ ستارہ کی طرف سے بھی انگلستان آیا ہوا تھا۔ اس کے سرگروہ رنگوجی باپوجی تھے۔ وہ بھی ناکامیاب رہے۔ عظیم اللہ اور رنگوجی دونوں نے مشورہ کیا کہ ہندوستان چل کر انگریز سے گلو خلاصی کی تدبیر ضرور کرنا چاہیئے۔ ورنہ جو ریاستیں ان کے دندان آز سے ابھی بچ رہی ہیں وہ تو محفوظ ہو جائیں گی چنانچہ رنگوجی باپوجی ہندوستان لوٹ آئے اور انھوں نے اس علاقہ میں اپنا کام شروع کر دیا۔

عظیم اللہ خاں کی حسن لیاقت اور شریفانہ طور طریق کی انگلستان میں بڑی دھوم تھی۔ اخبارات میں ان کو "پرنس آف انڈیا" لکھا جاتا ان کی نوجوانی اور خوبصورتی نے امراء کی صاحبزادیوں کو ان کا متوالا بنا دیا۔ ان کے عاشقانہ خطوط ان کے نام آنے لگے[2] مگر

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۰۸ [2] یہ خطوط انڈین پرنس اینڈ لیڈی انگلش کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

Marfat.com

عظیم اللہ گو سب سے مراسم رکھتا تھا۔ اور ہر ایک کو اس کی محبت کا جواب محبت سے دیتا تھا۔ مگر کسی غلط راستہ پر اپنے کو لگنے نہ دیا اور نہ کسی برائی کا دھبہ دامن پر آنے دیا۔ صرف عاشقانہ خطوط تک لطف اندوز ہوتا رہا۔ انگلستان سے فرانس آیا۔ یہاں بھی لعبتانِ فرانس اس کی گرویدہ ہوگئیں۔ مگر اپنے دامن کو آلودگی سے بچاتا ہوا قسطنطنیہ چلا گیا۔ یہاں سلطان عبدالعزیز کا زمانہ تھا۔ وہاں کے امراء اور ارکین سلطنت سے ملا جلا۔ اس کے بعد کریمیا گیا۔ ان دنوں روس اور انگلستان اور فرانس سے جنگ ہو رہی تھی۔ لندن ٹائمز کے نامہ نگار مسٹر رسیل کے خیمہ میں عظیم اللہ فروکش ہوا اور اس کے ساتھ سبٹاپول جو میدان جنگ بنا ہوا تھا جہاں سے نامہ نگار اور امرائے روس جنگ کا نقشہ دیکھ رہے تھے۔ یہ بھی وہیں بیٹھے تھے اتفاقاً ایک گولہ ان کے سامنے آکے گرا۔ ان کے پاس کے لوگ سب بھاگے۔ مگر یہ پرسکون طور پر اپنی جگہ سے نہ ہلا جب گرد و غبار چھٹا تو مسٹر رسیل ان کو دیکھنے آیا کہ عظیم اللہ گولے سے مرچکا ہوگا۔ اس کی لاش کی تدفین کا انتظام کیا جائے یہاں یہ حال دیکھا کہ عظیم اللہ اپنی کرسی کے پاس کھڑے ہوئے کپڑے۔ جو غبار سے گرد آلود ہو گئے تھے بڑے اطمینان سے جھاڑ رہے ہیں۔ مسٹر رسیل اور اس کے ساتھی ان کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور عظیم اللہ سے بولے کہ آپ جب گولے سے بچ گئے تھے

Marfat.com

تو کیوں نہ بھاگے۔ عظیم اللہ نے کہا میں بزدل نہ تھا۔ جو واقعہ ہونے والا تھا ہو چکا تھا۔ عبث تھا کہ میں جگہ چھوڑتا۔ جو روسی وہاں موجود تھے ان پر عظیم اللہ کے استقلال طبیعت کا بیحد اثر ہوا۔ اور وہ ان کے قیام گاہ پر آکر ملے۔ اور ان سے تعلقات قائم کئے۔ اور اُن کو آمادہ کیا۔ کہ ہندوستان میں انگریز کے خلاف قدم اٹھائیں۔ شاہ روس ان کی معاونت کرے گا چنانچہ کچھ روز رہ کر یہ قسطنطنیہ لوٹے اور مصر ہوتے ہوئے ہندوستان آگئے۔ نانا راؤ سے تمام واقعات کہے اور نانا راؤ کو آمادہ کیا کہ وہ بٹھور میں بیٹھ کر تمام نوابوں اور رجواڑوں کے پاس سفیر روانہ کرے۔ چنانچہ نانا راؤ نے کل اختیارات عظیم اللہ کو سپرد کر دئے۔ انھوں نے ایلچی ہر جگہ بھیجے۔ مگر راجہ اور نواب انگریزی اقتدار سے خوف زدہ تھے۔ جواب لکھتے ہوئے ڈرتے تھے۔ مشورہ یہ ٹھہرا نانا راؤ اور عظیم اللہ جاترا کے نام سے تمام ہندوستان کا دورہ کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان کی جماعت کا بڑا رکن سردار مرہٹہ مہا بیر تانتیا ٹوپے اور اس کا باپ سری پانڈورنگ راؤ بھٹ تھے۔ نانا صاحب کی دختر نیک اختر مینا بائی جو عظیم اللہ خاں کی شاگرد تھی وہ بھی ہمنوا تھی۔ باپ سے زیادہ اس کے دل میں انگریز دشمنی تھی۔ تانتیا ٹوپے نے فقیرانہ لباس اختیار کر کے ملک کا دورہ کیا۔

Marfat.com

اور اپنے چیلوں کو فوج سرکاری میں چھوڑ دیا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ مولوی احمد اللہ شاہ نے اکبرآباد میں علماء کی ایک جماعت بنالی تھی۔ پیری مریدی کا سلسلہ قائم کرکے انگریز کے خلاف خفیہ طور پہ کام کر رہے تھے۔ ظاہرہ مذہبی تبلیغ تھی۔ باطن میں کمپنی کے اقتدار کا خاتمہ کرنا تھا۔ عظیم اللہ بھی شاہ صاحب سے مل چکا تھا۔ ۱۸۵۶ء میں انگریزی حکومت نے واجد علی شاہ کو معزول کرکے اودھ میں عام بےچینی پیدا کردی تھی۔ اس کے وزیر علی نقی خاں نے کلکتہ جاکر فوجوں میں بغاوت پھیلانے کا انتظام کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کا اثر یہ پڑا بارک پور میں منگل پانڈے نے اعلانیہ بغاوت کا اظہار کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے فوجی قانون کی رو سے گولی کا نشانہ بننا پڑا۔ عظیم اللہ اور نانا راؤ کا دورہ کامیاب رہا۔ دہلی، لکھنؤ، پونا وغیرہ غرضکہ جہاں جہاں گئے وہاں شورش کے انتظامات ہوگئے۔ ۲۰ جون جنگ آزادی کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ مگر میرٹھ میں ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو ہی فوج میں بغاوت انگریز کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نانا راؤ اور عظیم اللہ کانپور میں تھے ان کو اس دن اطلاع اس واقعہ کی مل گئی۔ یہ کچھ فوج لے کر دلی روانہ ہوئے۔ کلیان پہنچے تھے عظیم اللہ نے کہا جگہ جگہ شورش ہونا چاہیئے۔ دلی کو ہی مرکز نہ بنایا جائے۔ چنانچہ کانپور لوٹ کر جھور میں جھنڈا اپنی حکومت کا لہرایا۔ نانا راؤ کو گدی نشین کیا گیا اور

Marfat.com

مہاراج سے خطاب کئے گئے۔ توپوں کی سلامی شلک ہوئی نانا صاحب نے عدالت مقرر کی۔ جس کے ارکان میں عظیم اللہ خاں۔ بابا بھٹ جوالا پرشاد جج مقرر ہوئے اور نانا صاحب نے یکم جولائی کو دربار کیا۔ جس میں عظیم اللہ کو وائسرائے مقرر کیا۔ پھر کانپور آکر کل علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ جنرل ویلز نے اسپتال کو دمدمہ سے مضبوط کر کے بطور قلعہ کے استعمال کرنے لگے۔ انگریز انگریز وہاں جمع کرے۔ آخرش نانا صاحب کی فوج نے انگریزی فوج پر حملہ کر دیا فوج کی کمان مینا بائی اور تانتیا ٹوپے کے ہاتھ میں تھی۔ ۲۸ دن معرکہ رہا۔ آخرش جنرل نے مینا کے ذریعہ امان طلب کی۔ عظیم اللہ اپنے سرداروں کو لے کر جنرل ویلز سے ملے اور عہد و میثاق ہوا۔ چنانچہ سات کشتیوں پر اسلحہ حرب اور ضروری اسباب لادا گیا۔ جنرل صاحب ایک کشتی میں بیٹھے بقیہ میں کچھ انگریز زن و مرد بیٹھے[۱] بقیہ بیٹھنا چاہتے تھے بالا صاحب گوکھلے نے فسخ عہد کیا۔ اور کشتیوں پر گولیوں کی باڑ ماری۔ جو گھاٹ پر تھے تہ تیغ کئے گئے۔ جنرل ویلز بچ کر الہ آباد پہنچ گئے۔

اس واقعہ سے تانتیا ٹوپے اور عظیم اللہ خاں اور مینا۔ نانا راؤ سے کبیدہ خاطر ہو گئے۔ عظیم اللہ کا پھر نام نانا راؤ کے ساتھ تاریخ میں نہیں آتا۔ عظیم اللہ نے لکھنؤ آکر احمد اللہ شاہ کے

---

[۱] قیصر التواریخ

ساتھ ہو لئے۔ انھوں نے حملہ بیلی گارد میں حصہ لیا۔ عظیم اللہ کا بھی ایک ومدمہ تھا۔ جنرل اوٹرم سے مقابلہ کیا[۱] عظیم اللہ کے اور نانا تنتیا کے ہٹتے ہی نانا راؤ عیش و عشرت میں مشغول ہوگئے پندرہ ہزار فوج صرف رہ گئی تھی۔ جن انگریزوں کو پناہ دے رکھی تھی ان میں سے دو میمون نے اپنے حالات کی چھٹیاں الہ آباد بھیجدیں وہ راہ میں پکڑی گئیں۔ اس پر جھلا کر نانا راؤ نے سب قیدیوں کو گھاٹ کنارے پہنچا دیا ۱۵ر جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل ہیولاک کانپور پر متصرف ہوگئے اور عملہ دخلہ ہو گیا۔ پھر عظیم اللہ مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ شاہجہاں پور تک رہے۔ پھر نانا راؤ کے ساتھ نیپال چلے گئے۔ وہیں ۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا[۲] نانا راؤ کا مفصل تذکرہ آگے آرہا ہے۔

---

[۱] و [۲] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۹۲ [۳] قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۴۸

حالات مولانا جعفر تھانیسری

مولانا کا گھرانا شرفا کا تھا ۱۲ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس وقت تک تعلیم کا کچھ انتظام نہ ہو سکا۔ ماں ایک سلیقہ مند خاتون تھی۔ ان کی سرپرستی میں تربیت پائی۔ بدو شعور پر خود مولانا کو اپنی تعلیم کا خیال آیا۔ چنانچہ تھانیسر کے مدرسہ ابتدائی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے مدرسہ صادق پور کی خانقاہ سے متعلق ہوگئے ن کا کام بچوں کی تعلیم اور اپنی اصلاح کا تھا اس کا اثر مولانا کے قلب پر بھی پڑا۔ جب اچھی خاصی استعداد ہوگئی تو پیشہ عرضی نویسی اختیار کیا۔ طبیعت کا رجحان قانون کی طرف تھا۔ وکیل تک آپ سے مشورہ لیا کرتے۔ ایک طرف عرضی نویسی سے آمدنی پیدا کرتے۔ دوسری طرف اپنی استعداد علمی کو ترقی دیتے۔ کچھ عرصہ بعد اپنے قصبہ کے نمبردار کی حیثیت اختیار کرلی۔ مولوی ولایت علی کے مرید سے ملاقات ہوئی اور مولانا جعفر خود پٹنہ گئے پھر صادق پور میں کچھ عرصہ قیام کیا اور مبلغین کی جماعت کے ایک رکن ہوگئے۔ مولوی یحییٰ علی نے اپنا شریک کار بنالیا۔ چنانچہ تھانیسر آکر انھوں نے بھی

Marfat.com

مولوی یحییٰ علی کی طرح کام شروع کر دیا۔ ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے۔

"۱۸۵۷ء میں جب غدر شروع ہوا تو جعفر اپنے دس مریدوں کے ساتھ مجاہدین کے کیمپ کی طرف روانہ ہوگیا جنگ کے غیر مانوس کام میں بھی اس کی اعلیٰ قابلیت نے اس کو نمایاں کر دیا۔ اور اب وہ ان لوگوں میں شمار ہونے لگا جن کے پاس باغیانہ راز محفوظ رہ سکتے ہیں۔ دہلی میں جب باغیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں تو جعفر عرضی نویسی کے کام پر تھانیسر واپس آگیا"[1]

مولانا جعفر نے اپنے حلقۂ اثر میں تبلیغ و اصلاح کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس طرح بنگال کے صوبہ میں مرکزی جگہوں میں دارالاشاعت قائم تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن لکھنوی جو مولانا ولایت علی کے خلیفہ تھے۔ بعد تحصیل علم ضلع مالدہ جو جنوبی بنگال کا حصہ ہے اس طرف آکر قیام کیا۔ وہیں شادی کی۔ اور دیہات میں دورہ کر کے بدعات کے خلاف اصلاحی کام بڑے پیمانہ پر انجام دے رہے تھے۔ بیس پچیس برس کے بعد ان کے صاحبزادہ مولوی امیرالدین نے باپ کا کام سنبھالا۔ ڈاکٹر ہنٹر نے مولانا کے لئے لکھا ہے۔

"وہ سرحدی کیمپ کے لئے پٹنہ مرکزی دارالاشاعت کو

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان

Marfat.com

ہر سال روپیہ اور روئی بھیج دیتے تھے۔ مولانا بھی مقدمۂ سرکار کے پلیٹ میں آتے آتے رہ گئے"۔

۱۸۶۴ء میں جب گورنمنٹ ہند نے سرحد میں پیش قدمی شروع کی تب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان سے سرحد کے تعلقات بالکل قطع کر دئے جائیں۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۰ء تک سرحدی محاربات کے دوران میں باشندگانِ ہند پر یکے بعد دیگرے مقدمات بغاوت چلائے گئے۔ ان مقدمات میں سب سے بڑے ملزمان صادق پور پٹنہ کے خاندان کے لوگ اور ان کے مریدین اور معتقدین تھے۔

مولوی ولایت علی کے بڑے صاحبزادہ مولوی عبداللہ اپنے والد کے ساتھ ہجرت کرکے سرحد چلے گئے تھے ان کے حقیقی چچا زاد بھائی مولوی عبدالرحیم اور آخر الذکر کے حقیقی ماموں یحییٰ علی اور مولوی احمد اللہ اور مولانا محمد جعفر تھانیسری سب کے سب ۱۸۶۴ء میں اس جرم میں ماخوذ ہوئے کہ انھوں نے اپنے عزیزوں سے خط و کتابت رکھی۔ اور انھیں مالی امداد بھیجی۔ حالانکہ یہ سلسلہ ۱۸۲۴ء سے جاری تھا۔ جب کہ حکام گورنمنٹ خود مجاہدین کی ہنڈیوں کا روپیہ انھیں وصول کرا دیتے تھے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی یحییٰ علی پٹنہ کے بڑے رؤسا میں سے تھے۔ اور اول الذکر گورنمنٹ کے

Marfat.com

مسلّم خیر خواہ تھے۔ اور اس کی خدمت انجام دیتے تھے۔ بہر حال ان اصحاب پر، اور ان کے ساتھیوں پر، اور اسی قسم کے لوگوں پر جو سرحد سے تعلقات رکھتے تھے مقدمات چلا دیئے گئے۔[1]

مولانا جعفر تھانیسری نے اپنی تصنیف "کالا پانی" میں اپنی اس مقدمہ کی، جو کیفیت لکھی ہے اس جگہ اس کی نقل پیش ہے۔

تھانیسر آپ کے نام کا وارنٹ گیا۔ خبر ہونے پر دہلی آئے۔ وہاں سے علی گڑھ پہنچے۔ یہاں دو ساتھیوں کے ساتھ گرفتار ہو گئے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ:

پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی بسواری شکرم دہلی کو روانہ ہوا۔ شکرم میں سوال کرنے سے پہلے مجھ کو بیڑی ہتھکڑی طوق پہنا کر اور طوق میں بطور باگ ڈور اور زنجیر ڈال کر اور اس کا سرا ایک مسلح سپاہی پولیس کے ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور پارسن صاحب اور ایک دوسرا انسپکٹر پولیس میرے دائیں بائیں بھرے ہوئے طمنچوں کی جوڑیاں لے کر میرے بدن سے بدن ملا کر بیٹھ گئے۔ اس کے سوا پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا ہوا آتا تھا کہ اگر تم ذرا بھی حرکت کرو گے تو میں اس طمنچے سے

[1] مسلمانوں کا روشن مستقبل، از مولانا طفیل احمد صفحہ ۱۰۹

تم کو مار دوں گا۔ علی گڑھ سے چل کر دہلی تک کھانا پینا تو درکنار کسی سخت ضروری حاجت کے واسطے بھی ہم نہ اُتارے گئے جب نماز کا وقت آتا تھا تو میں بلا طلب و اجازت تیمم کر کے بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لیتا تھا۔ اور گاڑی بدستور چلتی جاتی تھی۔ اور وہ چپ چاپ میری نماز کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ آخر بصد مصیبت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہوئے ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ جہاں لے جا کر زیر بنگلہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس دہلی تے ہم کو ایک تہ خانہ میں زندہ در گور کر دیا۔ دوسرے دن دہلی سے کرنال پھر کرنال سے انبالہ ہم کو لے گئے۔ جب ہم انبالہ میں پہنچے بہت رات جا چکی تھی اسی طرح بے آب و دانہ ہم تینوں آدمیوں کو علحدہ علحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا۔ جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے۔ دوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر ونکفیل صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹالی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ مثل یاجوج ماجوج کے میری کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سب حال بتادو۔ تمہارے واسطے بہت بہتر ہوگا میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت پارسن صاحب نے مجھ کو پہلے بہت دھمکایا۔ اور پھر مارنا شروع کیا۔ جب میری مار حد کو

Marfat.com

پہنچی اور میں گر پڑا تو ٹالی صاحب اور ونکفیل صاحب کوٹھری سے باہر کھڑے ہو گئے اور جب اس قدر مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب کے سب اس دن مایوس ہو کر چلے گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے۔ میرے ذمہ کچھ رمضان کے روزے باقی تھے۔ دوسرے دن سے میں نے ان کی قضا رکھنی شروع کر دی۔

دوسرے دن جب میں روزے سے تھا علی الصباح پارسن صاحب پھر آیا۔ اور وہی کارروائی شروع کی۔ مگر تھوڑی زدوکوب کے بعد مجھ کو اپنی بگھی میں بٹھلا کر ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گیا۔ جہاں پر وہ دونوں صاحب یعنی ٹالی صاحب اور میجر ونکفیل صاحب بھی موجود تھے۔ اس دن انھوں نے میری بڑی چاپلوسی کی۔ اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں۔ کہ اگر تم دوسرے شرکاء اور معاونینِ جہاد کو بتلا دو تو تم کو سرکاری گواہ کر کے رہا کر دینے کے سوا بڑا عہدہ بھی دینگے۔ اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو پھانسی ہو گی۔ میں نے اِس چاپلوسی پر بھی انکار کیا۔ تو پھر پارسن صاحب ان دونوں سے انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ جہاں لے جا کر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک

Marfat.com

لکھوں۔ آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شاید کسی پر ہوئی ہو۔ لیکن بفضل الٰہی میں سب سہار گیا۔ مگر اپنے رب سے ہر دم یہ دعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے۔ تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھیو۔ جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار بعد آٹھ بجے رات کو مجھ کو جیل خانہ کو واپس بھیج دیا۔ میں تمام دن روزے سے تھا۔ بنگلہ سے باہر نکل کر درخت کے پتوں سے روزہ افطار کر لیا۔ اور جیل میں پہنچ کر جو میرے حصہ کا کھانا رکھا تھا اس کو کھا کر اور شکر الٰہی کر کے سو رہا۔

دسمبر سے اپریل تک یہ سب دار و گیر ہو کر بماہ اپریل مجسٹریٹی ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا۔ اور ہم سب لوگوں کو پھانسی گھروں سے نکال کر کچہری میں لے گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد سعید میرے اوپر اور محمد رفیع کا بھائی محمد شفیع (لاہوری)[1] کا اس کے اوپر پھانسی کی دھمکی سے

[1] محمد شفیع لاہوری شمالی ہندوستان کے ایک بہت بڑے تاجر خاندان کا چشم و چراغ تھا یہ کمسریٹ کے ٹھیکہ دار تھے۔ ان کے والد اور دادا وارن ہسٹنگز اور لارڈ کارنواس کے زمانہ سے کمسریٹ کے ٹھیکے لیا کرتے تھے۔ محمد شفیع صاحب خیر شخص تھے۔ خیرات و مبرات میں معاصرین میں سبقت لے گئے تھے۔ مبلغین کی مالی معاونت کرتے رہتے اسی بنا پر ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور انڈمان جانا پڑا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ صفحہ ۲۴۶)

Marfat.com

گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے پچاس ساٹھ آدمی جن میں اکثر مولوی ملا تھے۔ ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے۔ لیکن اکثر گواہ گواہی دیتے وقت بھی ہماری طرف دیکھ کر زار زار روتے جاتے تھے۔ مگر بے بس اگر گواہی نہ دیں تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا۔ اور یہ سب گواہ تا ادائی شہادت محکمہ سشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پولیس رکھے گئے تھے۔ اور پولیس ہی سے ان کو عمدہ خوراک اور لباس ملتا تھا۔ چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان بیجا کارروائیوں پر صرف ہو گیا۔ اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ عباس نام ایک لڑکا جو مدت تک میرے گھر میں رہ کر پرورش پایا تھا۔ جب مجسٹریٹ کے سامنے گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت کے جھوٹا اور آموختہ بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اسی روز رات کو اس کو ایسی سزا سخت دی گئی کہ وہ بچہ اسی صدمے سے قبل از پیشی مقدمہ سشن کے مر گیا۔ مگر رفع بدنامی کے واسطے پارسن صاحب نے اس کا مرنا کسی مرض سے مشہور کر دیا۔ جس دن ہم اول روز مجسٹریٹی میں حاضر کیے گئے تو میرا بھائی بھی بزمرہ گواہان زیر حراست پولیس تھا۔ اس نے مجھ کو بذریعہ ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیج دی کہ مجھ کو پولیس نے مار پیٹ کر تمہارے اوپر گواہ بنا لیا ہے۔ سوائے جس وقت پر میرا اجلاس میرے

Marfat.com

اظہار تحریر ہوں گے تو میں اپنے اس بیان سے جو ماریٹ کر لکھا یا ہے پھر جاؤں گا۔ اس کے جواب میں میں نے اس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمھارے بیان پر موقوف نہیں ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تمھارا اظہار بحلف تو اب اس سے پھر جانے پر بجرم دروغ حلفی تم کو سزا بہت سخت ہو جاوے گی۔ میں تو پہلے سے پھنسا ہوا ہوں تمھارے پھنس جانے سے والدہ ضعیفہ صدمہ کھا کر ہلاک ہو جاویں گی۔ اس واسطے بہتر ہے کہ جو تم نے پہلے لکھا یا ہے وہی اب بھی بیان کرو۔ لیکن با ایں ہمہ جب اس کا اظہار میرے سامنے ہونے لگا تو وہ پہلے اظہار سے منکر ہو گیا۔ صاحب لوگ بر سر اجلاس اس کا انکار سن کر اوّل تو بڑے غصے ہوئے۔ مگر بوجہ اس کی صغر سنی کے اس کو کچھ سزا نہ دے سکے۔ اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اس کو نکال دیا۔ کثرت گواہوں کے سبب سے ایک ہفتہ تک فقط یہی مقدمہ کچہری مجسٹریٹ میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا تعصب ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بروقت دربیشی مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست کی کہ ہماری نماز کا وقت آ گیا ہے ہم کو نماز کی اجازت بخشی جائے۔ تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی گئی۔ مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے۔ ہم نے عین دوران مقدمہ میں تیمم کر کے

Marfat.com

بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لی۔ ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد ہمارا مقدمہ سپرد سشن ہوا۔ اس وقت تک ہم پھانسی گھروں میں علٰحدہ علٰحدہ قید تھے۔ بعد سپردگی سشن کے ہم سب کو ایک جگہ حوالات میں بند کر دیا۔ اب بعد ایک مدّت کے تنہائی اور چلّہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو بڑی مسرت ہوئی۔ سعدی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتا ؎

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

مگر ایک مدّت دراز چار ماہ تک کے تخلیہ اور تنہائی سے بھی ہم لوگوں کو بہت روحانی فائدہ ہوا تھا انوار الٰہی آئینۂ صافیہ قلب میں خوب محسوس ہوتے تھے۔ نماز روزے میں کمال لذت حاصل ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسوں کی چلّہ کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی۔ اس وقت مولوی یحییٰ علی[۱] صاحب کی صحبت ایک مغتنمات سے تھی۔ اس کے ساتھ صبر و استقلال کے انعام کو خیال کر کے اوّل سے آخر تک میری زبان پر تو شکر ہی شکر جاری تھا۔

۲ مئی ۱۸۶۴ء کو پھر ایک آخری اجلاس سشن ہوا اور

---

[۱] مولوی یحییٰ علی الٰہی بخش عظیم آبادی سلف صالحین کا نمونہ تھے تبلیغ و اصلاح میں رئیس المجاہدین کہلاتے تھے۔ درمنشور میں آپ کے تفصیلی حالات ہیں۔

Marfat.com

جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتوے سزا اپنے گھر پر بیٹھکر حسب ایما گورنر صاحب کے لکھ لائے تھے۔ اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے چاروں اسیسروں سے سشن جج صاحب نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اوّل سے آخر تک سُنا۔ اب جو رائے ہو لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسیسر اس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بھر بھر لاتے تھے۔ اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے۔ مگر صاحب جج و کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر مائل پایا تو مارے ڈر کے انھوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک جرم مندرجہ فرد قرارداد ان پر ثابت ہے۔ پھر تو صاحب جج اور کمشنر نے بعد حصول اس حیلہ قانونی کے اپنی تجویز جو پہلے سے میز پر لکھی ہوئی رکھی تھی پڑھنی شروع کی جس میں آئیں بائیں شائیں کر کے پلوڈن صاحب کی عمدہ دلیل کا جواب تھا۔ اور سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہت عقلمند اور ذی علم اور قانون داں اور اپنے شہر کے نمبردار اور رئیس ہو۔ تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا۔ تمہارے ذریعے سے آدمی اور روپیہ سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا۔ تم نے سوائے انکار کے کچھ حیلتاً بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا۔ اور باوجود فہمائش

Marfat.com

کے اس کے ثابت کرنے میں کچھ کوشش نہ کی۔ اس واسطے تم کو پھانسی دی جاوے گی اور تمھاری کل جائداد ضبط سرکار ہوگی۔ اور تمھاری لاش بھی تمھارے وارثوں کو نہ دی جاوے گی۔ بلکہ نہایت ذلت کے ساتھ گورستان جیل میں گاڑ دی جاویگی اور آخر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔ یہ سارا بیان صاحبِ موصوف کا میں نے نہایت سکوت سے سُنا۔ مگر اس آخری فقرہ کے جواب میں میں نے کہا کہ جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے۔ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ وہ رب العزت قادر ہے۔ کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کردے۔ لیکن اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا۔ مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ اور میرا کیا کر سکتا تھا۔ جس قدر سزائیں اس کے اختیار میں تھیں سب دے چکا تھا۔ لیکن اس وقت میرے منہ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت زندہ موجود ہوں۔ مگر وہ یہ حکم دینے سے تھوڑے عرصہ کے بعد ناگہانی موت سے راہی ملکِ عدم ہوا۔

مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سن کر ایسا خوش ہوا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا۔ یہ حکم سنتے ہی میری وہ کیفیت ہوئی کہ گویا جنت فردوس اور حوریں آنکھوں کے

Marfat.com

سامنے پھرنے لگ گئیں تھیں۔

میرے بعد مولوی یحییٰ علی صاحب اور ان کے بعد محمد شفیع حسینی۔ منشی عبدالغفار۔ منشی عبدالکریم۔ شیخ رحیم بخش۔ مولوی الٰہی بخش۔ قاضی میاں جانؒ) نمبردار سب آدمیوں کو حکم سنا دیا گیا۔ جس میں (محمد جعفر) مولوی یحییٰ علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تین آدمیوں کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی آٹھ مجرموں کو دائم الحبس بعبور دریائے شور مع ضبطی کل جائداد کے سزا ہوئی۔ میں نے مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت بشاشں پایا۔ لیکن محمد شفیع کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ تاہم انھوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھاما۔ اس دن پولیس والے اور تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے۔ قریباً تمام کا تمام احاطہ کچہری ضلع انبالہ کا خلقت سے بھرا ہوا تھا۔ حکم سنا کر اس کا چپ ہونا تھا کہ صدہا مسلح اہل پولیس زیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آکر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہئے۔ تم کس واسطے اتنا بشاش ہے۔ میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو کیا جانو۔ اس مقام پر یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ پارسن صاحب بھی ایڈورڈس صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا۔ اور

سلہ ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۱۴۹ و ۵۰۔

Marfat.com

اس مقدمہ میں شروع سے اس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا
کہ جس کی تفصیل یہ قلم بھی نہیں کر سکتی۔ مگر خداوند تعالیٰ منتقم حقیقی تو
تو موجود تھا۔ گو اس کے کام دیر اور سہولیت سے ہوتے ہیں
ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن گزرے تھے کہ یہ بیخوف بھی دنیا میں
پاگل ہو کر راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ اس دن تماشہ میں لوگ ہماری
پھانسی کا حکم سن کر اکثر زار زار روتے تھے۔ کوئی خدا کی مرضی
بقضاء سے اپنے رنج کو روکتا تھا کوئی دم بخود ساکت ہو کر
ہم کو دیکھ رہا تھا۔ جیل خانہ تک بیسیوں مرد عورت اِرد گرد
سڑک کے ہمارا منہ دیکھتے چلے گئے۔ اسی حالت کے اندر
پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی۔ اور وہاں پہنچ کر ہمارے
کپڑے اور لباس معمولی اتار کر ضبط کر لئے گئے۔ اور ہم سب
کو گیروا لباس پہنا دیا۔ ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ تین
پھانسی گھروں میں بند کر دیا۔ باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں
دوسرے قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔ ۲ مئی کی رات کو جب ہم
ان تنگ تاریک کوٹھریوں میں جو نواب سراج الدولہ کے
بلیک ہول قلعہ کلکتہ سے بھی بڑھی ہوئی تھیں بند ہوئے تو پہلی ہی
رات کو ایک جہنم کا نمونہ ہو گیا۔ اس کی صبح کو ہم نے اہالیانِ
جیل خانہ سے اپنی تکلیف بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح ہم کو بوقت
شب ان کوٹھریوں سے باہر رکھا جاوے۔ مگر سب اہالی جیل خانہ

Marfat.com

مارے ڈر کے انکار کر کے باہر چلے گئے۔ لیکن ان کا انکار کر کے جیل خانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار تار گھر سے ایک ضروری لفافہ لے کر پہنچا۔ لفافہ کھول کر جو دیکھا تو اس میں یہی لکھا تھا کہ ان تین پھانسی والوں کو بوقت شب میدان میں باہر سلایا کرو۔ یہ مرافہ تماشا تائید الٰہی کا دیکھ کر اسی دم جیل خانہ والوں نے ہم کو یہ حکم سنا دیا۔ ہمارے واسطے بڑے اہتمام سے تین نئی پھانسیاں اور اس کے ریشمی رسے تیار ہوئے اور ادھر مثل مقدمہ کو واسطے منظوری پھانسی کے محکمہ چیف کورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔

۲ مئی ۱۸۶۴ء تاریخ سنانے حکم پھانسی سے ۱۶ ستمبر ۱۸۶۴ء تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے۔ اہالیان جیل ہمارے پھانسی دینے کا سامان تیار کر رہے تھے اور ادھر ہم انگریزوں کا تماشا بن رہے تھے۔ صدہا صاحب لوگ اور میم روزانہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے تھے مگر بخلاف دوسرے عام پھانسی پانے والوں کے ہم کو نہایت شاداں و فرحاں پاکر یہ یورپین زوارین میں بہت تعجب کرتے۔ اکثر ہمکو پوچھتے تھے کہ تم کو بہت جلد پھانسی ہوگی۔ تم خوشی کس واسطے کرتے ہو۔ ہم اس کے جواب میں صرف اس قدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ایسے ظلم سے مارے جانے پر

Marfat.com

درجہ شہادت کا ملتا ہے۔ اس واسطے ہم کو خوشی ہے۔

اب اس مقلب القلوب کی ظاہری کارروائی کو سُنئے جب بہت سے صاحب اور میم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاداں اور فرحاں دیکھ گئے تو یہ چرچا سب لوگوں میں پھیلا تب صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو منہ مانگی موت شہادت جس کے واسطے وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں دینی نہیں چاہیئے۔ بلکہ ان کو کالے پانی بھیج کر وہاں کے مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہیئے ہم نے دیکھا کہ مطابق اسی ہماری پیشین گوئی کے صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۶ ستمبر کو پھانسی گھروں میں تشریف لائے اور چیف کورٹ کا حکم ہم کو پڑھ کر سنا دیا کہ تم لوگ پھانسی پانے کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو۔ اس واسطے سرکار تمہاری دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمہاری پھانسی سزائے دائم الحبس بعبور دریائے شور سے بدل گئی۔ بمجرد سنانے اس حکم کے پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا اور جیل خانہ کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر منڈی بھیڑ بنا دیا۔[1]

---

[1] "کالا پانی" از مولانا محمد جعفر تھانیسری

مولانا کی روانگی انڈمان عمل میں نہیں آئی تھی کہ گورنمنٹ کو ان سے ایک کام لینے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ چنانچہ کمشنر نے مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوری اور مولانا سے کہا کہ مولوی عبداللہ جو مولانا عبدالرحیم موصوف کے چچا زاد بھائی ہیں۔ افغانستان میں وہ مقیم ہیں۔ ان سے ہی سرکار کی جنگ بمقام امبیلہ ہوئی تھی۔ پیغام مصالحت کیا دے۔ چنانچہ مولانا تھانیسری اور مولانا صادق پوری اور مولانا یحییٰ علی صاحب کو بصورت قیدی انبالہ سے لاہور جیل روانہ کیا گیا۔ ایک سال وہاں قیام رہا۔ اس کے بعد بسواری ریل روانہ ملتان ہوئے۔ ہفتہ عشرہ قیام کر کے روڑی بھکر سکھر جو سندھ میں واقع ہے جہاز پر سوار کئے گئے۔ کوٹلی پہنچے۔ وہاں سے بذریعہ ریل کراچی آئے۔ وہاں سے جہاز سے بمبئی پہنچے۔ پھر بذریعہ ریل بمقام تھانہ لائے گئے۔ یہاں بڑا قلعہ مرہٹوں نے تعمیر کیا ہوا تھا۔ جس کو جیل کے کام میں لایا جاتا تھا۔ یہاں چند ماہ ان اصحاب کو رکھا گیا۔ جیلر اور اہل کار شفیق و مشفق تھے۔ آٹھویں دسمبر ۱۸۶۵ء کو جہاز سے مع دیگر قیدیوں کے روانہ پورٹ بلیر انڈمان مولانا ہوئے۔ صعوبات و تکالیف جہاز طے کر کے گیارھویں جنوری ۱۸۶۶ء یہ قافلہ جزیرہ انڈمان روانہ ہوا۔ یہاں منشی سید البر زمان اکبر آبادی

جنگ ۱۸۵۷ء کے مجاہد علما سے تھے۔ انھوں نے اپنے مکان میں لے جا کر رکھا۔ مولانا احمد اللہ و مولانا یحییٰ علی ایک جگہ رہے۔ میاں عبدالغفار بھی ان کے پاس رہے۔ منشی صاحب موصوف نے ہر قسم کی معاونت ان صاحبوں کی کی۔ مولانا یحییٰ علی صاحب نے ۲۰؍ فروری ۱۸۶۸ء کو انتقال فرمایا[1]

صادق پور پٹنہ کے مکانات جن میں اس جماعت کے لوگ ٹھہرتے تھے مع مکانات مسکونہ کھدوا کر پھنکوا دیے گئے ۱۸۷۲ء کے آخر تک بہار اور بنگال میں گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رہا۔ پٹنہ میں امیر خاں سوداگر چرم اور مولوی تبارک علی وغیرہ پٹنہ میں مولوی نصیر الدین صاحب اور اسلام پور میں ایک معمّر ضعیف شخص ابراہیم منڈل گرفتار کر لئے گئے۔ اور پرانے گواہوں سے ...... گواہی دلوا کر کالے پانی روانہ کر دیا گیا۔ امیر خاں کی جائداد سے حکومت نے مقدمہ کا کل خرچ پورا کیا[2]

°

مولانا جعفر نے ایک نومسلمہ سے شادی کر لی۔ وہاں ان کے اولاد ہوئی۔ تفصیل کے لئے کالا پانی (تاریخ عجیب) دیکھئے۔

مولانا جعفر اور مولوی یحییٰ علی نے وہاں بھی درس قرآن و حدیث جاری رکھا گھر گھر جا کر یہ لوگ نماز روزہ کی تلقین کرتے۔

---

[1] در منثور از مولانا عبدالرحیم صادق پوری [2] سیرت سید احمد شہید صفحہ ۳۰۶

مولانا احمد اللہ عظیم آبادی ابن مولوی الٰہی بخش رؤساء عظیم آباد سے تھے۔ مولانا یحییٰ علی کے بڑے بھائی۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادی و دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ شغل درس و تدریس تھا۔ حکام سے بھی تعلقات تھے۔ ۱۸۵۷ء کی لپیٹ میں آتے آتے رہ گئے۔ پورٹ بلیئر انڈمان میں اٹھارہ سال تکالیف و مصائب جھیل کر راہی ملک بقا ہوئے[۱]

جعفر اٹھارہ سال انڈمان رہے۔ ۱۸۸۳ء میں مع رفقاء کے رہا ہو کر ہندوستان واپس آئے۔

تصانیف مولانا نے "سوانح احمدی" اور "تاریخ عجیب" لکھی اس کے علاوہ چند اور مذہبی رسائل مرتب کئے۔

مولانا نے طبعی عمر پا کر انتقال فرمایا۔ افسوس ہے اس مجاہد کی تاریخ وفات بھی تذکرہ نویسوں نے نہ لکھی۔

---

[۱] سیرۃ سید احمد بریلوی صفحہ ۷۲۸

Marfat.com

مولانا لیاقت علی الہ آبادی

مولانا چائل الہ آباد کے علمی گھرانہ کے ایک فرد محترم تھے علمائے عصر سے اکتساب علم کیا شغل درس و تدریس تھا علم طریقت سے بھی لگاؤ رکھتے تھے قادریہ سلسلہ کے شیوخ سے تھے چائل اور الہ آباد کے کثیر التعداد نفوس آپ سے بیعت تھے۔ آپ نے الہ آباد آکر قیام کیا۔ تقدس مآبی کی شہرت تھی ہر شخص آپ کی عزت و توقیر کرتا اور سلسلہ بیعت میں داخل ہوتا۔ مولانا اپنے وعظ و تذکیر میں اقتدار نصاریٰ پر تلمیحاً اشارہ کر جاتے اور اپنے مریدین کو جہاد کی ترغیب و تشویق کی تلقین کرتے۔ سرکاری فوج میں بھی آپ کے اثرات تھے۔ عرصہ سے انگریزوں کے خلاف ملک بھر میں تحریک شروع ہو چکی تھی۔ عوام و خواص کے سوا فوج میں بد دلی کے آثار تھے۔ میرٹھ میں انگریزوں نے جو سلوک فوجیوں کے ساتھ کیا تھا جس کا نتیجہ انقلاب ۵۷ء کا نمایاں ہو جانا تھا اس کا اثر بھی الہ آباد کی فوج ۶ رجمنٹ پر پڑا گو وہ خفیہ طور سے اپنا انتظام کر رہے تھے۔ ایک دستہ سپاہ پیدل

Marfat.com

جس کا افسر رام چند تھا۔ اس نے اپنے افسر سے توپ خانہ ہمراہ لیکر راج گھاٹ پر متعین ہوا۔ کپتان الگزینڈر نے پریٹ جاکر فوج سرکاری سے کہا جنگی سامان قلعہ میں بھیجدو یہاں پہلے سے انگریز مع اہل وعیال کے پہنچ گئے تھے فوج نے جنگی سامان بھیجنے سے انکار کیا ادھر راج گھاٹ کی فوج نے مار دھاڑ بھی شروع کردی۔ کپتان الگزنڈر قتل کیا گیا۔ کپتان پرچ اجتین قلعہ اور کپتان رتھس بھی تلوار کے گھاٹ اُتار دئے گئے پریٹ سے بگل جو بجا عام فوج برسرپیکار ہوگئی۔ برل کی کوٹھی ڈاکخانہ اسمبلی۔ بیل صاحب کا بنگلہ میجر مور ہواس اور مسز ہملٹن اور مسٹر پامر کے بنگلوں میں آگ لگادی جس میں یہ لوگ جل کر خاک سیاہ ہوگئے تمام بنگلوں کو لوٹا گیا۔

مولانا لیاقت علی صاحب نے سلطان خسرو باغ میں اپنے مریدین کو جمع کیا وہاں وطن پرست فوجی بھی جمع ہوگئے افسر رام چند بھی موجود تھے۔ سبز جھنڈا بہادر شاہ کا لہرایا گیا۔ رام چند کے کہنے سے مولوی لیاقت علی صاحب کو الہ آباد کا نواب مقرر کیا گیا۔ مولانا نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ شہر کا انتظام کیا لوٹ کھسوٹ بند کی گئی اور مولانا نے عوام

[1] محاربہ عظیم صفحہ ۱۹۶

Marfat.com

کی آگاہی کے لئے اشتہار جاری کیا جس کا خلاصہ محاربہ عظیم صفحہ ۱۰۰ سے نقل ہے۔ بعد حمد و نعت کے خادم الطلبہ و احقر الفقرا امیدوار رحمت رب غنی محمد لیاقت علی الہ آبادی چند باتیں ضروری فرمان واجب الاتقان ہندو مسلمانوں کو سناتا ہے کہ جو بد عات ظلم و فساد ساری سلطنت ہندوستان میں کفرہ فجرہ نصاریٰ کا قتل و غارتگری آتش زدگی و پھانسی و خونریزی اظہر من الشمس ہے ...... صریح و ظاہر و باہر کہ ہندو مسلمان ہندوستان کے بسبب بے استطاعی زر و عدم موجودگی گولہ بارود و توپ و لشکر مجبور و ناتواں ہو رہے تھے سوا اس خالق احد اللہ الصمد نے سب سامان واسطے تسکین خاطر فاترتم ضعفا و مسکینان کے نصاریٰ بد اطوار سے بلا سبب و گولہ بارود و زر کثیر خصوصاً شفقہ عطیہ حضرت فرمانروائے کشور ہند ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دہلی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و عموماً امداد چند توپ و میگزین من جناب نواب برجیس قدر دام اللہ حشمتہم والی لکھنؤ۔ اور ہمراہی تمام راجگان قلمرو لکھنؤ و راجگان قرب و جوار الہ آباد وغیرہ اخلاق و اتفاق سارے ہندوستان میں باوصف ہونے اختلاف اقوام و مذاہب کے سو یہ دلائل کامل و براہین مدلل کمربند اوپر اندفاع اس قوم نصاریٰ طاغی باغی کے ہے مناسب ہے

کہ جو بھائی ہندو مسلمان اس خبر فرحت اثر کو سنے وہ فوراً مستعد ہو کر کمر ہمت باندھے اور قلعہ بند کفار نابکار کو قلع قمع کر کے بزور تیغ بیدریغ اپنے کے خاک میں ملا دیں۔ اور باقیماندوں کو اس ملک سے بھگا دیں پھر باطمینان حکومت عدالت فرما دیں۔ بسبب خوف طوالت یہ اعلان عام تمام کیا فقط۔

اس اشتہار نے صدہا ہندو مسلمان جھنڈے کے نیچے جمع کر دیئے۔ جنرل نیل نے مولانا کی وطن پرست فوج سے آکر مقابلہ کیا اس کو شکست اٹھانا پڑی ۱۲ جون کو پنجابیوں کی فوج اور گورا فوج آگئی۔ مسٹر نیل اور ویلاک جائنٹ مجسٹریٹ نے مولانا کے ساتھیوں کو انعام و اکرام کے لالچ دلا کر توڑ لیا۔ پھر جو حملہ ہوا مولانا تاب مقابلہ نہ لا سکے آخرش الہ آباد سے رخصت ہو کر لکھنؤ گئے[1] اور مولوی احمد اللہ شاہ کے جھنڈے تلے آ جمے۔ ۱۶ جون ۵۸ء کو انگریزی فوج اور سواری جہاز دخانی گنگا سے آگئی۔

اور الہ آباد پر گولہ باری کی شہر میں داخل ہو کر ممکن سے ممکن ظلم توڑے گئے اور قبضہ کر لیا۔ صدہا کو پھانسی لگی۔ اور بہت سے انڈمان بھیجدیئے گئے۔ مولوی احمد اللہ کی شہادت کے بعد مولانا بھی نیپال کی طرف تشریف لے گئے۔

---

[1] الہ آباد گزیٹیر صفحہ ۱۸۲

Marfat.com

وہیں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا انڈمان بھیج دیئے گئے۔ کچھ دن بعد وصال ہوا۔[1]

شہزادہ فیروز شاہ

فیروز شاہ صاحب عالم مرزا ناظم بخت کے خلف اور شاہ ہند شاہ عالم ثانیؒ کے پوتے۔ شہنشاہ فرخ سیر کے نواسہ تھے۔

صاحب عالم کی ماں راجہ جسونت سنگھ راٹھور کی صاحبزادی اندر کنور تھیں۔ بیگمات شاہان مغلیہ۔ شجاعت اور تہور میں بے مثل تھیں اس راج کماری کی شادی جس اہتمام اور انتظام سے زیر نگرانی امیر الامراء احسن علی خاں ہوئی۔ شان مغلیہ کے یہاں نظیر نہیں ملتی۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی نے اس کے حالات مثنوی کی صورت میں لکھے ہیں۔

نوید طوطی شاہ ہفت کشور جہاں را نو بہار رحمت در بر
شہنشاہِ سریر سرفرازی خدیو عصر فرخ شاہ غازی

---

[1] تاریخ بغاوت ہند قیصر التواریخ حصہ دوم۔ غدر کی صبح وشام ذالیسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما از انتظام اللہ شہابی۔

اندر کنور نے فرخ سیر کو قطب الملک کے ظالمانہ ہاتھوں سے بچانے میں جان کی بازی لگادی شمشیر زنی کرتے ہوئے شوہر پر نثار ہوگئی۔

مرزا ناظم بخت نے اپنے لخت جگر فیروز شاہ کو علوم مروجہ سے آراستہ کیا اور فنون حرب میں صاحبان فن سے طاق کرایا۔ مگر شاہزادہ کی طبیعت کا رجحان مذہب کی طرف بہت زیادہ تھا۔ اوراد و وظائف شب و روز کا مشغلہ تھا۔ ۱۸۵۶ء میں حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ ۵۷ء میں بعد ادائے فریضہ حج وطن مراجعت کی۔ ہندوستان آکر اندور آئے۔ یہاں ہنگامہ بپا ہوگیا۔ حریت نوازوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف جنگ آزادی شروع کر رکھی تھی۔ حکومت کو ان کی آمد کا پتہ لگا۔ ان کی گرفتاری کا حکم جاری کردیا۔ مگر یہ گوالیار نکل آگئے یہاں کچھ عرصہ قیام کرکے دھول پور آئے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر تحصیل پر دھاوا بول دیا اور تحصیلدار سے ایک لاکھ روپیہ وصول کیا۔ افغانی ملازم رکھے۔ باضابطہ فوج کی تشکیل کی۔ بہ نیت جہاد بہت سے لوگ ان کے جھنڈے تلے خوشی سے آگئے۔ دھول پور سے آگرہ کی طرف آئے انگریزی فوج نے کالی ندی پر آکر مقابلہ کیا۔ اس کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ تمام انگریز مع فوج کے قلعہ بند ہو گئے یہاں سے کسی مصلحت

Marfat.com

سے شہزادہ میوات کی طرف چلا گیا میوانی ہمنوا ہو گئے شیخ فضل علی رسالدار اور جنرل عبدالصمد خاں نے ہمنوائی کی فرخ آباد کا رخ کیا۔ نواب تفضل حسین خاں سے ملتے ہوئے شاہجہاں پور پہنچے اور ساتھیوں کو ٹھہرا کر لکھنؤ آئے۔ اپنی عزیزہ سلطان بہو کے یہاں قیام کیا۔ حضرت محل نے تواضع و مدارت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا کچھ دن قیام کر کے ہمراہیوں سے آملے اور بریلی گئے۔ نواب خان بہادر خاں نے بے رخی برتی تو سیدھے مراد آباد پہنچے۔ وہاں کا ناظم خان مذکور کا چچا تھا۔ وہ فوج لیکر مقابلہ پر آگیا۔ اس سے جھڑپ ہوئی اور اسکی توپیں چھین لیں۔ اور مراد آباد پر قبضہ کیا۔ نواب رام پور یوسف علی خاں کے بھائی کاظم علی خاں رام پور سے فوج گراں لیکر آگئے ہردو میں مقابلہ ہوا۔ شہزادے نے یہ مناسب خیال کیا مفت میں مسلمانوں کا طرفین سے خون بہے گا۔ بریلی لوٹ آئے پھر تو نواب خان بہادر خاں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور خود استقبال کے لئے نکلے اور شہزادہ کو ہاتھی پر سوار کرا کر جلوس نکالا۔ انگریزی فوج۔ بریلی پر حملہ آور ہوئی۔ نواب تفضل حسین خاں نانا راؤ پیشوا بھی شریک ہو گئے رنگ بدل گیا۔ نواب خان بہادر خاں معہ اہل و عیال کے پیلی بھیت چلے گئے۔ شاہزادہ تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ شاہجہانپور

Marfat.com

لوٹا یہاں مولوی احمد اللہ شاہ لکھنؤ سے ناکامیاب ہوکر آ گئے تھے۔ یہاں بھی معرکہ آرائی رہی ہم محمد حسن خاں نبیرۂ نواب محبت خاں شہید ہوئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ شاہجہاں پور سے ہٹ کر محمدی پور پہنچے اور اس پر قبضہ کیا اور گڑھی کو توپوں سے آراستہ کیا۔ یہیں جنرل بخت خاں ڈاکٹر وزیر خاں نانا راؤ پیشوا۔ عظیم اللہ خاں مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین نواب تفضل حسین خاں آجمع ہوئے مولوی احمد اللہ شاہ نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اور سکہ جاری کیا۔

شہزادہ خود بادشاہت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ کبیدہ خاطر ہوکر سندیلہ روانہ ہوگیا۔ سندیلہ پر قبضہ کرنا چاہا کامیابی نہ ہوئی۔ خیر آباد آئے۔ ناظم ہرپرشاد مولوی محمد ناظم بسوا باڑی پور راجہ گلاب سنگھ رئیس بروا سے جھڑپ رہی تو محمد آباد آئے ظریف خاں رسالدار اور ڈاکٹر وزیر خاں رفیق کار رہے جنرل اسمٰعیل خاں قاضی عنایت علی خاں بریگیڈیر رفاقت ترک کر کے انگریز کے ساتھ ہو گئے۔ شہزادہ باڑی گیا اور گنگا پر پہنچکر کشتی سے پار اتر کے فرخ آباد آیا۔ اور کمن پور ہوکر اٹاوہ اور وہاں سے شیر پور کے گھاٹ سے اتر کر جے پور کی راہ لی اور بیکانیر کا رخ کیا۔ پھر حیدر آباد

Marfat.com

پہنچے اور کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ ایران روس ہوکر حجاز چلے گئے[1]

مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی[2] یہاں مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ حاجی امداد اللہ تھانوی شاہ عبد الغنی دہلوی۔ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی مولانا محمد مظہر مجددی سے حضرات ہدایت و اصلاح کی ایک جماعت بنائے بیٹھے تھے۔ نواب فیض احمد خاں رئیس وناولی۔ مولوی واعظ الحق بہاری حکیم نوازش حسین بہاری اور شہزادہ فیروزشاہ بھی اس جماعت کے رکن ہو گئے[3]

شاہزادہ مرزا سلیمان۔ شاہ صوفی محمد ادریس صاحب میرٹھی کے معتقد تھے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ شاہزادہ مرزا فیروز شاہ نے ایک ترکی خاندان میں عقد کر لیا تھا۔ آپ سے دو لڑکیاں تھیں ہر دو فوجی افسران کو بیاہی گئیں۔ ان سے ہی انور پاشا اور رفعت پاشا تھے۔ فیروز شاہ کی ایک بہن کلثوم زمانی بیگم تھیں جو ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں قلعہ سے نکل کر فقیرانہ لباس اختیار کر کے میرٹھ چلی آئیں۔ نواب ممتاز علی خاں نبیرۂ نواب صواب اندیش خاں

---

[1] قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۴۶۸ [2] قیصر التواریخ حصہ دوم۔
[3] ندائے حرم ۱۳۵۴ھ صفحہ ۹

کے یہاں مقیم ہوئیں۔ تمام عمر وہیں بتا دی اور بھائی کیلئے دعائیں کرتی رہیں۔

شاہزادہ فیروز شاہ کا انتقال ۱۸۹۵ء کے بعد ہوا۔

نواب خان بہادر خاں

نواب خان بہادر خاں ابن نواب ذوالفقار خاں خلف حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلہ نواب بریلی بہادر خاں ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے امارت میں پرورش پائی۔ مروجہ تعلیم سے واقف تھے۔ حکومت انگریزی میں صدالصدور بریلی کے ہوگئے اس عہدہ ہی سے پنشن لی حکام انگریز قدر و منزلت کرتے۔ عوام میں بھی قبولیت تھی۔ انقلاب ۵۷ء میں جہاں دہلی لکھنؤ کانپور اور دوسرے مشہور شہروں میں حکومت کے خلاف انقلابی تحریک رونما ہوئی اس کا اثر بریلی پر بھی پڑا میرٹھ کے واقعہ سے یہاں کی فوجیں بھی منحرف ہوگئیں ۸-۱۸-۶۴ رجمنٹ میں حکومت سے بیزاری کے آثار پیدا ہونے لگے۔ انگریزی حکام جو اپنے ظلم و جبر کی وجہ سے عوام میں

Marfat.com

مقبول نہ رہے تھے۔ انھوں نے رنگ بگڑتا دیکھ کر نینی تال کی سدھ باندھی ۴۵ رجمنٹ فیروز پوری کے فوجی تمام وطن پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انھوں نے متذکرہ بالا رجمنٹوں کے فوجیوں کو تذبذب کی حالت سے نکالا اور ان کو ہموار کر لیا۔

مسٹر الگزنڈر کمشنر بریلی نے نواب بہادر خاں کو بلا کر کہا آپ کو چاہیئے بریلی کی حالت کو سنبھالیں اور ہم آپ کو مسند نشین کئے دیتے ہیں۔ نواب صاحب نے کہا میں ضعیف العمر ہوں اِس بار کو نہیں سنبھال سکتا۔ کمشنر نے نینی تال کا رخ کیا۔ یہاں کے حکام بے سردار ہو گئے اِدھر فوج میں حکومت کے خلاف تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی ۲۹ مئی کو ایک توپ کا سر ہونا تھا کہ تمام فوج لیس ہو کے اپنے افسروں کی خبر لینے پر پل پڑی گولیاں چلنے لگیں لفٹنٹ ماروبل جان بچا کے بھاگا لفٹنٹ روجز متعلقہ ۴۵ رجمنٹ کرنیل کو نی شرپ کپتان پڑسن کپتان چپ گھوڑوں پر سوار ہو نینی تال چلتے ہوئے ان پر گولیاں چلیں مگر بچ گئے۔ ائساٹن ٹکراور بریگیڈیر سست بولا گولی کا نشانہ بنے۔

صوبہ دار توپ خانہ جنرل بخت خاں نے تمام فوجیوں کی کمان ہاتھ میں لی اُن سب نے جھنڈا سبز اپنا قرار دیا اور

Marfat.com

تمام عمائد شہر اور فوجی افسران کو جمع کر کے نواب بہادر خاں کو بریلی بلکہ کل روہیلکھنڈ کا نواب منتخب کیا۔

سوبھا رام دیوان ریاست مقرر ہوئے ۶ ہزار فوج اور ۱۰ توپیں جمع ہو گئی تھیں نیاز محمد خاں جنرل بنائے گئے۔ مدار علی خاں سپہ سالار کئے گئے مولوی خاں اور عبدالرحمٰن خاں رام پوری افسر سفر مینا بنائے گئے۔ منشی فرحت اللہ بخشی فوج اور شہر کوتوال اکبر علی خاں تھے۔

شاہجہاں پور کی نظامت پر نظام علی خاں کو اور بدایوں کی نظامت فتح علی شاہ کو تفویض ہوئی۔ نانا راؤ پیشوا نے بٹھور سے اپنے بھائی ملہار راؤ کو نواب سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے بھیجا۔ جنرل بخت خاں ملہار راؤ کو لے کر دہلی روانہ ہو گئے۔

شاہنشاہ ہند ابوظفر بہادر شاہ نے نواب بہادر خاں کو انتظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر ہزبر جنگ رئیس اعظم ملک روہیلکھنڈ خطاب عطا فرمایا۔ مہر پر "الحکم اللہ والملک اللہ" کندہ ہوا۔

نواب صاحب نے شہر کا معقول انتظام کیا اور مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی دلاور جنگ کو لکھنؤ خط لکھا کہ بریلی آجائے اور ۵۰ ہزار روہیلہ آپ کے جھنڈے کے نیچے رہیں گے۔

Marfat.com

یہاں انگریزی فوج سے مقابلہ کر لیا جائے گا۔ شہزادہ فیروز شاہ نانا راؤ پیشوا۔ نواب تفضل حسین خاں فرخ آبادی وغیرہ بریلی آ گئے۔

رابرٹ سن جج سشن جج ایر صاحب ڈپٹی کلکٹر پرنسپل مدرسہ مسٹر بچ ڈاکٹر ہنس پرو مہتمم جیل خانہ کوارٹر ماسٹر سرجنٹ سنہری اسٹیل۔ لارنس صاحب مسٹر ڈیوس مسٹر فلبن مسٹر بیل مسٹر ایلون اس جنگ میں کام آئے۔ ۵ مئی ۱۸۵۸ء کو انگریزی فوج نے دھاوا شہر پر بول دیا مانڈے خاں۔ جنرل اسمٰعیل خاں نواب ولی داد خاں شہزادے فیروز شاہ نے سخت مقابلہ کیا۔ پیشوا نانا راؤ اور نواب تفضل حسین خاں محمدی پور چلے گئے۔ غداران ملک نے ایسی غلط افواہیں اڑائیں نواب کے پیر اکھڑ گئے اہل و عیال کو پیلی بھیت روانہ کیا اور خود مع فوج کے مولوی احمد اللہ شاہ کے پاس محمدی چلے گئے شہزادہ مقابلہ پر ڈٹے رہے آخرش ان کو بھی محمدی کی راہ اختیار کرنا پڑی۔

قصبہ محمدی میں مولوی احمد اللہ شاہ نے حکومت قائم کر لی تھی۔ گڑھی کو توپوں سے آراستہ کر لیا تھا جنرل بخت خاں بھی آ گئے تھے (اپنے سردار فوج احرار کے تھے سب

Marfat.com

یہاں جمع ہو گئے تھے۔ خان بہادر خاں پہنچ گئے تھے۔ شاہ صاحب کو راجہ پوائین دعوت کے بہانہ سے لے گیا اور دھوکہ سے شہید کردیا لاش جلادی گئی سر کوتوالی شاہجہاں پور میں لٹکایا گیا۔ تمام ساتھی نیپال چلے گئے۔ پھر تو اہل بریلی پر بڑی آفت آئی۔ ہزارہا باشندے قتل کئے گئے۔ نو محلہ کے سادات کی حویلیاں کھدوا دی گئیں ۱۸۵۹ء میں دھوکہ سے خان بہادر خاں گرفتار کر کے لکھنؤ لائے گئے۔ حاکم کے سامنے پیش ہوتے آپ زمین پر بیٹھ گئے حاکم نے زبردستی سے کرسی پر بٹھایا اور ان کو شاہجہاں پور بھیجدیا۔

جیل خانہ میں مقدمہ کیا گیا جج نے پھانسی کا حکم دیا جس دن پھانسی لگی فوج نے جیل خانہ گھیر رکھا تھا۔ نواب صاحب سے پوچھا کسی بات کی تمنا ہو تو فرمایئے آپ نے مسکرا کر کہا مجھکو کوئی تمنا نہیں اور یہ شعر پڑھا۔

بجرم کلمۂ حق میکشند غوغا ئیست ۔ زمرگ زندگیم می شود تماشا ئیست

کلمہ پڑھا اور دار پر چڑھ گئے۔ لاش کو اتار کر جیلخانہ کے احاطہ میں دفن کی۔ چہرہ کھلا ہوا تھا مولوی سید الطاف علی صاحب بی۔ اے۔ بریلوی ایڈیٹر معنف کے ایک بزرگ وہاں موجود تھے انھوں نے اپنا رومال چہرہ پر ڈال دیا۔[1]

---

[1] قیصر التواریخ حصہ دوم۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما از انتظام اللہ شہابی تاریخ سلیمانی از نواب سلیمان خاں بہادر متخلص اشہر حیات حافظ رحمت خاں از مولوی سید الطاف علی بریلوی تاریخ بغاوت ہند از پنڈت کنہیا لال

Marfat.com

مولانا پیر علی

یہ بزرگ پٹنہ کے مشاہیر علماء سے تھے۔ ان کا کاروبار کتاب فروشی تھا۔ مگر دل میں انگریز سے دشمنی رکھتے تھے۔ جنگ آزادی کی خبر نے ان میں بھی حرکت پیدا کر دی کاروبار چھوڑ میدان سیاست میں نکل آئے عوام کو ساتھ لیا اور مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے لگے علم سبز لہرایا گیا اور نقارہ جہاد بجا دیا گیا جوق جوق بلا امتیاز مذہب انکے جھنڈے تلے آ جمع ہوئے۔ پہلا دھاوا رومن کیتھولک چرچ پر کیا۔ ڈاکٹر لائل جو اسلام اور ہندو مذہب پر طعن زنی کیا کرتا تھا اُسے آلیا وہ جان سے مارا گیا کچھ دن شہر پر غلبہ رہا مگر سکھوں کی رجمنٹ مسلح آگئی ان سے نہتے کیا لڑ سکتے۔ بہت سے وطن پر نثار ہوئے ۳۱ مجاہد گرفتار ہوئے۔ پیر علی بھی پکڑے گئے۔ لطف علی رئیس پٹنہ بھی مولانا کے ساتھ تھا اور مالی معاونت کر رہا تھا وہ بھی دھر لیا گیا۔

مگر اس کے روپیہ پیسہ نے اس کو بچا لیا۔ مولانا اور ۳۱ مجاہدین کو مسٹر ٹیلر نے دار پر لٹکوا دیا۔[1]

---

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۰۷

Marfat.com

سردار احمد خاں ملتانی

سردار احمد خاں قوم کھرل کے سردار تھے۔ یہ قوم مقام جھابرا میں آباد تھی سردار صاحب خاندانی افغان تھے۔ ان کو انگریزوں سے دلی عناد تھا ملتان کے علاقہ پر اکثر ان کے لوگ حملہ کیا کرتے۔ ان کے دوست صوبہ دار میجر ناہر خاں تھے ان کو سردار صاحب نے اپنا ہمنوا بنایا ۶۴-۶۹ رجمنٹ میں میجر صاحب نے آتش مخالفت بھڑکا دی۔ انکے ہتھیار لے لئے گئے اور ایک صوبہ دار اور حوالدار میجر اور نو سپاہی ۶۰ رجمنٹ کے توپ سے اڑا بھی دئے گئے میر برکت علی وردی میجر نے صوبہ دار میجر ناہر خاں کو گرفتار کرا دیا اور جنرل کورٹ مارشل میں تحقیقات ہوئی جرم بغاوت ثابت ہوا۔ فوجیوں کے سامنے ناہر خاں توپ سے اڑا دئے گئے؎۱ اس واقعہ نے ملتان میں بغاوت کی لہر پیدا کر دی اقوام خانہ بدوش سے لئے جو قریب گوگرہ رہتے تھے وطن پرستی کی خاطر انگریزی فوج کے مقابلہ پر آگئے۔ تحصیل ڑیا اور تھانہ کا نولیا پر حملہ بول دیا۔ تین دستہ فوج بسرکردگی میجر چیمبرلین اور کپتان ملس اور کپتان ہوسکن سے

؎۱ تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۱۷ - ۱۱۸

Marfat.com

خوب خوب مقابلہ رہا اُدھر سردار احمد خاں مقام جملیرا سے فوج لے کر آ گئے مقابلے خوب رہے برکلی صاحب اسسٹنٹ کمشنر گوگرہ قتل ہوئے کپتا لمسن نے احمد خاں کے ساتھی کو توڑ لیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کپتا لمسن جملیرا پر حملہ آور ہو کر کامیاب ہوا احمد خاں دھوکہ سے گرفتار ہو گئے ان کے بعد تمام وطن پرست منتشر ہو گئے سردار صاحب کو قتل کر دیا گیا اس کے بعد انگریزوں نے خوب ہی اہل ملتان کو لوٹا اور ان کو سزا دی گئی۔[۱]

پیشوا دھونڈو پنت نانا راؤ

دھونڈو پنت نانا راؤ کے والد کا نام مادھو زائن راؤ بھٹ تھا برہم ورنا میں مقیم تھے زمینداری مشغلہ تھا ان کا قریبی عزیز آخری پیشوا باجی راؤ ثانی تھا اس کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے نانا راؤ کو ۷ جون ۱۸۲۷ء میں گود لے لیا اس وقت عمر نانا کی ڈھائی سال کی تھی۔ تعلیم و تربیت اعلیٰ درجہ کی دلائی گئی۔ تاریخ سے نانا صاحب کو بڑی دلچسپی تھی انگریزی کی بھی استعداد معقول تھی انگریز حکام سے مراسم تھے۔ باجی راؤ نے ۵۰ لاکھ روپیہ کمپنی کو نذرانہ دیا۔ کمپنی

[۱] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۱۷-۱۱۸

Marfat.com

Marfat.com

جھانسی - نانا راؤ پیشوا کے جزل سردار تاتیا ٹوپے کی پسپائی
جزل روز کے ہاتھوں ۱ اپریل ۱۸۵۶ ء

Marfat.com

آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ ان کو پنشن دیتی تھی۔ باجی راؤ بٹھور میں مقیم تھے ۱۸۵۱ء میں باجی راؤ نے نانا صاحب کو گدی نشین کیا اور حکومت کو اطلاع دیدی[۱]

۱۸۵۳ء میں باجی راؤ پیشوا فوت ہوا لارڈ ڈلہوزی کا زمانہ تھا باجی راؤ کی خدمات کو نظر انداز کرتے ہوئے آٹھ لاکھ کی پنشن ضبط کر لی اور نانا صاحب کو وارث نہیں گردانا۔ عظیم اللہ خاں نانا کے کامدار تھے ان کو مع اپنے بھائی للہا راؤ ڈائریکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس انگلستان بھیجا کوئی نتیجہ نہ نکلا پانچ لاکھ روپیہ صرف ہوا واپس آکر بٹھور میں انقلاب ۱۸۵۷ء کی اسکیم مرتب کی ملک کا دورہ کیا کچھ عرصہ تحریک کے آغاز کا باقی تھا کہ میرٹھ سے جنگ آزادی کا سلسلہ شروع ہو گیا منشی رسول بخش کاکوروی جو اس تحریک کے رکن تھے وہ مسٹر کارنگی کے ساتھ لگ گئے اس نے مع ۲۲ پیادہ پلٹن کے سپاہیوں کو دار پر چڑھوا دیا۔ نانا کے ساتھ ابرٹ میکسر باشندہ فرانس اور مسٹر گارڈن جو انگریزی فوج میں افسر تھے ہمنوا ہو گئے کانپور کی فوج بٹھور آگئی اور نانا کے ساتھ ہو گئی۔ کانپور میں نانا تخت نشین کئے گئے۔ بہادر شاہ کے نام جھنڈا لہرایا گیا توپوں کی سلامی سر کی گئی نائب بادشاہ دہلی قرار دئے گئے۔ دس ہزار فوج جمع ہو گئی تھی ۲۸ دن انگریزی فوج سے مقابلہ رہا جنرل ویلر نے

[۱] مسلمانوں کا روشن مستقبل

ہتھیار ڈال دئے۔ اس کے ساتھ کشتیوں میں روانہ ہونے کو تھے کہ گولیوں کی بوچھار پڑی ویلر بچ گیا اور بہت سے انگریز کام آئے عظیم اللہ کو بدعہدی کا صدمہ ہوا اور وہ لکھنؤ چلے گئے آخر شش جنرل ہیوجمیس اوٹرم ایک فوج گراں لیکر بٹھور پر حملہ آور ہوئے نانا صاحب کی غفلت سے بہت زیادہ جانثار اس معرکہ میں کام آئے۔ عرصہ کارزار جنگ دیکھ کر نانا صاحب کو عنانِ ہزیمت ہاتھ میں لینی پڑی۔ نانا صاحب اور عظیم اللہ میدان جنگ سے ہٹ گئے نانا صاحب کا خاندان وہیں رہ گیا۔ عظیم اللہ لکھنؤ پہنچے اور مولوی احمد اللہ شاہ کے جھنڈے کے نیچے قیام کیا اور ہر معرکہ میں شریک رہے نانا راؤ نے گنگا سے اتر کر فتح پور چوراسی میں قیام کیا۔ ادھر انگریزی فوج نے بٹھور کے قصبہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ محل کو توپوں سے اڑا دیا۔ مینا بائی کو گرفتار کیا اور آگ میں جھونک دیا۔ اس کے بعد جنرل ہیگ نے تین ہزار وطن پرستوں کو دار پر چڑھا دیا[۱]

نانا راؤ نے حضرت محل کے پاس اپنا وکیل بھیجا۔ انھوں نے راجہ جے لال سنگھ کلکٹر کو حکم دیا کہ ۱۲ اونٹ ۲۹ یہ چھکڑے ۱۰ گھاڑیاں پچیس ہاتھی لیکر فتح پور چوراسی جاؤ اور نانا صاحب کو انکے حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے لکھنؤ لے آؤ چنانچہ نانا صاحب ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ کو لکھنؤ میں داخل ہوئے ۱۱ ضرب توپ کی

[۱] قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۵۱

سلامی دی گئی حضرت محل نے ۲۵ ہزار روپیہ دعوت کے اور خلعت قبائے زرّیں، بشمشیر و سپر مالہ مروارید نورتن مرصع دوشالہ رومال اسپ معہ ساز نقرہ و ہودج نانا راؤ کی خدمت میں حضرت محل کی جانب سے پیش کیا گیا۔

نانا راؤ مولوی احمد اللہ شاہ اور جنرل بخت خاں شہزادہ فیروز شاہ سے ملے۔ مشورہ سے لکھنؤ کے تمام معرکوں میں کام ہوتا رہا۔ اور شاہ صاحب کے حالات میں جس کا تفصیلی ذکر آگے آچکا ہے۔

نانا صاحب عظیم اللہ کو ساتھ لیکر نیپال چلے گئے۔ گورنمنٹ نے گرفتاری کا انعام مقرر کیا اور چند مرہٹوں کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا۔ نانا راؤ اور عظیم اللہ نیپال کی ترائی میں ۱۸۵۹ء تک لوگوں کو نظر آئے۔ اس کے بعد سے پھر پتہ نہ لگا کہ ان کا انجام کیا ہوا۔[1]

ان کے حالات کو انگریز مورخین نے بڑھا چڑھا کر لکھا ہے۔ حتیٰ کہ گارسان دتاسی اپنے خطبات میں بھی اس طرح لکھتا ہے کہ

غدر کے جگر خراش اور اندوہ گیں ناظر کے بڑے مبانیوں میں نانا صاحب ایک تعصب کی آگ میں بجھا ہوا ہندو تھا یہ شخص پیشوا باجی راؤ کا لے پالک تھا (متبنیٰ) نانا صاحب نے بٹھور میں

[1] بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۳

Marfat.com

سکونت اختیار کرلی تھی یہ مقام کانپور کے پاس ہے سنا ہے
کہ یہ خونخوار انسان انگریزی تقریر و تحریر میں ید طولیٰ رکھتا تھا
اس شخص نے شکسپیر کے مشہور ڈرامہ ہملٹ کا ترجمہ بھی کیا تھا[1]

جوالا پرشاد نانا راؤ کا ساتھی تھا یہی وہ فرد ہے جس نے انگریزوں کی کشتیوں پر کانپور میں گولیاں چلاتی تھیں۔ آخرش یہ بھی گرفتار ہوئے اور ۳ رمئی ۱۸۶۰ء کو اسی گھاٹ پر ان کو پھانسی دی گئی[2]

مولوی احمد اللہ شاہ کانپور آئے تو عظیم اللہ انکی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ صاحب کا ہمنوا ہو گیا۔ وزیر اودھ علی نقی بھی شریک مشورہ تھا۔ کانگرس کی ساٹھ سالہ تاریخ میں ہے۔

نانا راؤ پیشوا احمد شاہ (مولوی احمد اللہ شاہ) وزیر اودھ
نواب علی نقی کی مشترکہ اسکیم بغاوت صیغہ راز میں ایسی رکھی گئی کہ
جس کی مثال تمام عالم میں نہیں مل سکتی ہے[3]

---

[1] خطبات گارساں دتاسی صفحہ ۲۶ [2] بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۳
[3] کانگریس کی ساٹھ سالہ تاریخ صفحہ ۸۸

Marfat.com

مہو — کرنل پال کا قتل ـ مجاہدین ہند کا بہادرانہ کارنامہ

Marfat.com

Marfat.com

جنرل مہابیر تانتیا ٹوپے

جنرل مہابیر تانتیا ٹوپے ان کے والد کا نام سری پانڈو رنگ راؤ بھٹ تھا۔ احمد نگر کے ایک قصبہ کا رہنے والا تھا نانا فرنویس کی فوج میں عہدہ دار رہ چکا تھا نانا راؤ پیشوا کا مشیر کار اور ان کے اقتدار میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ رانی جھانسی کی بھی اس نے معاونت کی دو سال میں بیس لڑائیاں لڑیں اور وہ بھی زبردست سے زبردست برطانوی جرنیلوں کے خلاف گو کئی لڑائیوں میں اسے ناکامیابی ہی نصیب ہوئی لیکن پھر بھی اس نے اپنے آپ کو ان سے برتر اور زیادہ اولوالعزم اور زیادہ بہادر ثابت کر دیا تھا۔

نانا راؤ کے برادر زادہ نے چرکھاری تانتیا کو بھیجا۔ پہلے یہ سر کولن کمبل سے شکست پا چکا تھا اور مسٹر ونڈھم پر فتح حاصل کی تھی ۹ سو سپاہی اور چار توپیں ساتھ لے گیا۔ اس نے چرکھاری پر فتح پائی۔ یہاں تین لاکھ روپیہ چوبیس توپیں ہاتھ لگیں اس وقت رانی جھانسی کا خط آیا کہ میری استغاثت کا وقت ہے۔ رانی کے ساتھ چھ رجمنٹیں گوالیار کینٹومنٹ کی اور اردگرد کے راجاؤں کی سپاہ تھی جو بائیس ہزار کہی جاتی ہے تانتیا جھانسی آئے سر ہیوروز کی حالت نہایت معرض خطر میں تھی تانتیا نے ایک پہاڑی پر اپنا

Marfat.com

مورچہ قائم کیا کپتان پرٹنایچ جان نے رانی کی فوج پر حملہ کر دیا۔ وہ تاب مقابلہ لاسکی وہ بھاگی تانتیا اس موقع کو نہ سنبھال سکے تانتیا کے پہاڑی کے پیچھے جنگل تھا اس میں آگ دے دی اور صاف نکل کر بیتوا کے پار ہو گیا۔ مگر انگریز لشکر پیچھے پیچھے آیا ساری توپیں چھن گئیں پندرہ سو سپاہی کام آئے باقی سپاہ کو لے کر تانتیا کالپی کی طرف آ گئے پھر بھی وہ جھانسی کی رانی کی مدد کیلئے دوبارہ گئے مگر ہر جگہ ناکام رہے[۱] کالپی پر انگریزی قبضہ ہو گیا تانتیا کونچ گئے وہاں بھی شکست کھائی چرکی پہنچے یہاں ان کے ماں باپ رہتے تھے تانتیا کو پتہ لگا رانی جھانسی سرہیوزروز سے شکست کھا کر گوپال پور گئی ہے اور وہیں راؤ صاحب ہیں یہ جگہ گوالیار سے ۴۶ میل تھی تانتیا بھی وہاں پہنچے وہیں نواب علی بہادر خاں آف باندہ تھے گوالیار پر حملہ کی تیاری کی راجہ گوالیار نے آگرہ کی راہ لی آخر شہر فتح کر لیا۔ انگریزی فوج آ گئی اور گوالیار پر قابض ہو گئی۔

چارلس بال بھی اپنی مشہور تصنیف میں تانتیا ٹوپے کے متعلق یہ لکھنے پر مجبور ہوا۔

انگریز سے ذرا کم مضبوط دشمن سے اگر تانتیا ٹوپے کو واسطہ پڑتا تو وہ ایک وسیع مرہٹہ سلطنت قائم کرنے میں

---

[۱] بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۹

کامیاب ہو جاتا اور پھر سے پیشوا بن جاتا: تانتیا ٹوپے کے نام سے یورپ ہمارے اپنے جرنیلوں سے زیادہ واقف ہو گیا تھا۔[1]

جوگی کے بھیس میں تمام انگریزی فوج میں بغاوت پھیلانے والا تانتیا ٹوپے تھا۔ نانا راؤ عظیم اللہ کے روپوش ہونے کے بعد راجہ مان سنگھ کے یہاں چلا گیا اس نے اپنی جائداد واپس لینے کے لئے جب کہ وہ سو رہا تھا انگریزوں کے ہاتھ گرفتار کرا دیا قید میں رکھے گئے پھر انگریز نے مقدمہ چلانے کے بعد ان کو دار پر چڑھا دیا۔ ۴۹ برس کی عمر تھی آخری تمنا تھی کہ اسکے باپ کو پھانسی نہ دی جائے بلکہ بنارس چلا جانے دے کہ وہ آخری ایام پوجا پاٹ میں گذار دے مگر گورنمنٹ نے کوئی توجہ نہ کی۔

---

[1] ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد ۲ صفحہ ۶۰۴

Marfat.com

راجہ کنور سنگھ

راجہ کنور سنگھ۔ جگدیش پور صوبہ بہار کے صاحب اقتدار[1] راجہ تھے۔ ان کی ریاست بھی دیگر ریاستوں کی طرح انگریزوں نے ضبط کر لی تھی۔ جنگ آزادی شروع ہونے پر جب اُن کی عمر اسی سال کی تھی انھوں نے انقلابی فوج کا سردار بن کو آرہ کے خزانہ پر قبضہ کیا اور انگریزی فوج کو اتنی مسلسل شکستیں دیں کہ لارڈ کیننگ گھبرا گئے۔ جب بنارس میں لارڈ مارک کی فوج سے مقابلہ ہوا تو راجہ صاحب بجلی کی طرح ادھر سے اُدھر کوندتے پھرتے تھے۔ بلیا کے قریب گنگا پار کرتے ہوئے اُن کے دہنے ہاتھ میں گولی لگی تو بائیں ہاتھ سے اُسے اپنی تلوار سے کاٹ کر پٹی باندھ لی تاکہ زہر نہ پھیلے اور آٹھ ماہ کی جنگ کے بعد اس ضعیف العمر سپاہی نے اپنی راجدھانی پر قبضہ حاصل کیا مگر زخم کی تکلیف سے نیپال کی ترائی میں بالآخر انتقال کیا۔[2]

راجہ بینی مادھو بخش بہادر تعلقہ دار نظامت بیسواڑہ انھوں نے حضرت محل کی رفاقت سے ہاتھ نہ اٹھایا انگریز سے مخالف رہے

[1] تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۸۰ [2] مسلمانوں کا روشن مستقبل

فوج میں رہ کر بڑے کام کئے۔ جب حضرت محل اور مرزا برجیس قدر نیپال گئے راجہ صاحب نے کئی سو ہمراہیوں کے ساتھ انگریزی فوج سے مقابلہ کیا گورکھوں سے دو دو ہاتھ کئے اور بہادری سے میدان جنگ میں جان دی[۱]

ان کے ساتھی بھوان سنگھ تھے وہ بھی ان کے ساتھ کام آئے[۲]۔

راجہ ناہر ملب گڈھ کے راجہ تھے۔ بہادر شاہ کے درباری تھے جنگ آزادی میں شریک رہے آخرش بعد تسلط حکومت برطانیہ نے ان کو پھانسی دی اور ان کا ۲۰ لاکھ روپیہ کا خزانہ ضبط ہوا[۳]

کمانڈر ہیرا سنگھ الور سے فوج لیکر آئے تھے[۴] انھوں نے بھی اس جنگ میں کارنمایاں کئے۔ آخر میں یہ بھی سزاوار دار ہوئے۔ راجہ کنور سنگھ شاہ آبادی ان منچلے امرائے ہند سے تھا جس نے نانا صاحب سے تعلقات قائم کرکے اپنے علاقہ میں انگریزوں کے خلاف ایک جماعت پیدا کرلی تھی اس طرف کے تعلقہ داران سے خط وکتابت کی اور بہار کی طرف کے راجہ ڈمراؤں راجہ ٹکاری کو بھی اپنے خاص آدمی بھیج کر ہمنوا بنانا چاہا مگر یہ راجگان قابو میں نہ آئے اور انگریزوں کے ہمدرد بنے رہے۔ راجہ صاحب نے انقلاب ۵۷ء میں جوہر مردانگی دکھائے مگر ملک کی بدقسمتی کے یہ بھی شکار ہوئے۔ آخری زندگی کے حالات

---

[۱] قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۷۳ و ۴۵۶ [۲] بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۳
[۳] غدر کی صبح وشام صفحہ ۸۳ [۴] غدر کی صبح وشام صفحہ ۱۹

Marfat.com

معلوم نہ ہو سکے۔

گردھاری لال بہادر شاہ کے درباری تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں پیش پیش رہے ان کے ہمراہیوں میں غوث محمد صوبہ دار اور ہیرا سنگھ تھے۔ موقع بموقع مالی امداد دیتے رہتے تھے۔

بہادر علی خاں رئیس کمایوں دہلی آکر دربار بہادر شاہی میں منسلک ہو گئے تھے اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں حکومت شاہی کے معاون رہے۔ نواب علی رئیس گجرات دہلی آئے اور دربار بہادر شاہی کے دکن تھے وطن پرستوں کا جو نظام جنگ تھا برابر کے شریک تھے۔

قادر بخش صوبہ دار سفر مینا۔ وطن پرستوں میں ان کی خدمات پیش پیش تھیں یہ بھی آخر میں اپنے ساتھیوں کے ہمنوا رہے۔ انڈمان بھیجد سے گئے۔

شہزادہ مرزا مغل گورگانی

شہزادہ مرزا ظہور الدین مشہور مرزا مغل امیر الملک خطاب تھا۔ بطن نواب شرافت محل سے تھے۔ رسمی علوم سے واقف تھے فنون حرب سے دلی لگاؤ تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں دلی میں ان کی شخصیت نمایاں رہی۔ میرٹھ سے جو فوج آئی اس کے سرگرم

Marfat.com

Marfat.com

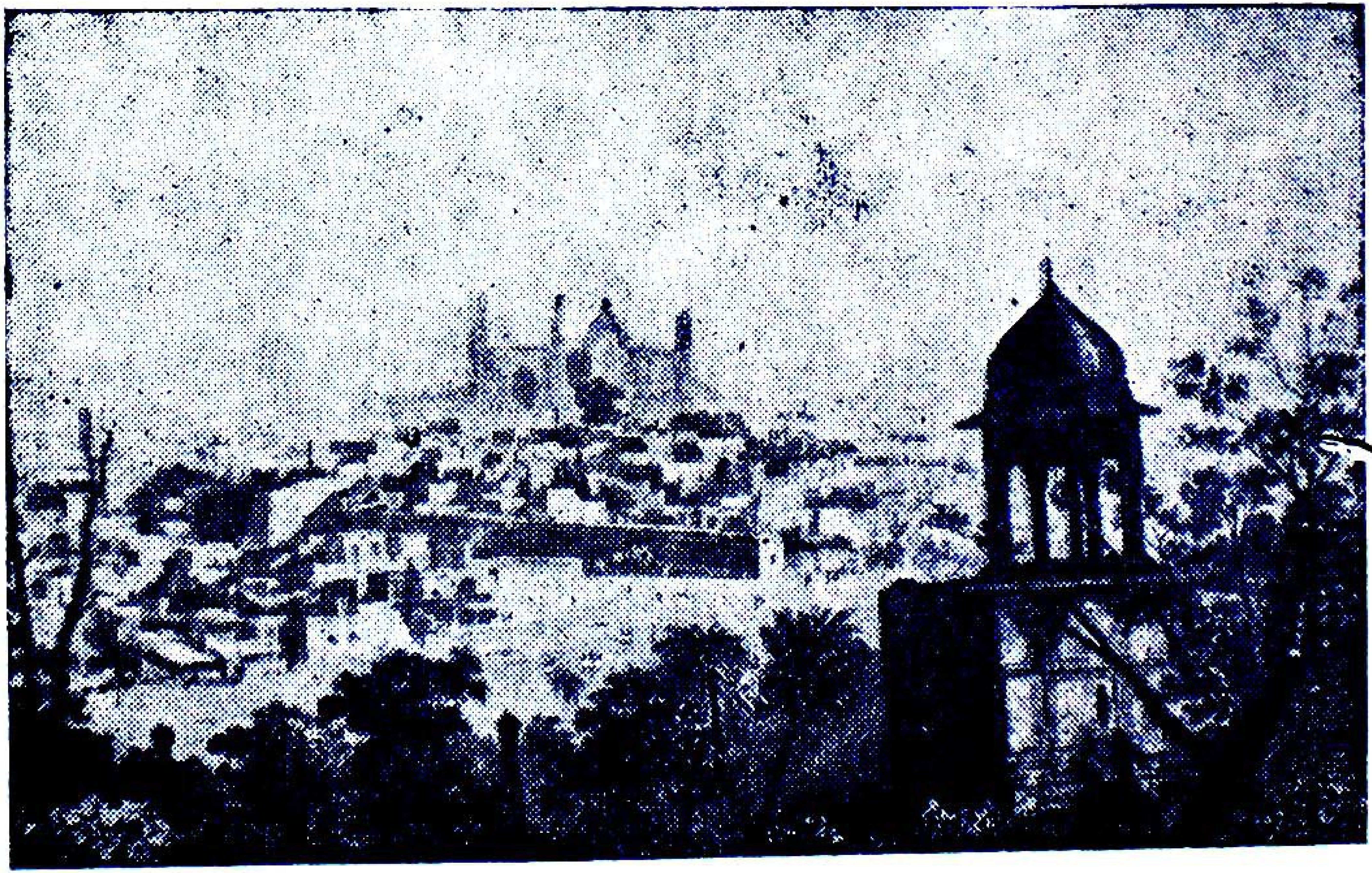

دهلی۔لال قلعہ کے صدر دروازے سے دهلی کا ایک حسین منظر سامنے جامع مسجد
(شاهجہانی) کے مینارے نظرآرہے هیں

Marfat.com

شہزادہ صاحب تھے۔ مگر لیڈر بننے کے اہل نہ تھے کان کے کچے تھے۔ مرزا الٰہی بخش کے سکھائے میں آ گئے اچھی خاصی بساط جنگ کا پانسہ مرزا مغل کی کوتاہ اندیشی سے پلٹ گیا جنرل بخت خاں کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں تباہی کا پیش خیمہ تھیں۔ آخرش کشمیری دروازہ کے مورچہ سے ہٹ کر انھوں نے انگریزی فوج کو آگے بڑھنے کا موقع دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کو قلعہ چھوڑ کر مقبرہ ہمایوں آنا پڑا۔ بادشاہ نظر بند کئے گئے۔ ہڈسن نے مرزا مغل۔ مرزا قیصر سلطان۔ مرزا عبد اللہ کو کوتوالی تک لاکر گولی کا نشانہ بنایا اور ان کے سر کاٹ کر مظلوم بادشاہ کے پاس بھیجدئے۔

ماخذ۔ داستان غدر ظہیر دہلوی۔ غدر کی صبح و شام۔ رسالہ برہان ۱۹۴۸ء (مرزا مغل از انتظام اللہ)

شہزادہ مرزا قویش

مرزا قویش ابوظفر بہادر شاہ کے صاحبزادہ تھے۔ میاں نبی بخش نبیرہ شاہ نصیر الدین مرحوم سے رسمی تعلیم پائی۔ فتح الملک مرزا فخرو سے فن سپہگری سکھا۔ استادان فن دربار ظفر سے

Marfat.com

منسلک تھے۔ ان میں رنگین خاں ستار نواز کامل تھا۔ اس سے مرزا قویش نے ستار نوازی سیکھی۔ ایسی مشق کی کہ استاد بھی شاگرد کا کلمہ پڑھنے لگے۔ میلہ ٹھیلہ میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ دہلی میں سیر گلفروشاں ان کے دم سے بہت کامیاب رہتی۔ یہ میلہ پر تکلف اور رنگین ہوتا۔ یہ میلہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر ہوتا تھا ہفتوں پہلے سے شہزادے اس میلے کی شرکت کے لئے تیاری کرتے۔ خود بادشاہ سلامت بہادر شاہ اس میلہ میں شریک ہوتے مرزا قویش اس میلہ کی رنگینی کو دوبالا کرنے میں پیش پیش رہتے۔ شہر سے تمام اہل حرفہ اپنے اپنے پنکھے پھولوں کے چڑھانے لے جاتے۔ ہر پنکھے کے آگے روشن چوکی بجتی جاتی جا بجا تھمتے جاتے اور آہستہ آہستہ پنکھا روانہ ہوتا۔ نفیری والے ستم کرتے۔ ایسی سریلی نفیری میں ملار گاتے کہ آدمی بے اختیار اور محو ہو جاتا کہ ہوش تن بدن کا نہ رہتا۔ کوٹھوں اور مکانوں پر سے صدہا روپیہ برستا۔ مرزا قویش ہر ایک نفیری نواز کو انعام و اکرام سے نوازتے۔ محل کے نیچے جب ان کا طائفہ پہنچتا۔ چلمنوں میں سے روپیہ اشرفیاں اور بٹوے برسنے لگتے۔ بعدہ جا کر درگاہ میں پنکھا چڑھاتے۔ سات دن گھما گھمی رہتی تھی، اس میلے میں اشراف بہت ہوتے اور اپنے کو لئے دئے رہتے۔ البتہ اجلاف کی دھما چوکڑی رہتی۔ میلہ میں بازار جو لگتا لاکھوں روپے کا سودا بکتا۔ آخر میں شہزادے اور شہزادیاں خریدتیں

Marfat.com

دوکاندار مالا مال ہو جاتے تھے۔ دو دن صرف خواتین کا میلہ رہتا۔ بازاروں میں مرد کا نام تک نہ ہوتا تمام شہر کی مستورات پردہ نشین شب کو بازار میں نکلتیں اور سیر کرتیں۔ ہفتہ کے روز خواجہ صاحب کی درگاہ سے خلعت رخصت ہو کر شہر کو لوٹتی۔ سات کوس تک برابر خلقت کی بھیڑ بھاڑ اور مجمع رہتا تھا اور جا بجا دوکانیں لگی ہوتی تھیں۔ مرزا تویش کے ایام جوانی ایسے ہی مشغلوں میں گزرے ۱۸۴۹ء میں مرزا فخرو جو ولی عہد تھے ان کا انتقال ہو گیا۔ ولی عہد کا قضیہ پھر اٹھا ان سے پہلے مرزا دارا بخت بہادر تھے۔ جب وہ ۱۸۴۹ء میں انتقال کر گئے تو مرزا فخرو ہوئے اس کے بعد بادشاہ نے شاہزادہ جواں بخت کی ولی عہدی کے لئے باضابطہ مطالبہ کیا اور ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر ان کے آٹھوں بیٹوں کے دستخط تھے۔ اور اس میں لکھا تھا کہ ہم سب برضا و رغبت جواں بخت کی ولیعہدی کے حامی ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن سرکار کمپنی بہادر نے مرزا تویش سے یہ شرط منظور کرالی کہ بہادر شاہ کے بعد لقب شاہی موقوف کیا جائے گا۔ صرف خطاب شاہزادہ باقی رہ جائے گا اور زر پینشن جو اس وقت تک تقریباً سوا لاکھ روپے ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار روپے ماہوار رہ جائیگا۔ اور مرزا تویش کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔ ابھی اس اعلان کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ میرٹھ میں حریت نوازوں نے بدیسی حکومت کے

Marfat.com

خلاف قدم اٹھایا اور وطن پرست فوج ظالم افسروں کو قتل کرتی ہوئی دہلی آئی اور یہاں قلعہ کے دروازے پر پہنچے۔ بادشاہ پہلے تو بہت گھبرائے مگر مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور نواب زینت محل کے کہنے سننے سے حریت نوازوں کی سرپرستی کے لئے تیار ہو گئے پھر تو تمام شہزادے میدانِ عمل میں نکل آئے۔ مرزا مغل نے کمان سنبھالی۔ مرزا قویش ایک پلٹن کے افسر مقرر ہوئے۔ قلعہ کے نیچے پریڈ کی جاتی۔ شہر کے ہر قسم کے لوگ فوج کے ساتھ لگ گئے انھوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور جن جن انگریز افسروں نے ظلم و ستم توڑے تھے ان کی کوٹھیاں نذرِ آتش کیں۔ پھر تو گوری چمڑی والے جہاں نظر پڑے تہ تیغ کئے گئے۔

میرٹھ کے علاوہ جہاں جہاں فوجیں حریت نواز تھیں وہ سیدھی دلی کا رخ کرتی تھیں۔ کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت جو کہ نام کی سہی پھر بھی بادشاہ تو موجود تھے جن کو ہندو مسلمان صدیوں کی روایات کی بنا پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے اور ان کی مجبوری و محصوری سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہر شخص جو ملک کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑانا چاہتا تھا وہ دہلی کا رخ کرتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ دہلی کو اس موقع کے لئے سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے بڑی شخصیت بہادر شاہ کی تھی اس کے بعد ان کے بیٹے مرزا مغل۔ مرزا خضر سلطان۔ مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ۔ مرزا قویش

دہلی کے سربرآوردہ شہزادہ تھے۔

ان شہزادوں کے جھنڈے تلے بہت کافی فوج جمع ہوگئی تھی۔

ادھر جنرل بخت خاں روہیلہ بریلی سے آگیا تھا۔

ظہیر دہلوی داستان غدر میں لکھتے ہیں کہ:۔

بخت خاں جنرل چودہ ہزار کا کمپو اور چند توپ خانے اور دو تین رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی وارد ہوا۔

جنرل صاحب کے آتے ہی رنگ کچھ اور ہوگیا۔ انگریزی فوج سے معرکے ہوئے مگر مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسن اللہ خاں کی ملک دشمنی نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ یہ دونوں انگریزوں سے سازباز کرگئے۔ بارود کے کارخانے میں آگ لگوادی۔ اور یہاں جو مقابلہ کا انتظام کیا جاتا اس کی خبر انگریزی کیمپ میں پہنچ جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وطن پرست ناکام ہونے لگے اور انگریزی فوج آگے بڑھنے لگی۔ آخر جنرل صاحب یہ رنگ دیکھ کر لکھنؤ مع اپنی فوج کے چلتے ہوئے بہادر شاہ نے انگریزی حملہ کی تاب نہ لاکر قلعہ چھوڑ کر مقبرہ ہمایوں آگئے۔ اور ۲۸ مارچ ۱۸۵۹ء بحراست فوج انگریزی حویلی زینت محل میں پہنچا کر نظر بند کئے گئے ہڈسن نے تمام شہزادوں سے جان بخشی کے بہانہ سے ہتھیار رکھوا لئے اور بعد کو قتل کرادیا۔ مرزا قویش اور مرزا عبداللہ بن مرزا شاہرخ ابن بہادر شاہ کو

Marfat.com

مقبرۂ ہمایوں سے باہر ہڈسن نکال کر لایا۔ ان سے کہا کہ تم ٹھہرو ہم آتے ہیں۔ ایک فوج کا سردار اس کی جوانی پر ترس کھاکر بولا جاتے کیوں نہیں۔ ابھی گولی ماردی جائے گی۔ مرزا قویش چلتے ہوئے حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پہ آئے وہاں چار ابرو کا صفایا کراکر سر پر رومال باندھ کر مثل رسول شاہی فقرار کے وضع قطع بناتے اودے پور روانہ ہوگئے۔ وہاں دلی کا خواجہ سرا راجہ کے یہاں ملازم تھا۔ اس نے ان کو دیکھا پہچان گیا اور راجہ سے جاکر کہا کہ ایک بڑے بزرگ آئے ہوتے ہیں۔ نو عمر تو ہیں مگر صاحب کرامت فقیر ہیں۔ راجہ نے ملاقات کی اور دو روپیہ یومیہ مقرر کر دیا۔ گورنمنٹ انگریزی نے اشتہار گرفتاری کا جاری کیا۔ یہ ہاتھ نہ لگے۔ تیس برس اودے پور رہے اور وہیں انتقال کیا۔

شہزادہ جواں بخت

شہزادہ جواں بخت کی شہرت غالب و ذوق کے ادبی معرکہ کی وجہ سے دنیائے اردو میں بہت ہے مگر ان کی سیاسی زندگی پر ابھی تک پردہ پڑا رہا۔ پہلی جنگ آزادی میں وزیر جنگ کے فرائض شہزادے نے ادا کئے۔ نواب زینت محل اپنے وقت کی نوجوان تھی۔ ابوظفر بہادر شاہ اَسّی برس کے ہوتے تھے اس کے بطن سے

Marfat.com

مرزا جواں بخت پیدا ہوئے ان کے چاؤ چوچلے بہت کئے گئے میاں نبی بخش معلم سے انھوں نے مکتبی تعلیم پائی۔ باپ کے منظور نظر تھے، ماں کا لاڈ اور پیار بڑھا ہوا تھا معمولی درجہ کی استعداد تھی۔ کم عمری میں بادشاہ نے ان کی شادی کردی۔ ظہیر دہلوی نے اس کا یہ حال لکھا ہے۔

ہر چند کہ تقریبات بسیار ریاستہائے ہندوستان میں نظر سے گذری ہیں مگر جیسی بازیب و تجمل شہزادہ مرزا جواں بخت بہادر کی ہوئی ایسی رنگین محفل و تقریب باجاہ وحشم اس دریا دلی کے ساتھ نظر سے نہیں گذری۔ بیان تکلفات رسوم ساچق و مہندی و برات و آرائش شہر و روشنی نقار خانجات وغیرہ جان کر قلم انداز کیا۔ البتہ یہ امر قابل نگارش ہے کہ یہ قرینہ محفل سب سے جداگانہ تھا دیوان قلعہ معلی کی بارہ دری میں جدا جدا محفلیں ترتیب دی گئی تھیں۔ ہر در میں ایک طائفہ جدا رقص کرتا تھا۔ مرزا اعظم شاہ۔ نبیرۂ سلیمان شکوہ مرزا وحید الدین۔ مرزا سپہر شکوہ۔ مرزا بلاقی۔ مرزا عزیز الدین داماد ابوظفر بہادر شاہ۔ سلطان مرزا فخر الدین۔ مرزا انور الدین۔ مرزا بلند اختر مرزا سکندر بخت۔ مرزا مصلح الدین۔ مرزا خدا بخش۔ شہزادہ بہرام شاہ مرزا مغل۔ مرزا قادر بخش شاہ برگورگانی۔ مرزا فتح الملک ولی عہد بہادر مرزا ابو بکر۔ مرزا عبداللہ۔ مرزا مغل خضر سلطان غرضکہ تمام تیموری شہزادے اور سلاطین زادے علاحدہ محفل جمائے ہوئے تھے لازمین کی انجمن جدا

Marfat.com

معززین شہر اور سپاہ کی بزم جدا۔ اس طرح ہر فریق کی محفل جدا تھی۔ اہل شہر کے لئے حکم تھا کہ آئیں۔ اور تماشائے رقص و سرود سے محظوظ ہوں۔ رقاصان پری پیکر ہر طرف سرگرم نازو انداز تھیں و مہ جبینان ناہید نواز زمزمہ پرداز دس بارہ روز تک یہ محفلیں سرگرم رہیں۔ ملازمین شاہی و روسائے شہر کے واسطے تورہ جات کا حکم تھا۔ جس کا جی چاہے زر نقد پچاس روپیہ توڑے کی قیمت لے خواہ تورہ لے ایک تورہ میں طعام اس قدر ہوتا تھا کہ ایک محفل شکم سیر ہو کر کھالے۔ ایک ایک طباق میں پانچ پانچ سیر کھانا ہوتا تھا۔ چار پانچ طرح کے پلاؤ رنگ برنگ کے میٹھے چاول۔ سرخ۔ سبز۔ زرد۔ اودے۔ پانچ سیر کی باقرخانی ایک شیریں اور ایک نمکین اور کئی قسم کے غرضکہ اقسام خوردنی سے کوئی شئے باقی نہیں رہ گئی تھی۔ مرزا غالب اور خود حضور شاہ نے سہرے لکھے۔ مرزا غالب کے سہرے پر شیخ محمد ابراہیم ذوق نے بادشاہ کے اشارہ پر چوٹ کی۔ مرزا گھبرا گئے اور معذرت نامہ بھیجا۔ غرضکہ یہ شادی بھی یادگار رہ گئی۔

۱۸۴۹ء میں ولی عہد دارا بخت میران شاہ قضا کر گئے لارڈ ڈلہوزی نے مرزا فتح الملک شہزادہ مرزا فخرو کو ولی عہد قرار دیا۔ ۱۰ر جولائی ۱۸۵۴ء میں ہیضہ سے یہ بھی چل بسے۔ دوسرے دن سر ٹامس مٹکاف ایجنٹ دہلی بادشاہ کے حضور حاضر ہوا بادشاہ نے ایک تحریر دی اور اس کے ساتھ ایک محضر نامہ جس میں تمام شہزادوں کے دستخط تھے۔

Marfat.com

کہ مرزا جواں بخت کو ولیعہد کیا جائے مگر کمپنی کے عمال نے مرزا قویش کو توڑ لیا اور ان کو ولی عہد بنا لیا۔ سوا لاکھ روپیہ ماہوار کے بجائے ۱۵ ہزار ماہوار پر قویش سے تصفیہ ہوا اور لال قلعہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانے کی تحریر ہو گئی۔ بادشاہ کو جب علم ہوا تو ان کو اور نواب زینت محل کو سخت صدمہ ہوا ؎

اے ظفر اب ہے کبھی تک انتظام سلطنت
بعد تیرے نے ولیعہدی نہ نام سلطنت

نواب زینت محل انگریزوں سے خار کھانے لگیں اور مغلیہ شہزادے بھی انگریز دشمنی پر آمادہ ہو گئے۔ اس واقعہ سے غم و غصہ کی آگ قلعہ سے روشن ہوئی اور دہلی کے باشندوں تک پھیل گئی اب پورا پورا یقین ہر ایک کو ہو گیا کہ یہ بادشاہی بھی مسلمانوں سے چھین لینے کے بندوبست انگریزوں نے کر لئے۔

کچھ عرصہ بعد ہی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں تصفیہ کا رتوس اٹھ کھڑا ہوا۔ انگریزی فوج بگڑ گئی اور اپنے ظالم افسروں کو تہ تیغ کرتی ہوئی دلی آ کودی۔ بہادر شاہ خوف زدہ ہوئے مگر زینت محل اور مرزا مغل کے کہنے سننے سے بادشاہ نے سرپرستی حریت نوازوں کی کی۔ دربار کیا جس میں مفتی صدر الدین خاں آزردہ۔ مولانا امام بخش صہبائی۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ۔ نواب علی احمد خاں۔ نواب ضیاء الدین خاں۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ مولوی نواب محمد علیخاں حکیم عبد الحق۔ نواب محمد حسین خاں۔ قاضی فیض اللہ کشمیری۔ نواب

Marfat.com

ولی داد خاں۔ مرزا عاشور بیگ۔ حکیم احسن اللہ خاں و دیگر عمائد شہر شریک دربار ہوتے۔ ایک جنگی کونسل بنائی گئی۔ وزیر جنگ مرزا جواں بخت کئے گئے۔ مرزا مغل فوج کے کمانڈر مقرر ہوتے۔ مرزا غالب نے یہ سکّہ کہہ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کیا ہے

بزر زد سکّۂ کشور ستانی سراج الدین بہادر شاہ ثانی

بادشاہ نے اپنی شہنشاہی کا اعلان کیا۔ چاروں طرف سے فوجیں آنا شروع ہوگئیں اور ان کے علاوہ مجاہدین کی بڑی جماعت دلی میں جمع ہوگئی۔ جنرل بخت خاں بھی بریلی سے آگئے تیس ہزاری میدان پر انگریزوں کی فوج پڑی تھی اس کو مار بھگایا شمرو بیگم کی کوٹھی میں بارود کا خزانہ تھا اس کو کسی نے جلا دیا۔ ادھر مرزا مغل اور جنرل صاحب میں ان بن ہوگئی۔ حکیم احسان اللہ خاں اور مرزا الٰہی بخش انگریز افسروں سے گٹھ گئے۔ یہاں جو انتظام مقابلہ کا کیا جاتا دشمن کو خبر لگ جاتی آخرش جنرل لکھنؤ چلے گئے اور انگریزی فوج نے دہلی کو گولوں کی زد میں رکھ لیا۔ بادشاہ قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مقبرہ ہمایوں میں پناہ گزیں ہوئے الٰہی بخش نے مخبری کردی جس پر ان کی گرفتاری عمل میں آئی اور یہ آخری تاجدار دودمان تیموریہ سرکاری ملزم کی حیثیت سے پالکی پر سوار کراکر گوروں کے پہروں میں دلی لایا گیا زینت محل میں قید رکھا اور اسے خوراک کے لئے صرف پانچ روپیہ یومیہ

Marfat.com

ملتے تھے شہزادے قتل کئے گئے۔ ان کے سر بہادر شاہ کے سامنے لائے گئے۔ دہلی میں قتل عام شروع ہوا۔ شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے۔ والپول لکھتا ہے کہ :۔

انگریزوں نے فتح دلی کے بعد جو لوٹ دلی میں جائز رکھی وہ وحشی نادر شاہ نے بھی نہ مچائی تھی۔ ہزاروں بے قصور بھی سزاوار دار ہوئے۔ عورت و مرد امیر و غریب جوان و پیر دلی سے بھاگے اور ان پر جو مصیبت آئی اس کا نقشہ ظہیر دہلوی نے کھینچا۔

گلوں سے چہرے پہ اک مردنی سی چھائی تھی
وہ بھولے چہروں پہ گویا چھٹی ہوائی تھی
غضب وہ پردہ نشینوں کی بے ادائی تھی
غرض کہ آئینے سے پہلے قیامت آئی تھی
بیان کیجئے نصیبوں کی کیا برائی کا
وہ وحشت اور وہ پھرنا برہنہ پائی کا

غرضکہ اس وقت خلقت کا اضطراب اور خرابی پریشانی اور بے سر و سامانی اور مستورات پردہ نشین جنھوں نے ایک قدم کبھی عمر بھر باہر نہیں رکھا تھا ان کا گھبراہٹ میں سر و پا برہنہ نکلنا اور بچوں کا واویلا کا شور اور گھبراہٹ کا حال دیکھنے سے کلیجہ کے ٹکڑے ہوئے جاتے تھے ۔

Marfat.com

یہ وہ الم ہے کہ اس غم سے سب ہلاک ہوئے
لگا کے چرخ سے بے چین تا سماک ہوئے
ہلاک گود میں آسودگانِ خاک ہوئے
کفن بھی ساتھ گریباں کے چاک چاک ہوئے
یہ روز حشر سے کم تھی عذاب کی صورت
خدا دکھائے نہ اس انقلاب کی صورت

۲۷ر جنوری ۱۸۵۸ء کو لال قلعہ میں فوجی عدالت کے سامنے مظلوم شاہ کا مقدمہ پیش ہوا۔ آخرش عدالت نے بہادر شاہ کو جلا وطنی کا حکم سنایا اور رنگون بھیجدیا۔ نواب زینت محل۔ نواب تاج محل۔ مرزا جواں بخت اور چند لوگوں کو بادشاہ کے ساتھ کر دیا ۶۰۰ روپے ماہوار خوراک کے مقرر کئے گئے۔ ۷ر نومبر ۱۸۶۲ء کو بہادر شاہ نے انتقال کیا ؎

رہے پیری میں اس لئے جیتے
دیکھنے کچھ عذاب کے دن تھے

نواب زینت محل بھی رنگون میں مریں۔ کچھ لوگ واپس آ گئے۔ مرزا جواں بخت نے بھی ۱۹۱۳ء میں انتقال کیا اور بہادر شاہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

شہزادہ مرزا خضر سلطان بہادر

مرزا خضر سلطان آخری شاہنشاہ دہلی ابو ظفر بہادر شاہ کے صاحبزادہ نواب شرافت محل کے بطن سے تھے۔ جنرل مرزا مغل کے چھوٹے بھائی تھے۔ نواب شرافت محل دہلی کے مشہور گھرانہ سادات کی چشم چراغ تھیں۔

مرزا خضر سلطان نے ابتدائی کتب علوم مروجہ کی مولوی سید احمد حسین ولد غلام حسین شکیبا سے جو میر تقی میر کے شاگرد تھے تعلیم پائی اور سید امیر پنجہ کش دہلوی جو قلعہ معلیٰ کے جگت استاد تھے۔ خوشنویسی سیکھی۔ مرزا عبداللہ بیگ سے بھی مشق میں اصلاح لیا کرتے۔ مرزا صاحب پھکیتی پھکتی، چورنگ لگانا سپاہ گری بانک بنوٹ کے استاد تھے۔ انھوں نے یہ فنون بھی مرزا صاحب سے حاصل کئے۔ مرزا سنگی بیگ سے جو خاندان میر حامد علی مشہور پھکیتی باز تھے۔ پھکیتی د علی مدد کی سیکھی اور گھوڑے کی سواری کا طریقہ نجن خاں اور بندو خاں چابک سواران شاہی سے حاصل کیا اور بندوق لگانی اور تیر اندازی اور چورنگ لگانا اور سنیا کا تنا اپنے بڑے بھائی صاحب عالم مرزا فتح الملک بہادر سے سیکھا۔ قلعہ میں شعر و شاعری کے چرچے تھے۔

Marfat.com

خاقانی ہند سلطان الشعرا شیخ محمد ابراہیم ذوق کا طوطی بول رہا تھا۔ شاہ کے استاد تھے۔ سب شہزادے ان سے ہی مشورۂ سخن کیا کرتے مگر ولی عہد بہادر فتح الملک مرزا فخرو اور خضر سلطان نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب کی طرف مائل اور ان سے ہی کلام کی اصلاح لیا کرتے مرزا صاحب کی توجہ بھی ان پر زیادہ تھی اور دل سے انکے کلام کی اصلاح دیا کرتے۔ چنانچہ ایک دن مرزا صاحب قلعہ میں آئے۔ ولی عہد بہادر سے ملے پھر شاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ بہادر شاہ نے شرف گفتگو بخشا اور اثنائے کلام میں فرمایا۔ مرزا نوشہ اپنا نیا کلام بھی سناتے جاؤ۔ چنانچہ انھیں دنوں میں یہ غزل کہی تھی۔ بادشاہ کو سنا رہے تھے اتنے میں خضر سلطان آنکلے اور باپ کے پہلو میں جا بیٹھے۔ مرزا صاحب نے اس غزل میں یہ شعر اور اضافہ کرکے سنایا ؎

خضر سلطاں کو رکھے خالق اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

بادشاہ مسکرا دئے اور خضر سلطان نہال ہو گئے۔ غرضکہ قلعۂ معلے میں شعر و شاعری کے چرچے اور جو انگریز سے وظیفہ بہادر شاہ کو ملتا اس پر سب شہزادے قانع اور گذران کرتے۔ تمام شہزادوں میں مرزا فتح الملک بہادر اور مرزا خضر سلطان اور اس کے بھائی مغل کو البتہ مغلیہ حکومت کے نئے سر سے اقتدار حاصل ہونے کی امنگیں تھیں۔ ورنہ تمام شہزادے عیش و عشرت میں لگے رہتے ۱۸۵۶ء میں مرزا فتح الملک

Marfat.com

ہیضہ سے انتقال کر گئے تو ولی عہدی کا مسئلہ چھڑ گیا۔ مرزا قویش تمام شہزادوں میں بڑے تھے۔ ان کو ولی عہد ہونا چاہئے تھا۔ مگر ملکہ زینت محل جو بادشاہ کی محبوب بیوی تھی ان کے بطن سے مرزا جواں بخت تھے جو سب شہزادوں سے چھوٹے تھے ان کو ولی عہد بنانا چاہتی تھیں اور بادشاہ کو بھی آمادہ کر لیا تھا۔ وہ کوشاں بھی تھے خضر سلطان اور مرزا مغل کو ان قضیوں سے دلچسپی نہ تھی۔ انگریز نے مرزا قویش سے کچھ شرائط کے ساتھ ولی عہد کر دیا۔ اور بہادر شاہ کی خواہش مسترد ہو گئی۔ مرزا مغل کو تمنا تھی کہ خود بادشاہ بنیں اور پھر سے مغلیہ حکومت مضبوط ہوئی اور ان کو اور خضر سلطان کو ریذیڈنٹ سے نفرت تھی جب کبھی وہ بادشاہ کے پاس آتا تو یہ وہاں سے کھسک جاتے ۱۸۵۶ء میں نانا راؤ پیشوا اور عظیم اللہ خاں بادشاہ کی حضور میں آئے۔ بادشاہ نے نذر لے لی۔ گفتگو کا موقعہ نہ دیا البتہ مرزا مغل سے نانا راؤ اور عظیم اللہ خاں سے بات چیت ہوئی۔ خضر سلطان شریک گفتگو تھے۔

۷ مئی ۵۷ء کو میرٹھ میں چربی کے کارتوس پر فوجی ہندو مسلمان انگریز افسروں کی ظالمانہ طریقہ سے بگڑ بیٹھے تھے۔ اس فوج کی جو حریت نواز تھی اس کے سرگروہ رسالدار سید محسن علی بریلوی تھے اور ان کے ہاتھ میں فوجیوں کی باگ تھی وہ میرٹھ سے چل کھڑے ہوئے اور سیدھے دلی آئے۔ باقی رہ گئے تھے انکے

۱

Marfat.com

ساتھ اہل شہر کے سورما اور بہادر نوجوان ہو گئے اور انگریزوں پر ٹوٹ پڑے اور بہت انگریزوں کو تہ تیغ کیا۔

رسالدار صاحب جب دلی میں آئے بادشاہ کو خبر لگی وہ یہ سن کر کہ فوج جو انگریزوں کی تھی وہ انگریز افسروں سے بگڑ کر ادھر آئی ہے خوفزدہ سے ہوئے۔ ادھر حکیم احسن اللہ خاں جو مدارالمہام تھے وہ بھی شہر سے قلعہ میں آ کر بادشاہ سے آ کر حریت نوازوں کے خلاف زہر اگلنے لگے۔ نواب زینت محل نے بادشاہ کو آمادہ کیا کہ وہ وطن پرستوں کی سرپرستی کریں۔ وطن پرست شہر میں داخل ہوئے تو بہت سے شہری جن کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی وہ ہمنوا ہو گئے اور انگریزوں پر ٹوٹ پڑے۔ جو ملتا اس کو کیفر کردار کو پہنچا دیا جاتا۔ انکی کوٹھیوں کو آگ لگا دی گئی۔ ریذیڈنٹ دہلی کو میرٹھ سے اطلاع پہنچ چکی تھی مگر اس نے پروا نہ کی۔ بادشاہ نے اس کو خبر کرائی وہ قلعہ میں آیا۔ وطن پرستوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ بادشاہ خوف کھا رہے تھے مگر ملکہ زینت محل ہمت بندھاتی تھیں۔ پورب کے فوجی وطن پرست بادشاہ کے حضور میں آئے مگر بادشاہ ان پر خفا ہوئے مگر مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان۔ مرزا قویش۔ مرزا عبداللہ۔ مرزا ابوبکر۔ یہ تمام شہزادے ان کے ساتھ ہو گئے۔ وطن پرست اور مجاہدین نے اپنی جماعت کا کمانڈر مرزا مغل کو کیا۔ دوسرے شہزادوں کو لفٹننٹ اور کیپٹن کے عہدے دئے۔ بلکہ مرزا مغل کی جلالت شان کو

Marfat.com

دیکھ کر ان کو بھی بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ دلی میں چاروں طرف سے فوج وطن پرستوں کی آگئی تو بادشاہ سلامت کو بھی کچھ احساس ہوا مگر ان کے اردگرد مرزا الٰہی بخش اور حکیم حسن اللہ خاں۔ محبوب علی وطن سے غداری کر رہے تھے اور انگریزوں سے ساز باز کئے ہوئے تھے۔ مگر نواب زینت محل کو انگریزوں سے دلی دشمنی تھی۔ اس لئے بہادر شاہ کو آمادہ کیا کہ وہ حریت نواز فوجوں کی سرپرستی کرے۔ غرض کہ بادشاہ کو بھی حریت نواز فوجوں سے دلچسپی ہونے لگی۔ ایک کونسل بنائی گئی اور وزیر جنگ جواں بخت مقرر ہوئے۔ فوج کے کمانڈر مرزا مغل ہوئے اور دوسرے شہزادوں کو بھی فوج کے عہدے دئے گئے۔ ایک پلٹن کی نگرانی نواب زینت محل کے سپرد ہوئی۔ عمائد شہر کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ بادشاہ کی رائے یہ ہوئی کہ میرٹھ پر حملہ کیا جائے اور تمام امرائے ہند کو بادشاہ نے مراسلے روانہ کئے چاروں طرف سے جوق جوق فوجی اور مجاہد آنے لگے۔ بریلی سے جنرل بخت خاں بھی آگئے۔ خضر سلطان فوج لے کر انگریزوں پر حملہ آور ہوئے۔ مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جنرل بخت خاں روہیلہ بڑا بہادر جنرل تھا اس کو لارڈ گورنر بنایا اور اسکے مشورہ بغیر بادشاہ کوئی کام نہ کرتے۔ یہ بات مرزا مغل کو کھٹکی اور آپس میں رنجش بڑھ گئی۔ بخت خاں نے انگریزوں سے چند مقابلے کئے جس میں انگریز مقابلہ پر شکست کھا گئے مگر مرزا صاحب

Marfat.com

اور خاں صاحب کی کشمکش نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ خضر سلطان بخت کے ہمنوا تھے۔ جب بازی ہرتی ہوئی دیکھی بخت خاں نے بادشاہ سے کہا کہ میرے ساتھ یہاں سے نکل چلئے۔ یہاں اسی ہزار فوج بیکار جمع ہوئی۔ روہیلکھنڈ میں خدائی پچاس ہزار فوج جھنڈے تلے جمع کردوں گا وہیں انگریزوں سے فیصلہ کن جنگ کر لی جائے گی۔ بادشاہ رضامند ہو چلے تھے۔ مگر مرزا الٰہی بخش نے نواب زینت محل کو ڈرادیا کہ یہ روہیلہ نواب غلام قادر خاں کا قرابت دار ہے۔ بادشاہ کو آگے رکھ کر انگریزوں کو مار بھگائیگا اور پھر خود ہندوستان کا بادشاہ بن جائیگا۔ میں انگریزوں سے رجب علی کی معرفت بادشاہ کی صفائی کرائے دیتا ہوں۔ زینت محل نے بادشاہ کو سمجھا بجھا کر آمادہ کر لیا کہ وہ بخت خاں کو انکاری جواب دیدیں، چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ بخت خاں اپنی فوج لیکر لکھنؤ چلتا ہوا۔ دلی پر انگریزی فوج قابض ہوگئی قتل عام ہونے لگا۔ بادشاہ قلعہ سے نکل کر مقبرۂ ہمایوں آگئے۔ سانڈرس ظالم ان کی گرفتاری کے لئے مقبرہ آیا۔ اس نے دھوکہ سے سب کے ہتھیار رکھوا لئے۔ مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان کو معہ بیس شہزادوں کے گرفتار کرکے کوتوالی کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا اور ان کے سر کاٹ کر خوان میں بادشاہ کے آگے بھیجدیئے۔ بادشاہ اور زینت محل اور جواں بخت زینت محل میں لے جا کر نظر بند کر دئے گئے بادشاہ پر مقدمہ چلا۔ اس کے بعد انہیں رنگون بھیجدیا گیا۔ جہاں کلفت میں

Marfat.com

ان کا انتقال ہو گیا۔

شہزادوں کی سڑک پر پڑی ہوئی لاشیں پھر دفن کر دی گئیں۔ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں :-

نہال گلشنِ اقبال پائمال ہوئے گلِ ریاضِ خلافت لہو میں لال ہوئے
یہ کیا کمال ہوئے اور کیا زوال ہوئے کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے

جو عطر گل کو نہ ملتے ملے وہ مٹی میں
جو فرشِ گل پہ نہ چلتے ملے وہ مٹی میں

نواب تفضل حسین خاں والیِ فرخ آباد

پہلی جنگ آزادی کے مشاہیر انقلابیوں میں نواب تفضل حسین خاں کی شخصیت بھی نمایاں ہے۔ انگریزی حکومت کو ختم کرنے میں مولوی عظیم اللہ خاں کان پوری مولوی احمد اللہ شاہ کے ہمنوا تھے۔

خاندان نواب تفضل حسین خاں ابن نواب عنایت حسین نصرت جنگ ابن نواب خادم حسین شوکت جنگ ابن امداد حسین خاں ناصر جنگ ابن دلیر ہمت خاں مظفر جنگ ابن احمد خاں غالب جنگ ابن امام خاں ابن نواب قائم خاں ابن نواب محمد خاں غضنفر جنگ بنگش (تاریخ فرخ آباد ولی اللہ قلمی) نواب محمد خاں کے جد بنگشات

Marfat.com

سے عہد فرخ سیر میں ہند میں وارد ہوئے اس زمانہ میں نواب مرتضیٰ خاں کے جد بھی آئے۔ ہر دو یک جدی تھے۔ مرتضیٰ خاں کے صاحبزادہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ تھے۔

بنگشوں کے کارنامہ روہیلوں کے ساتھ مشہور ہیں نواب احمد خاں اور نواب قائم خاں کی امرائے ہند میں شخصیت امتیازی درجہ رکھتی تھی نواب تجمل حسین خاں بڑے لخلخہ کے امیر تھے جو نواب تفضل خاں کے چچا تھے۔ ان کی داد و دہش کی بڑی دھوم تھی۔ دور دور کے اہل علم اور شعرا ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ منیر شکوہ آبادی بھی انکے دربار کے شاعر تھے۔ نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب کو نواب نے فرخ آباد آنے کی دعوت دی تو مرزا صاحب جاتے جاتے رہ گئے مگر مرزا غالب نواب تجمل حسین خاں کے بڑے مداح اور انکی سخاوت کے معترف تھے فرماتے ہیں ؎

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

حضرت منیر شکوہ آبادی نے نواب تجمل حسین خاں کے متعلق زاد راہ بھیجنے پر یہ قطعہ لکھا ؎

امیر عہد تجمل حسین خاں نواب — خطاب جن کا ظفر جنگ نام ہے اعلیٰ
زمانہ میں انھیں کہتے ہیں لوگ حشمت جنگ — نہ سپہر کرم فیض عام میں یکتا
انھوں نے شفقہ معہ صرف راہ بھیجا ہے — طلب کیا ہے کمال اشتیاق سے بخدا

Marfat.com

چلا ہوں لکھنؤ سے سوئے فرخ آباد میں آج؛ ہزاروں حسرتیں رنج و ملال ہیں ہیں صدا
فراق لکھنؤ سے ہے منیر یہ ـــــ تاریخ بہشت ہند سے افسوس! ہائے ہیں نکلا

دوران قیام فرخ آباد میں منیر نے ایک قصیدہ لکھ کر نواب کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

قلزم فیض کے کس کے ہوئے پیدا گوہر اپنے کوزوں میں لئے پھرتے ہیں دریا گوہر
آبرو آپ کی خدمت میں بڑھی ہے ایسی! بن گیا اختر تقدیر ہمارا گوہر

نواب نے اس قصیدہ کے صلہ میں ایک خلعت زریں اور زنجیر طلائی عطا کی۔ نواب تجمل حسین کا انتقال ۱۸۴۶ء میں ہوا۔

نواب تفضل حسین خاں بطن سلطان عالیہ سے ۵ ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ کو پیدا ہوئے۔ تربیت نواب تجمل حسین خاں کی آغوش میں پائی وہ لاولد تھے۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد نواب تفضل حسین خاں جانشین ہوئے انتظام ریاست کو بڑے قابلیت سے انجام دیا گیارہ برس انھیں حکومت کرتے ہوئے گزرے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی رونما ہوئی۔ نواب خاندان بنگش کا وہ فرد محترم تھا جس کے باپ دادا انگریزوں کے سایہ میں پلے وہ خاموش کیسے بیٹھتا۔ یہ بھی وقت کے تقاضے سے رنگ لائے بغیر نہ رہ سکا تجمل حسین کمانڈر انچیف انگریزی حکومت سے بغاوت کرکے سیتا پور سے پلٹنوں اور توپخانہ کے ساتھ نواب کے علاقہ میں داخل ہوا۔ نواب نے اس کی دستگیری کی اور ہر قسم کی مالی اور مجاہد افغانوں اور اسلحہ جنگ سے مدد کی تمام حریت نواز

Marfat.com

نواب کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ نانا راؤ پیشوا اور عظیم اللہ خاں سے نام و پیام پہلے سے تھے۔ چنانچہ نواب نے بھی وطن پرست امراء کے ساتھ اپنی خود مختار حکمرانی کا اعلان کر دیا اور بہادر شاہ کے پاس اپنا وکیل مطلق بھیجا۔ سات ماہ تک کامل ضلع فرخ آباد پر حکمرانی کی۔ انگریز افسر بھاگ کھڑے ہوئے۔ انگریز فوج بنگش پٹھانوں سے مار کھا گئی۔

احمد یار خاں ناظم اور محسن علی خاں یہ آزاد فوج کے سردار تھے۔ کچھ عرصہ بعد شاہ دہلی نے اپنی نیابت سلطنت منظور فرمائی۔ اور خلعت و سند سے نوازا۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی) اور باغی علماء) انگریزی فوج سے دو چار جگہ معرکہ جنگ رہا۔ مگر دلی پر انگریزی قبضہ ہو جانے سے انکے ساتھی دغا دے گئے۔ انگریز نے پوری طاقت سے فرخ آباد پر یلغار کر دی۔ یہ رنگ دیکھ کر نواب نے ۱۸۵۹ء میں اپنے کو گورنمنٹ کے حوالہ کر دیا۔ ان پر بغاوت اور قتل کے مقدمے قائم کر دئے گئے میجر بیزدر نے گرفتار کرتے وقت وعدہ کیا تھا کہ اگر کسی یوربین کو تم نے قتل نہیں کیا ہے جان بخشی کی جائے گی۔ چنانچہ میجر ہی اسپشل کمشنر مقرر ہوا۔ اور حریت نوازوں کے مقدمات کی سماعت سپرد ہوئی۔ نواب پر جرم قائم کر کے پھانسی کا فیصلہ کمشنر نے دیا۔ ان کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں جنھوں نے مقابلہ پر انگریزوں کو شکست دی تھی وہ سزایاب ہوئے اور ان کو پھانسی دیدی گئی۔ منیر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ لکھا ہے

ریاضِ خلق سخاوت حسین خاں نواب — نہالِ باغِ کرم زیب مسند شوکت
جوان قابل و فرزند خاص نصرت جنگ — سلام آلِ نبی سیم ور قمر طلعت
سخاوت اور مروت میں بے نظیر جہاں — ریاست اور امارت کے واسطے زینت
ہر ایک دل میں جگہ اسکی جان سے بڑھ کر — ہر ایک زباں پہ اس کا وظیفہ در حجت
زمانہ اس کی مروت پہ اس طرح شیدا — مشامِ روح ہو جس طرح عاشق نکہت
وہ بے گناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول! — عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت

منیر نے یہ کہی اس کے قتل کی تاریخ
ہوا شہید امیر اسیر باہمت

نواب اقبال مند خاں بہادر اور نواب غضنفر حسین خان بہادر ہر دو نواب تفضل حسین خاں کے ساتھ شریک جنگ آزادی تھے۔ چنانچہ انگریز نے ان دونوں کو باغی قرار دے کر دار پر چڑھا دیا سے

اقبال منیر خاں و غضنفر حسین خاں — دونوں در محیط عطا آہ آہ ہائے
دونوں جوان نیک مخیّر و ذی حشم — مقتول تیغ تیر قضا آہ آہ ہائے

تاریخ اس کے قتل کی کافی ہے یہ منیر
دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے

نواب تفضل حسین خاں نے اپیل گورنر جنرل کے یہاں کی مگر گورنر جنرل نے سزائے موت ہٹا دی اور یہ شرط رکھی کہ نواب برطانیہ کے علاقہ سے کہیں دوسرے ملک میں جا کر بسیں اور اگر کبھی لوٹیں تو سزا قائم رہے گی۔ چنانچہ نواب ۱۸۵۹ء کو جہاز پر عدن روانہ ہو گئے۔

Marfat.com

اور وہاں سے حجاز جاکر مکہ معظمہ میں رہنے سہنے لگے۔ ان کا کل علاقہ فرخ آباد ضبط کر لیا گیا اور خاندان کے بڑے لوگوں کو پھانسی دیدی گئی چند کو سزائے قید ہوئی۔ ان کے اہل خاندان پر سخت مظالم کئے۔ خواتین دانہ دانہ کو محتاج کر دی گئیں۔ نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۵ھ میں حج کو گئے تو نواب تفضل حسین خاں سے بھی ملے۔ نواب فقراء کی صف میں کھڑے ہوئے تھے اور مثل گداگروں کے متمنی امداد تھے۔ نواب صدیق حسن خاں یہ حال دیکھ کر رو پڑے اور ان کو گلے سے لگا لیا۔ اور اپنے قیام گاہ پر لاکر رکھا۔ ایک نیا جوڑہ بنا کر دیا (زنانہ صدیقی) اور مالی مدد دی۔ آخر ش نواب نے بحالت کلفت ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا۔ مکہ معظمہ میں سپرد خاک ہوئے ——— یہ تھی وطن پرست کی روداد ———!

مولوی حکمت اللہ خاں شہید فتحپوری

فتحپور ہسوا کانپور سے ۴۸ میل جانب الہ آباد واقع ہے۔ یہاں مسلمانوں کی زیادہ آبادی ہے۔ چھٹی پلٹن کے پچاس سپاہی یہاں تھے۔ جج، مجسٹریٹ، کلکٹر و اسسٹنٹ مجسٹریٹ انگریز تھے۔ مولوی حکمت اللہ ڈپٹی مجسٹریٹ و ڈپٹی کلکٹر ایک مسلمان افسر تھے۔ مولوی صاحب بڑے عبادت گذار اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے مگر انگریز

Marfat.com

حکام کی سخت گیریوں سے نالاں تھے۔ انگریزی حکام مالگذاری بڑے جور اور ظلم سے وصول کرتے تھے۔ زمیندار نے اگر مالگذاری میں دیر کی ہے تو اس کو درخت سے باندھ دیا اور بھوکا پیاسا بندھا ہوا ہے آخر اس کے عزیز زیور فروخت کر کے مالگذاری داخل کرتے اور زمیندار کی جان چھڑاتے۔ زمیندار کاشتکاروں سے سختی سے لگان وصول کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر متنفس انگریز سے نفرت کرتا تھا۔ میرٹھ کے واقعہ سے اہل فتحپور دلچسپی لے رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے کہ کانپور یا لکھنؤ سے حریت نوازوں کی فوج آجائے اور ان ظالم حاکموں کا قلع قمع کردے۔ چنانچہ جو انگریز یہاں محکمہ نمک و افیون کے افسروں میں سے تھے ان سے ان کے ملازمین تک بے رحمی کا برتاؤ کرتے۔ مولوی حکمت اللہ بھی اپنے بھائیوں کے دلوں کے حالات سے خوب واقف تھے۔ یہ کچھ زمانہ تک کانپور میں تحصیلدار رہے تھے شہاب الدین خاں دفعدار جو پلٹن میں تھا اور فتح پور میں عظیم اللہ خاں یہ خاص آدمی تھا وہ ان کا ملاقاتی تھا۔ وہ یہاں آکر ان سے روزانہ باتیں کیا کرتا تھا۔ مجسٹریٹ کو بھی شہر کی چہ میگوئیوں کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ اس نے تمام انگریزوں کو اپنی کوٹھی پر جمع کیا اور باہمی مشورہ سے الہ آباد میموں کو بھیجدیا۔ ۷ جون کو پلٹن نمبر ۵۶ اور دوسرا رسالہ کانپور جاتے ہوئے گذرا۔ انھوں نے خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ چھٹی رجمنٹ کے ۵۰ سپاہی محافظ تھے۔ انھوں نے کہا کہ بھائیو یہ ہمارے لئے چھوڑ کر

Marfat.com

ہمیں بھی فرنگیوں سے مقابلہ کرنا ہے۔ چنانچہ وہ فوجی ہنستے ہوئے کانپور چلے گئے۔ یہ دیکھ کر مجسٹریٹ وغیرہ ۸ رجون کو رات کے وقت گھوڑوں پر فرار ہو گئے۔ جج فتحپور میں رہا۔ آخرش چھٹی رجمنٹ نے بھی پادری کے مکان کو نذر آتش کیا کہ یہ عیسائیت کی تبلیغ کیا کرتا اور بزرگان دین کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ اس کی کوٹھی جلا کر جج کو آ کر گھیر لیا۔ اس نے گولیاں چلائیں کچھ نہتے مارے گئے جس پر فوجیوں نے گرفتار کر لیا اور پنچوں کے سامنے پیش کیا گیا انھوں نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیر کاٹ دئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پورے فتحپور پر حکمت اللہ اور ان کے ساتھیوں کا قبضہ تھا۔ یہ انتظار تھا کہ کانپور میں نانا راؤ نے جو حکومت قائم کی ہے اس سے تعلق کر لیا جائے۔ مگر کچھ عرصہ بعد رنگ دوسرا ہوا کہ ہیولاک مع فوج کے فتحپور آیا اور اہل شہر کو توپوں کے دہانہ پر رکھ لیا۔ حکمت اللہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر مقدمہ چلا اور پھانسی پر لٹکا دئے گئے۔ ان کا مزار مولانا نجم الدین شاہ کی خانقاہ کے سامنے آج بھی موجود ہے۔ شاہ صاحب روزانہ بعد نماز فجر اس مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ راقم السطور نے ۱۹۲۵ء میں زیارت کی۔

(تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۳۸۹ و ۳۹۲ و ۳۹۸)

Marfat.com

Marfat.com

لکھنو قیصر باغ۔انگریزوں کی بہیمانہ حرکتوں اور لوٹ مار کا ایک اور روح فرسا منظر

Marfat.com

مرزا برجیس قدر بہادر

مرزا برجیس قدر بہادر پیا جانِ عالم واجد علی شاہ نواب لکھنؤ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ پہلی جنگ آزادی میں اس کم سن نواب زادے نے انقلابیوں کے پہلو بہ پہلو انگریز کی فوج سے مقابلہ کر کے اپنے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت پر قبضہ کیا اور چند ماہ حکمرانی بھی کی۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی اور مولوی عظیم اللہ کانپوری سربراہ کار نانا راؤ پیشوا۔ شہزادہ فیروز شاہ جنرل بخت خاں۔ جنرل مرزا مغل سی انقلابی ہستیوں کے ساتھ اپنے ملک کو...... آزاد کرانے میں برجیس قدر نے برابر کی شرکت کی۔

احمد اللہ شاہ اور عظیم اللہ کی پہلی جنگ آزادی کی اسکیم قبل از وقت مئی ۱۸۵۷ء میں شروع ہو گئی۔ عظیم اللہ نے بٹھور (کانپور) نانا راؤ پیشوا کو کانپور سے پونا تک مہاراجہ بنایا اور کانپور پر قبضہ کیا۔ انگریز نکال دیئے گئے۔ بہادر شاہ نے دلی میں اپنی شہنشاہی کا اعلان کیا۔ تخت اودھ کا تاجدار کلکتہ میں نظر بند تھا۔ اس موقعہ پر لکھنؤ کی راجدھانی بلا تاج و تخت کے حریت نوازوں کو کھٹکی۔

مرزا علی رضا کو نوال شہر اور راجہ بلے لال سنگھ نصرت جنگ

Marfat.com

ابن راجہ غالب جنگ رئیس الاحرار. میر نادر حسین۔ محمد قاسم خاں جو انگریزوں کے مظالم سے تنگ آچکے تھے۔ انھوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ ایک متفقہ رائے سے طے کیا کہ نواب ملکہ عہد کے بیٹے مرزا دارا سطوت کو ان کے باپ کے تخت سلطنت لکھنؤ پر بٹھایا جائے۔ چنانچہ یہ حضرات نواب ملکۂ عہد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کی کہ مرزا دارا سطوت بہادر کو بادشاہِ اودھ ہم لوگ بنانا چاہتے ہیں۔ اور تین لاکھ روپیہ نذرانہ کا آپ ہم کو لوازم شاہی کے لئے مرحمت فرمائیں گی۔ نواب ملکۂ عہد نے جواب میں کہا۔ نواب شجاع الدولہ کمپنی بہادر سے تو مقابلہ کر نہ سکے تھے۔ ہم لوگ کمپنی بہادر کی زبردست فوج سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں۔ راجہ جے لال سنگھ وغیرہ یہاں سے رخصت ہو کر نواب خاص محل کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا، مرزا نوشیرواں قدر بہادر جو ولی عہد بہادر کے بڑے بھائی ہیں۔ ہم لوگ ان کو مسند نشین کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی گو مگو میں رہیں۔ اتنے میں شمشیر الدولہ بہادر محل میں آگئے اور ان سب سے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ نواب مرزا برجیس قدر بہادر کو گو کمسن ہیں مگر وہ اس تاج و تخت کا زیادہ مستحق ہے اور ہماری مرضی کے مطابق وہ امور سلطنت انجام دے سکے گا۔ چنانچہ یہ سب لوگ حضرت محل کے پاس پہنچے۔ وہ بڑی خاطر و مدارات سے پیش آئیں اور انھوں نے فرمایا کہ آپ صاحبوں

Marfat.com

کی جو رائے ہو وہ مجھے منظور ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے بطن سے جو بچہ ہے وہ اپنے باپ کو آزادی دلانے کے لئے سربکف میدانِ عمل میں آپ لوگوں کے ارشاد پر آرہا ہے۔ نواب ممو خاں اس معاملہ میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ ۱۲ ذیقعدہ بروز یکشنبہ ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء کو ۶ بجے شام قصرالخاقان میں مرزا رمضان علی خاں الملقب مرزا برجیس قدر اور امرائے شہر افسران فوج جمع ہوئے اور اس وقت مرزا برجیس قدر کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ نواب ممو خاں بہادر نے مرزا برجیس قدر کو تخت اودھ پر بٹھایا۔ شہاب الدین اور سید برکات احمد رسالدار اور راجہ جے لال سنگھ نے مندیل شاہی برجیس قدر کے سر پر رکھی۔ مبارکباد کا غلغلہ بلند ہوا۔ شعرائے لکھنؤ نے قیصدے پڑھے۔ عمائد شہر اور ارکان سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ جہانگیر بخش صوبہ دار توپ خانہ فیض آباد نے افسر گولنداز۔ دوست محمد خاں کو حکم دیا۔ انھوں نے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی سر کی۔ نواب عالیہ حضرت محل حکومت کی نگراں مقرر ہوئیں۔ شرف الدولہ بہادر کو خلعت نیابت عطا ہوا خلعت کوتوالی مرزا علی رضا بیگ کو ملا۔ میر نادر علی مہتمم روند ہوئے۔ خلعت جرنیلی حسام الدولہ بہادر کو عطا کیا گیا۔ میر واجد علی خاں الملقب ممو خاں بہادر داروغہ دیوان خاص کے عہدہ پر سرفراز کئے گئے۔ اس کے بعد سب نے حضرت محل اور شاہ برجیس قدر کو پھر نذریں پیش کیں۔ اس کے بعد تمام تعلقہ دارانِ اودھ کے نام ضابطہ سے حکمنا نے

جاری کئے گئے۔

جنرل حسام الدین کو حکم دیا گیا کہ ۱۳ پلٹنیں نجیب کی بھرتی کریں خان علی خاں پیارے صاحب ابن میر یوسف داروغہ مقرر ہوئے میر صفدر علی محمد تقی خاں۔ میر نادر حسین۔ جواہر علی خاں۔ ہلال خاں۔ اعجاز علی خاں۔ قاسم علی خاں۔ بہادر مرزا۔ اصغر علی۔ محمد حسن خاں۔ ہر ایک جدا جدا بٹالین کے افسر مقرر کئے گئے۔ (قیصر التواریخ جلد ۲ صفحہ ۳۳۷)

روزانہ قصر الخاقان میں شاہ برجیس قدر کا دربار ہوتا۔ پردے کے پیچھے نواب حضرت محل تشریف رکھتیں اور جملہ اراکین سلطنت شریک ہوتے۔ لکھنؤ میں برجیسی تھانہ چوکی بٹھا دیئے گئے —— مالگذاری کی تحصیل کی جانے لگی۔

مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی فیض آباد کی جیل سے چھوٹ کر آئے۔ ہزارہا مجاہد ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ گھاس منڈی میں قیام فرمایا۔ انھوں نے آتے ہی نصف لکھنؤ پر قبضہ کر لیا اور اپنی طرف سے تھانہ چوکی مقرر کر دیئے۔ شاہ صاحب کا اثر دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور ان کی ہی یہ اسکیم بھی جنگ آزادی کی بنائی ہوئی تھی۔ ممو خاں اور حضرت محل نے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا کہ برجیس قدر آپ کی سرپرستی میں پیش کرتی ہوں شاہ صاحب نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ مگر یہ طے کر لیا کہ وہ دربار میں شریک نہ ہوں گے اپنے بوریئے پر بیٹھے رہیں گے۔ آئندہ

Marfat.com

امورِ سلطنت آپ کی رائے کے بغیر انجام نہ دیئے جائیں —— ممو خاں کو یہ بات کھٹکی۔ مگر شاہ صاحب کے اقتدار سے واقف تھا۔ اس وقت ہر بات منظور کر لی۔ مگر بعد کو اختلاف کرنے لگا۔

انگریزی فوج چاروں طرف سے سمٹ کر بیلی گارد میں جا چھپی تھی۔ تمام حکام انگریز لکھنؤ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

مولوی احمد اللہ شاہ نے فوج کی کمان ہاتھ میں لی اور ۳۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو بیلی گارد پر حملہ کر دیا۔ مگر ممو خاں نے اس وقت کمزوری دکھائی۔ شاہ صاحب کا پیر زخمی ہوا اور اس وقت مورچہ بیلی گارد فتح ہوا۔ ایک لاکھ فوج برجیس قدر کی جمع ہو گئی تھی۔ مرزا برجیس قدر خود فوج کی کمان لے کر انگریزی فوج کے مقابل ہوئے —— کئی جگہ انگریزوں کو شکست ہوئی۔ معرکہ عالم باغ میں راجہ مان سنگھ نے دادِ شجاعت دی۔ انگریزوں کو شکست ہوئی۔ صرف گیارہ روز میں اودھ کے کسی ضلع میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے کوئی حاکم نہ رہا تھا اور انگریزی عملداری خواب معلوم ہوتی تھی۔ کچھ عمائد شہر اور ارکانِ سلطنت میں سے انگریزی حکومت سے ساز باز کر گئے۔ اندرونی انتظام کے حال کی اطلاع دیدی گئی۔ چنانچہ سر کالن کمبل خود فوج کان پور سے لے کر آیا۔ شاہ صاحب نے دو مرتبہ اس کو مقابلہ پر شکست دی۔ مگر جنرل اوٹرام کی سرکردگی میں نیپالیوں کی تازہ دم فوج آگئی۔ فریکس بھی تازہ دم فوج لے کر امیٹی آگیا۔ غرض کہ لکھنؤ پر زبردست

Marfat.com

حملہ ہوا۔ خان علی خاں نے مقابلہ کیا اور زخمی ہوئے۔ چونکہ پھر برجیسی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور حضرت محل برجیس قدر کی گرفتاری کے خوف سے ۱۶ر مارچ ۱۸۵۸ء کو نیپال روانہ ہوگئیں۔

عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں:۔

ایک لاکھ کا مجمع بھی ان کے ہمراہ تھا۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے اس کے بعد لڑائی جاری رکھ کر برجیس قدر اور حضرت محل کے لئے آزادی کے ساتھ چلے جانے کا موقع دیا۔ پھر شاہ صاحب نے موقع کی نزاکت کا لحاظ کر کے خود بھی لکھنؤ سے ہٹ کر شاہجہاں پور پہنچے۔ وہاں حضرت محل بھی آگئیں۔ برجیس قدر ساتھ تھے۔ مگر اپنے ساتھیوں کی روش سے دل برداشتہ ہو کر پھر دریائے گھاگرا عبور کر کے مقام بوندی میں ماں بیٹے پہنچے اور وہاں سے نیپال چلے گئے۔

مرزا رمضان علی نا کام | شد جانب کوہ چوں سبک تاز
تاریخ روانگی جو جستم | نیپال شتافت آمد آواز[1]

حکومت نیپال نے حضرت محل اور برجیس قدر کو اپنے یہاں پناہ دی۔ باقی ایک لاکھ فوج اور امرائے سلطنت برجیسی معہ ممو خاں کے ہمالیہ کی گھاٹیوں میں جا چھپے یہ ممو خاں کی وجہ سے ہوا کہ اس کا خیال تھا کہ راجہ نیپال اس موقعہ پر ہماری مدد کرے گا اور اسکی راستے میں برلشکر یہاں تک آیا اور مولوی احمد اللہ شاہ کو چھوڑ آئے۔

[1] تاریخ اودھ حصہ پنجم صفحہ ۸۶

Marfat.com

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ناکام رہے اور انھوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اور فوج کے سپاہیوں نے بھیس بدل بدل کر کسی نہ کسی طرف چلتے ہوئے اور ہزاروں جنگل ہی میں رہ پڑے۔ محمد خاں گرفتار ہو کر کالے پانی گئے۔ غرض کہ ماں بیٹے نیپال میں مقیم ہو گئے۔ راجہ کی طرف سے وظیفہ مقرر ہو گیا۔ جس قدر جواہرات ساتھ تھے وہ راجہ کے قبضہ میں گئے ۱۸۷۹ء میں حضرت محل انتقال کر گئیں۔

وکٹوریہ کی جوبلی پر برطانیہ نے مرزا برجیس قدر پر سے پابندی ہٹا لی۔ برجیس قدر کلکتہ آئے۔ واجد علی شاہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مرزا قمر قدر کو حکومت نے ان کے اثاثہ کا نگراں مقرر کر دیا تھا۔ وہی وظیفہ پا رہے تھے۔ برجیس قدر نے اپنے حق کا دعویٰ کیا اور انگلستان جانے کی تیاری کی کہ ان کے اہلِ خاندان نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی دعوت کی۔ وہاں کھانے میں زہر ملا ہوا تھا۔ کھانے والوں کو دست و قے لگ گئے اور سب کی زندگی ختم ہو گئی۔

واجد علی شاہ نے اپنی مثنوی حزن اختر میں مرزا برجیس قدر کا ذکر کیا ہے :-

جو وہ جو تھا شہزادہ ہے رشکِ بدر — اسے لوگ کہتے ہیں برجیس قدر
وہ ۱۴۱ برس کا ہے کچھ شک نہیں — کہوں کیا کہ ہے وہ کہیں کا کہیں
ملا دوں جو حضرت سے لفظِ محل — تو نام اس کی ماں کا کھلے برمحل
جو بگڑی تھی آگے سے انگریزی فوج — اسے لے گئی جیسے دریا کی موج
وہ اب قبضۂ مفسداں میں ہے آہ — بنا ہے اپنا اسے بادشاہ[۵۲]

سلہ مشرقی تمدن کا آخری نمونہ ص۲۰ مثنوی حزن اختر صفحہ ۸۰

واجد علی شاہ

واجد علی شاہ ابن امجد علی شاہ ۱۳ر فروری ۱۸۴۷ء بعمر ۲۵ سال آبائی تخت پر متمکن ہوئے۔ نوجوانی کا عالم گو طبیعت میں رنگینی تھی مگر ملک کے نظام کی اصلاح کرنے کو آمادہ ہوئے فوج جدید طرز میں ترتیب دینا چاہی پرانی وضع ترک کر کے توانا و مضبوط آدمی بھرتی کئے۔ حکومت ناراض ہو گئی نواب نے ارادہ ترک کیا لارڈ ڈلہوزی نے کرنل سیمن کو اودھ دربار میں متعین کیا۔ اور اس کو خط کے ذریعہ آگاہ کیا کہ دو برس میں اودھ کا الحاق ہونا ضروری ہے۔ سلمن نے ملک کا دورہ کیا۔ تمام مصارف واجد علی شاہ کے ذمہ تھے اس نے رپورٹ پیش کر کے گورنر جنرل کو اودھ کے الحاق کی سفارش کی ادھر نمک خوار ملازم نکال دئے گئے۔ اور نمک حرام انعام سے نوازے گئے۔ سلیمن کے بعد ۵ ستمبر ۱۸۵۴ء کو اوٹ رم مقرر ہوا اس نے آتے ہی ۳۱ر جنوری ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کو گورنر جنرل کا پیغام معزولی سنایا نواب نے بہت کچھ التجا سے کام لیا۔ مگر شنوائی نہ ہوئی۔ کلکتہ روانہ کر دئے گئے۔ فوجیوں کی برخواستگی نے اودھ کے علاقہ میں انگریز کے خلاف

Marfat.com

ایک تحریک شروع ہوگئی دو پلٹنیں اودھ آرمی کی بارک پور روانہ کی گئیں۔ جنھوں نے وہاں فوجوں میں آزادی کے خیالات پھیلانا شروع کر دیئے۔ منگل پانڈے اس تحریک پر گولی کا نشانہ بنا۔ نواب اودھ کی معزولی کو ایک سال نہ گذرا تھا انقلاب ۱۸۵۷ء رونما ہوا تو واجد علی شاہ کو بھی فورٹ ولیم میں نظر بند کر دیا گیا۔[۵]

برس گذرا ہم کو جو اسے خوش سیر — یکایک جہاں میں اڑی یہ خبر
کہ بلوائی کچھ جمع ہونے لگے — وہ تھا مقدر کا [illegible]نے لگے
ہوئی خوب برگشتہ انگریزی فوج — امنڈتی ہے جس طرح دریا کی موج
میں سوتا تھا غفلت کا جاگا ہوا — مقدر ادھر مجھ سے بھاگا ہوا
یکایک یہ غل کان میں آ گیا — غضب ہو گیا ہے ستم چھا گیا
کوئی بولا کیا کیجئے اے بادشاہ — علی نقی خاں ہوئے قید آہ
جو کلکتہ کے قلعہ میں ہیں رہا — تو ان لوگوں نے ساتھ میرا دیا
یہ قیدی ہوا بند جب سے نگاہ — تو کی پہرے والوں نے حالت تباہ[۵]

۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ نے ایک وفد ملکہ انگلستان کے پاس روانہ کیا۔ جناب عالیہ ملکہ کشور اور مرزا ولی عہد بہادر و مرزا سکندر حشمت اور مسیح الدین خاں کاکوروی وغیرہ وفد میں شریک تھے۔ ملکہ وکٹوریہ سے ملاقات کی اُدھر انقلاب ۱۸۵۷ء ہوا عرضداشت قبول نہ ہوئی۔ جناب عالیہ ملکہ کشور کا فرانس میں انتقال ہو گیا۔

۵ مثنوی حزن اختر صفحہ ۶۳

Marfat.com

مرزا سکندر حشمت بھی فوت ہوتے اور مرزا ولی عہد کلکتہ آ گئے۔ آزادی کی تحریک ناکام ہوئی۔ انگریزوں کا تسلط برقرار رہا۔ واجد علی شاہ مٹیا برج میں منتقل کر دیئے گئے۔ جہاں اپنی زندگی کے دن گذارنے لگے۔ شعر و شاعری کا شغل تھا۔ شعرا کا جمگھٹا ساتھ تھا نظم و نثر میں کتابیں لکھ ڈالیں ۳ محرم ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں انتقال ہوا۔

ماخذ۔ قیصر التواریخ۔ تاریخ اودھ نجم الغنی۔ تاریخ بغاوت ہند ڈاکٹر مکند لعل۔ پیام جانعالم۔

جنرل بخت خاں روہیلہ

جنرل بخت خاں سلطان پور کا رہنے والا تھا روہیلکھنڈ اور نواب لکھنو سے قرابت قریبہ تھی۔ جنرل صاحب نے سرکاری فوج میں نوکری کر لی۔ بہت جلد ترقی کر کے رسالدار ہو گئے۔ کابل وار میں مسٹر رسل کے ساتھ کارہائے نمایاں کئے توپ خانہ کے انچارج کر دیئے گئے اور صوبہ دار بنا دیئے گئے۔ واپسی پر چھاؤنی نصیر آباد رہے۔ بریلی آ گئے۔ نواب بہادر خاں جو حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے پوتے اور صدر الصدور کے عہدہ پر ممتاز تھے ان سے تعلقات ہو گئے۔ انگریز افسروں کے طرز عمل سے جنرل صاحب

Marfat.com

ان سے بیزار سے تھے میرٹھ سے انگریزی مظالم کے خلاف بغاوت کی صورت سے جنگ آزادی شروع ہوئی وہاں سید حسین علی بریلوی رسالدار فوجی محبان وطن کے سرگروہ تھے۔ ملک میں انگریز سے منافرت پہلے سے تھی اور خفیہ طور پر مولوی احمد اللہ شاہ۔ نانا راؤ اور عظیم اللہ اور نانا تیا ٹوپے انگریز سے بغاوت کی اسکیم چلا رہے تھے۔ جگہ جگہ ان کے نقیب فقرا کے بھیس میں انگریز سے منافرت پھیلا رہے تھے۔ جنرل صاحب نے نواب بہادر خاں کو آمادہ کیا کہ وہ بریلی کی حکومت کو ہاتھ میں لیکر روہیلکھنڈ کی فرمانروائی کریں اور سند حکومت کے لئے خود دہلی بادشاہ کے پاس پہنچنے کی ٹھانی۔

نانا صاحب نے اپنے بھائی طہا راؤ کو اپنا نمایندہ بنا کر نواب بریلی کے پاس بھیجا۔ جنرل صاحب نے طہا راؤ کو ساتھ لیکر پہلے بدایوں گئے۔ اور توپ خانہ ساتھ لیا اور فوج ہمراہ لی اور دلی پہنچے یہاں جو میرٹھ سے فوج آئی ہوئی تھی اور کچھ دہلی کی فوج ان سب نے مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنا رکھا تھا۔ مرزا مغل بہادر ضرور تھا مگر فوج کی قیادت آسان کام نہ تھا۔ شہر میں لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم تھا۔ جنرل صاحب دربار بہادر شاہی میں حاضر ہوتے تین لاکھ روپیہ پیش کیا۔ بادشاہ نے ان کی گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ یہ شخص فوج کی قیادت کا حقدار ہے لہذا ان کو تمام افواج کا کمانڈر انچیف کر دیا گیا۔ انھوں نے سب سے پیشتر شہر کا انتظام کیا۔ فوج جو غیر منظم حالت میں بھی اس کی

Marfat.com

درستی کی۔ چاروں طرف سے قافلہ جانبازی کے لئے چلے آرہے تھے نوے ہزار فوج ان کے زیر کمان ہوگئی تھی۔

مگر مرزا مغل کو جنرل صاحب کی آمد سے ایک گونہ ملال ہوا۔ اور وہ خود بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے ادھر بہادر شاہ کے سمدھی مرزا الٰہی بخش انگریز سے ساز باز کئے ہوئے تھے انھوں نے شہزادہ کو ورغلا رکھا تھا۔ جنرل نے انگریزوں سے خوب خوب مقابلہ کئے۔ مگر جن مورچوں پر مرزا مغل کو مقرر کیا وہیں سے جنرل کی اسکیم کو ناکامی ہوئی آخرش جنرل صاحب نے یہ رنگ دیکھ کر کہ انگریز کامیابی سے بڑھ رہا تھا اور بادشاہ قلعہ سے ہمایوں کے مقبرہ آگئے تھے ان سے التجا کی کہ دہلی کے بجائے دوسری جگہ مورچہ لگاکر انگریز سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں جو تدبیر کی جاتی ہے آپ کے ساتھی اس کی خبر انگریزی کیمپ کو دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ ہزارہا روہیلہ آپ پر قربان ہونے کو تیار ہیں۔ بادشاہ کچھ کچھ آمادہ ہوئے۔ مگر الٰہی بخش نے زینت محل کو گانٹھ لیا اور بادشاہ کو بھی ورغلایا وہ اس کے پھندے میں پھنس گئے آخرش اپنی فوج اور توپ خانہ کو لیکر جنرل صاحب لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں اپنی عزیزہ نواب سلطان بہو کے پاس ٹھہرے۔ حضرت محل نے بڑی تواضع و مدارات کی۔ بخت خاں نے مولوی احمد اللہ شاہ

Marfat.com

کے ساتھ ہو کر لکھنؤ اور شاہجہاں پور کے تمام معرکوں میں شرکت کی آخر میں نیپال کی ترائی میں فقیر بن کر اپنی زندگی ختم کر دی۔ اگر بادشاہ جنرل کے کہنے پر چلتے تو انگریز کا خاتمہ ہو چکا ہوتا اور نوے برس پیشتر ملک آزاد ہو چکا ہوتا۔[1]

رسالدار حسین علی بریلوی

رسالدار سادات نو محلہ بریلی سے تھے حضرت سید پہلے شاہ کے پوتے تھے۔ میرٹھ کی فوج میں رسالدار تھے۔ ان کے بھائی سید فیض علی نواب بہادر خاں کے احباب سے تھے ان کی شادی مولوی حسن رضا صدر الصدور آگرہ کے یہاں ہوئی یہ خاندان اجتہاد شکوہ آباد سے تھے۔ حسن رضا بھی جنگ آزادی میں شریک تھے جس کی وجہ سے پھانسی پر لٹکائے گئے۔ فیض علی انقلاب ۵۷ء میں پیش پیش تھے۔ ناکامی پر بریلی سے آگرہ آ گئے عرصہ تک روپوش رہے۔ ۱۹۰۵ء میں بعمر ۱۰۹ برس انتقال کیا۔ ملک

---

[1] داستان غدر۔ غدر کی صبح و شام۔ قیصر التواریخ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ جنرل بخت خاں روہیلہ از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی (مصنف علی گڈھ) و ۵۷ء کے ہیرو از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی۔

Marfat.com

باقر علی بلوری آپ کے داماد تھے ان کی ایک دختر مولوی اکرام اللہ صاحب تصویر الشعرا کو منسوب تھیں

ماخذ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما۔ اخبار روہیلکھنڈ بریلی ۱۷ر اگست ۱۹۵۵ء۔

سردار غوث محمد خاں

سردار غوث محمد خاں ابن سردار نور محمد خاں نبیرۂ امیر کبیر سردار خضر خاں رئیس سکندرہ راؤ غوث محمد کو نواب ولی داد خاں رئیس مالاگڑھ کی دختر منسوب تھی انقلاب ۵۷ء میں سردار غوث محمد خاں نواب ولی داد خاں کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت و مردانگی دیتے رہے۔ انگریزی فوج کے مقابلہ میں ایک موقع پر ان کو دریا سے گذرنا تھا گھوڑہ پر سوار تھے ابھی عبور نہ ہوتے تھے کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی نیچے آرہے اور تہ دریا ہوئے ان کی املاک کو گورنمنٹ نے ضبط کیا۔ ؎

مسٹر سایمل ایک عیسائی تھا وہ بھی حریت نوازوں کا ہمنوا ہوگیا۔ نواب ولی داد خاں سات معرکوں میں انگریز کے مقابل شریک رہا

؎ مولوی ارشاد علی خاں ایم اے پرنسپل اسلامیہ میرٹھ کالج سے حالات معلوم ہوئے۔

Marfat.com

پھر ان کے ذمہ شہدرہ سے مالگڈھ تک رسد کا انتظام سپرد کیا گیا۔ باغپت کے علاقہ میں کرم علی خاں ڈپٹی کلکٹر سے مقابلہ ہوا اس میں ساتھیوں کے ساتھ وطن پر قربان ہو گیا۔ [۱]

نواب محمد علی ابن نواب جنگ بہادر خاں جو راجہ دادری کے برادرزادہ تھے۔ دہلی پر تسلط کے بعد ان کے گھر میں انگریزی فوج داخل ہوئی انھوں نے فوجیوں سے مقابلہ خوب کیا تین یورپیوں کو بندوق کا نشانہ بنایا۔ آخرش خود بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ میاں امین صاحب بھوجلا پہاڑی پر رہتے تھے۔ مشہور و معروف انشا پرداز تھے۔ انگریزی سپاہی ان کے گھر میں گھسے۔ انھوں نے گولی سے ایک کو ٹھنڈا کیا سنگینوں پر ان کو رکھ لیا۔ اس پر بھی اپنے قاتل کو مار کر جاں بحق ہوئے۔ [۲]

رسالدار میجر سید ہدایت علی سردار بہادر ۵ نوسری متھرا اپنے عہدہ پر سرفراز تھے۔ چھوٹے لال خاں ہوائی کی جنگی سامان سے مدد کی۔ ان کے صاحبزادے بابو رحمت علی اور پوتے بڑے دوست ڈاکٹر سید قمر علی اکبرآبادی ہیں۔

---

[۱] غدر کا نتیجہ صفحہ ۲۲ [۲] غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۸

Marfat.com

علی محمد خاں حیمی گرین

علی محمد خاں۔ بریلوی نوابان روہیلکھنڈ کے خاندان سے تھے بریلی کالج میں تعلیم پائی عظیم اللہ خاں کے ہم سبق اور ماسٹر رام چند کے شاگرد تھے۔ پھر انجینیرنگ کالج میں داخل ہوئے اوّل درجہ پاس کیا مگر جمعدار کمپنی کی طرف سے ہوئے۔ پھر نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے ملازم ہوئے۔ مہاراجہ جنگ بہادر والیِ نیپال گورکھپور میں لکھنؤ کے خلاف تیاری کر رہا تھا انگلستان جانے کے لئے ایک لائق انگریزی داں سکریٹری کی ضرورت تھی۔ علی محمد کو رکھ لیا۔ مہاراجہ کے ساتھ انگلستان گئے ایڈنبرا ہوکر ہندوستان آئے۔ پھر عظیم اللہ خاں کے ساتھ ولایت گئے وہاں سے لوٹ کر بریلی کی پلٹن میں شریک ہوئے حضرت محل کی فوج کے چیف انجینیر مقرر ہوئے۔ آخرش گرفتار ہوئے اور پھانسی پر لٹکائے گئے۔

مولوی میر عمران علی ابن سید عاشق علی شاگرد شاہ عبد العزیز دہلوی امام عیدگاہ شاہی شاہزادوں کی تعلیم پر مقرر ہوئے۔ مرزا مغل کے ساتھ تھے۔ محلہ کلیان پورہ کی مسجد میں انگریز کی گولی کا نشانہ بنے۔ سید محمد فرقان علی مدنی یادگار سے ہیں۔

Marfat.com

مفتی عنایت احمد

مفتی عنایت احمد کاکوروی بعد تحصیل علمی سند حدیث شاہ محمد اسحاق سے لی۔ قانون پڑھ کر وکالت کی سند لی اُن کی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے گورنمنٹ نے ان کو منصفی کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

مفتی صاحب منصف ہو گئے تو ایک طرف طلبا اپنی کتابیں لے کر بیٹھے رہتے تھے جب موقع ملتا سبق پڑھ لیتے۔ ۱۸۵۷ء میں مفتی صاحب کا تقرر صدر اعلیٰ کے عہدہ پر ہوا۔ مگر ابھی نئے جدید عہدہ کا کام شروع نہ کیا تھا کہ جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ آپ بھی علما کے ہمنوا ہو کر انگریز کے خلاف جنگ آزادی میں حصہ لینے لگے۔ کاکوری کے قرب وجوار میں آپ کے وعظ نے آگ سی لگا دی۔ کثرت سے مسلمان بغرض جہاد لکھنؤ پہنچے اور مولوی احمد اللہ شاہ کے جھنڈے کے نیچے معرکہ جنگ میں شریک ہوئے۔ جب انگریز بھوٹانیوں اور نیپالیوں کی بدولت لکھنؤ پر قابض ہوا تو مفتی کے حالات سے باخبر تھا۔ ان کو پھر گرفتار کر لیا اور مقدمہ بغاوت ان پر چلایا گیا۔ آخر ثبوت ان کے متعلق صحیح تھا۔

Marfat.com

اور مفتی صاحب نے اقبال بھی کیا کہ ہیں نے لوگوں میں جہاد کی تلقین کی جو میرے فرائض میں داخل تھی۔ حاکم نے سزائے موت کے بجائے کالے پانی کا حکم دیا۔ آپ نے خوش دلی سے قبول کیا۔ جزیرہ انڈمان میں جا کر قیدیوں میں اسلامی تعلیم پھیلائی ایک انگریز جو جیل خانہ کا افسر تھا اس کو معلوم ہوا کہ عنایت احمد متبحر عالم ہے۔ اس نے آپ سے کہا مولانا تقویم البلادان کا ترجمہ آپ کر دیں چنانچہ مولانا نے اس کا ترجمہ کر کے انگریز کو دیا وہ بہت خوش ہوا اور اس نے آپ کی رہائی کے لئے حکومت کو لکھا چنانچہ مفتی صاحب انگریز کی سفارش پر رہا کر دیئے گئے[1] اور ہندستان لوٹ آئے۔ آخر عمر درس وتدریس میں گذار دی۔

سعادت خاں

سعادت خاں کے دادا ہلکر کے معزز عہدہ دار تھے۔ خان خاندانی رئیس اور بہادر تھا۔ یہ بھی اندور میں وطن پرستوں کا لیڈر تھا۔ نوعمری میں وہ داد شجاعت دی کہ دشمن بھی مداح تھے۔

---

[1] استاد العلما از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی صفحہ ۹

Marfat.com

مسٹر پورس سے مقابلہ ہوا سعادت خاں زخمی ہوئے۔ مگر جہاں مقابلہ مسٹر پورس سے ہوا ان کو معلوم ہو گیا کہ بہادر سپاہی مقابل ہے۔ راجہ ہلکر نے انہوں کو مروایا[1] اور یہ بہادر فرد بھی کام آیا۔

انگریز قوم نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔

سید اکبر زماں اکبر آبادی یہ بھی جنگ آزادی میں شریک رہے۔ کالا پانی کی سزا ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء میں مفصل حال ہے۔

رکن الدین سہسوان کے رہنے والے تھے چمن پورے میں مکان تھا۔ ۱۸۵۷ء میں یہ بھی شریک جنگ آزادی ہوئے۔ ناکامی پر سہسوان سے جان بچا کر بھاگے اور بڑودہ آکر فوج میں نوکر ہو گئے۔ پھر بڑودہ سے راج کوٹ آئے وہیں انتقال ہوا۔ آپ کے صاحبزادے وزیر الدین تھے جو پولیس سب انسپکٹر رہے۔

---

[1] بغاوت ہند صفحہ ۱۰۵

Marfat.com

خان محمد خاں

خان محمد خاں گولنداز کے والد خان دوست محمد خاں افغانی واجد علی شاہ کی فوج میں ملازم تھے۔ مسٹر بارلو افسر توپ خانہ نے ان کو اپنے توپ خانہ میں لے لیا۔ گولندازی کی مشق میں کمال حاصل کیا ایک ماتری کے افسر کر دیئے گئے۔ ان کے صاحبزادے خان محمد خاں نے بھی گولندازی سیکھی۔ واجد علی شاہ ۱۸۵۶ء میں معزول کر دیئے گئے اور کلکتہ بھیج دیئے گئے۔ تمام فوج علیحدہ کر دی گئی۔ دوست محمد خاں بھی گھر بیٹھ رہے۔ ۱۸۵۷ء میں مرزا برجیس قدر تخت اودھ پر بیٹھے۔ تمام پرانے آدمی ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ توپ خانہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے افسر دوست محمد خاں کئے گئے اور خان محمد خاں مولوی احمد اللہ شاہ کے شریک ہو گئے اور توپ خانہ خاں صاحب کے سپرد ہوا۔ بیلی گارد پر حملہ ہوا تو خان محمد خاں نے شاہ صاحب کے ساتھ بڑی بہادری و جنگجوئی دکھائی۔ اگر ممو خاں حماقت نہ کرتے تو بیلی گارد کو محمد خاں توپوں سے اڑا چکا ہوتا۔ شاہ صاحب زخمی ہو کر لوٹ آئے۔ البتہ رصدگاہ جہاں انگریز پناہ گزیں تھے اس کو

Marfat.com

خان محمد خاں نے توپوں سے اڑا دیا۔ معرکہ عالم باغ میں بھی محمد خاں نے داد شجاعت دی۔ برجیس توپ خانہ نے بھی بڑا کام کیا۔ اس میں دوست محمد خاں انگریزی گولی کا نشانہ بن گئے۔

خان محمد خاں مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ ہر معرکہ میں رہے۔ محمدی پور میں اسلامی حکومت احمد اللہ شاہ نے قائم کی افسر توپ خانہ خان محمد خاں کئے گئے۔

جب شاہ صاحب شہید ہو گئے تمام انقلابی روپوش ہو گئے تو یہ بھی حجاز جانے کے لئے کھمبائت پہنچے۔ یہاں کا رئیس نواب باور علی تھا وہ ان کے کارنامہ سُن چکا تھا اس نے اپنے پاس رکھ لیا اور دوپہر اور رات کے نو بجے کی دو توپیں داغنے کی خدمت سپرد کر دی اور اپنی مصاحبت میں رکھا۔ نواب کو شکار کا شوق تھا ان کو بھی ساتھ لیجاتا۔ نشانہ بازی میں بڑے مشاق تھے توپ کا نشانہ ایسا لگاتے تھے گولہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ عمر طبعی پاکر انتقال کیا۔

جناب شیخ چاند محمد بی۔ اے مصنف مرات القرآن و بولنا قاعدہ ان کے نواسہ ہیں جن سے یہ حالات معلوم ہوئے یہ راقم السطور کے دوست ہیں

شاہ نیاز احمد

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید بن خواجہ سید آل احمد شاہ مودودی سہسوان میں پیدا ہوئے تحصیل علم کے لئے لکھنؤ اور دلّی گئے۔ فن فقہ اور حدیث کی تحصیل کی کچھ عرصہ دلّی میں رہے۔

مولانا عبدالباقی حیات العلماء میں لکھتے ہیں :-

"مولانا طلبہ کو درس دیتے اس کے ساتھ فنون سپہ گری و مشق تیر اندازی و شمشیر زنی و شہ سواری میں ان کو مہارت تامہ حاصل کراتے۔

مولانا نے سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور شریک غزوہ ہوئے کفار و مشرکین سے جنگ سرحد پر کی پھر وطن لوٹے اور اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی ذکر و فکر و مجاہدہ میں لگ گئے"

مگر انگریز کے خلاف تلقین کیا کرتے ۱۸۵۷ء میں سہسوان میں بھی حریت نواز انگریزی اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے انگریزی فوج مقابلہ پر آئی خوب خوب مقابلہ کیا سب سے آگے مولانا تھے آخر ش گولی کا نشانہ بنے دست مبارک میں تسبیح اور

Marfat.com

لب پر کلمہ شہادت تھا۔

تاریخ وفات

شہادت یافت چوں سبط پیمبر ۔ نبیا زاحمد کہ بود از آلِ احمد
چو روح پاک او در جنت اسود ۔ دخولِ خلد تاریخش بہ آمد[1]

محمد ابراہیم خاں لکھنوی

نواب شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں بہادر امرائے لکھنؤ سے تھے۔ محمد علی شاہ کے زمانہ میں عہدہ وزارت پر مامور ہوئے پھر امجد علی شاہ کے عہد میں ریزیڈنٹ کی سفارش سے اس جگہ پر قائم رہے جب واجد علی شاہ سریر آرائے مسند ہوئے ان کی دیوانی کا حق تھا مگر علی نقی خاں منہ لگے تھے وہ مدار المہام کر دئے گئے یہ منہ دیکھ کر رہ گئے۔ اس پر لطف یہ کہ ان کو شہر بدر کا حکم ہوا۔ مگر ریزیڈنٹ نے واجد علی شاہ کو سمجھا کر ان سے تعلقات کرا دیئے۔

۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ تخت سے معزول کر کے کلکتہ بھیج دیئے گئے۔ ایک سال بعد ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف تمام

---

[1] حکایت العلماء صفحہ ۵۲

ملک ہو گیا۔ برجیس قدر تخت اودھ پر بیٹھے نواب شرف الدولہ کو نیابت کا عہدہ عطا ہوا۔ انگریزی فوج سے جب برجیسی فوج نے مقابلہ کیا تو شرف الدولہ پیش پیش تھے جب حضرت محل نے لکھنؤ چھوڑا ان کے گھر آئیں اور ہمراہ لیجانا چاہا لکھنؤ سے باہر قدم نہیں نکالا ایک دن رفیق الدولہ کی سبیل کے پاس گئے تھے انگریزی فوج کے آدمیوں نے ان کو گھیر لیا اتنے میں مسٹر کارنگی فاتحانہ طور سے شہر پر قبضہ کرتا ہوا ادھر آنکلا اس نے پوچھا یہ کون ہے ان سپاہیوں نے کہا نواب شرف الدولہ وزیر نواب برجیس قدر اتنے میں نماز کا وقت آیا نواب نماز میں مشغول ہو گئے۔ کارنگی کے حکم سے گولی ماردی گئی اور عنایت علی سے کہا اس کی لاش خاکروب گڑھے میں دفن کر دیں[1]۔ غرضکہ اس طرح یہ شہید وطن پیوند خاک ہوا۔

قطعہ تاریخ

شرف الدولہ فلک مرتبہ ہمنام جلیل — صاحب خلق وحیا منصف و فیاض و حلیم
چوں بدرگاہ ضیا بار جناب عباس — شد قتیلِ ستمِ لشکرِ غدار لئیم

ماند بے گور و کفن جسم شریفش بر خاک — شد رواں روح بہ یک لغزش سوئے فردوس مقیم
آرے آرے شہدا را ز عنایات خدا — کفن از حلۂ بود غسل ز آبِ تسنیم

[1] میر التواریخ صفحہ ۵۷

زمزم کعبہ ازیں واقعہ شد چشم پر آب
پشت محراب دوتا گشت ازیں رنج عظیم
بدل چاک رقم کرد شجاعت تاریخ
شد سیہ پوش حرم از الم ابراہیم[۱]

مولوی رضی الدین بدایونی

مولانا رضی الدین بدایوں کے رہنے والے تھے قبۃ الاسلام کے علمی گھرانہ سے تعلق تھا علمائے عصر سے اکتساب علوم عربیہ کا کیا مولوی فیض احمد بدایونی سر رشتہ نظامت سے گہرے تعلقات تھے۔ شغل درس وتدریس تھا۔ انگریز افسروں کو فارسی پڑھایا کرتے۔ بریلی میں نواب خان بہادر خاں نے علم آزادی بلند کیا اور اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ قرب وجوار کے سر برآوردہ لوگ ہمنوا ہو گئے۔ مولوی رضی الدین نے بدایوں کے حریت نوازوں کو ساتھ لیکر بدایوں کے علاقہ پر خان بہادر خاں کی حکمرانی تسلیم کی اور جہاں انگریزی فوج سے تصادم ہوا۔ دو دو ہاتھ مردانہ وار دکھائے۔ جب تک بریلی پر نواب حکمراں رہے ان کا بدایوں میں طوطی بولتا رہا۔ انگریزی فوج نے بریلی پر قبضہ کیا اس کے بعد بدایوں پر بھی تسلط ہو گیا۔ تو حریت نواز جو روپوش ہو سکے

---

[۱] قیصر التواریخ صفحہ ۳۵۷

Marfat.com

وہ ہوتے باقی گرفتار ہو گئے ان میں رضی الدین بھی تھے ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ جس عدالت میں یہ مقدمہ پیش ہوا اس وقت حاکم مسٹر کارمیکل تھے۔ یہ مولوی صاحب سے فارسی پڑھ چکے تھے مولانا طفیل احمد منگلوری "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں لکھتے ہیں:-

جب کارمیکل نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انھوں نے صاف الفاظ میں شرکت ہنگامہ کا اقبال کیا۔ کارمیکل ہکیلر کو چونکہ اپنے استاد سے ہمدردی تھی اس لئے انھوں نے مقدمہ ملتوی کر کے مولوی صاحب کو کہلا بھیجا کہ وہ جرم سے انکار کر دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے مگر دوسرے روز کی پیشی میں پھر بھی مولوی صاحب نے اقبال جرم کیا۔ اس پر ہکیلر کو مجبوراً سزائے موت کا حکم دینا پڑا۔ پھر جبکہ اس حکم کی تعمیل میں بندوق سے گولی مارنے کا وقت آیا جکبلر اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے اور مولوی صاحب سے رو کر کہا اب بھی اگر شرکت ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے انکار کر دیں تو میں آپ کو موت سے بچا لوں گا۔ اس کا جواب مولوی صاحب نے بڑی ترش روئی سے یہ دیا کہ میں تمھاری وجہ سے اپنا ایمان اور اپنی عاقبت خراب کر لوں یہ کہہ کر بخوشی جان دیدی۔[1]

یہ تھی ایک سچے مسلمان کی زندگی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شرکت مولانا نے ثواب سمجھ کر کی تھی اور انگریز سے جہاد کرنا فرض

[1] مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۱۳۲

سمجھتے تھے۔ چنانچہ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ ورنہ جھوٹ بول کر جان بچا سکتے تھے۔ مگر حق بات کو چھپانا گوارا نہ ہوا اور اپنی جان پر کھیل گئے۔

نواب ولی داد خاں

نواب ولی داد خاں رئیس مالاگڑھ ان کی ہمشیرہ زادی بہادر شاہ کے لڑکے کو بیاہی تھی۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں دلی گئے ہوئے تھے۔ دربار بہادر شاہی میں شریک ہوئے۔ صدر صوبہ داری لیکر اپنے علاقہ آئے۔ بلند شہر اور علیگڈھ کے صوبہ دار مقرر ہوئے انکے مشورہ میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور سید گلزار علی شریک تھے اسمٰعیل خاں و غلام حیدر و مہدی بخش و قاضی وزیر علی نے انگریزی فوج کے مقابلہ میں ولی داد خاں کی طرف داد شجاعت دی مگر قسمت کے چکر سے انھیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا نواب روپوش ہو گئے پھر یہ پتہ نہ لگا کہ زمین کھا گئی یا کیا انجام ہوا۔

Marfat.com

شاہزادہ محمد عظیم دہلوی

شاہزادہ محمد عظیم ابن جہان اختر ابن شاہزادہ سنجر بن احمد شاہ دُرّانی رہتک میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ بہادر شاہ کے اعلان شہنشاہی پر رہتک سے دلی گئے۔ مرزا مغل اور جنرل بخت خاں سے ملے اور ان سے ایک کمپنی فوج کی لیکر رہتک آتے انگریز افسروں کی وہ پٹائی کی کہ وہ بھاگ کھڑے ہوتے تو رہتک پر قابض ہو کر اس کا انتظام کیا۔ انگریزی فوج نے دلی پر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ بادشاہ ہمایوں کے مقبرہ آ گئے ان کو خبر لگی رہتک سے متھرا چلے گئے۔ وہاں سے بریلی پہنچے اور حضرت محل کے ساتھ نیپال کی سرحد تک گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا کدھر چلے گئے۔

مجاہد مولوی وزیر علی مراد آبادی سید وزیر علی بن قاضی عظمت اللہ اکابر علما سے تھے۔ جنگ آزادی میں شاہزادہ فیروز شاہ کے دست راست تھے۔ ان کے ساتھی مولانا منو برادر مولانا اسمٰعیل لندنی بھی تھے۔ ہمارے مکرمی دوست ڈاکٹر سید معین الحق صاحب۔ سید وزیر علی مغفور کے پر نواسہ ہیں۔

Marfat.com

نواب ممو خاں

میر واجد علی عرف ممو خاں الملقب علی محمد خاں بہادر داروغہ دیوان خاص شجاع اور بہادر شخص تھا۔ مرزا برجیس قدر کو تخت اودھ پر بٹھانے میں ممو خاں کی کارفرمائی کو زیادہ دخل ہے۔ بلکہ قیام حکومت برجیسی کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ معرکہ جنگ میں پیش پیش رہے جب حضرت محل انگریزی فوج کے مقابلہ سے گھبرا کر شاہجہاں پور گئی یہ ان کے ساتھ تھے پھر ہاں ہیٹوں نے نیپال کا رخ کیا۔ جنگ بہادر سپہ سالار نے ہر دو کو نیپال میں داخل ہونے کی اجازت دی باقی ہر ایک کو رخصت کر دیا۔

نواب ممو خاں نیپال کے سپہ سالار کے کیمپ کے قریب اس انتظار میں رہے کہ حضرت محل راجہ نیپال سے پروانہ داخلہ کا بھجوائیں گی۔ مگر ہم بہادر برادر راجہ جنگ بہادر نے انگریزی فوج کے افسروں کو بلا کر ان کو گرفتار کرا دیا ۱۷ دسمبر ۱۸۵۹ء جیل میں داخل کئے گئے مقدمہ پھانسی کی سزا تجویز ہوئی اپیل کیمبل جوڈیشل کمشنر کے پاس کی اس نے حکم پھانسی منسوخ کر کے کالے پانی کر دیا۔ چنانچہ دریائے شور جزیرہ انڈمن بھیج دیئے گئے وہاں دوکان کرلی

Marfat.com

تھی یہی بسر اوقات کا ذریعہ تھا۔ وہیں انتقال ہوا۔ ؎

نواب مجو خاں مرادآبادی

نواب مجید الدین احمد خاں عرف نواب مجو خاں۔ خلف نواب محمد الدین احمد خاں (نبیرۂ نواب قاضی عصمت اللہ فاروقی خان بہادر عہد عالمگیری میں قاضی صاحب مختلف صوبوں کے گورنر رہے۔ ؎

نواب مجو خاں مرادآباد کے جاگیر دار اور عمائد سے تھے امارت کے ساتھ تہور و شجاع تھے روزانہ ان کے یہاں شرفائے مرادآباد جمع ہوا کرتے۔ مخیر بڑے تھے ہر ہفتہ اعلیٰ پیمانہ پر دعوت ہوا کرتی جس میں اہلِ علم اور عمائد شہر شریک ہوا کرتے۔ ان کے بھائی نواب سعید الدین احمد خاں تھے مرزا غالب مرادآباد گئے تو انھیں کے یہاں اقامت کی خود مرزا نے ایک خط میں لکھا ہے۔

> سعید الدین احمد خاں صاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی جو میرے ارر س سے زیادہ تھی ؎

؎ قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۶۸ ؎ مکاتیب غالب از مولوی امتیاز علی خاں عرشی صفحہ ۶۶

نواب مجو خاں کے مخلص دوست چودھری عبدالقادر عرب تھے جن کی کشتی گیری کی شہرت دور دور تک تھی۔ ۱۸۵۷ء میں حریت نوازوں نے انگریز سے دو دو ہاتھ کئے۔ مراد آباد میں ان دونوں بزرگوں نے نوائے آزادی بلند کیا۔ شہزادہ فیروز شاہ کی ہر قسم کی معاونت کی نواب رام پور نے ملک اور وطن کے ساتھ غداری کی اپنی فوج رام پور سے بھیج کر انگریز کا اقتدار مراد آباد پر قائم کرایا۔ حکام نے تمام محبانِ وطن کو گرفتار کرکے پھانسیوں پر لٹکا دیا۔ نواب صاحب نہ خانوں میں روپوش ہوگئے مگر چودھری صاحب معہ اہل خاندان کے محلہ اصالت پورہ میں مقیم تھے سرکاری فوج نے گھیر لیا۔ خود زنان خانہ سے برآمد ہوکر اپنے کو سپرد کردیا۔ ان سے پوچھا نواب مجو خاں کہاں ہیں چنانچہ نواب کے مکان پر جاکر کہا چودھری گرفتار ہوچکا اب تم بھی پردہ سے باہر آجاؤ۔ روپوش رہنا بہادری نہیں ہے۔ چنانچہ نواب صاحب باہر آگئے حراست میں لے لئے گئے۔ مقدمہ چلا اور شہرت ہے ان دونوں کو انگریز حکام میں۔ چونے کی بھٹی میں زندہ جلا دیا اور جائداد ضبط کرلی۔ مجو خاں کا گھیر اب بھی مشہور ہے۔[۱]

---

[۱] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما۔ از انتظام اللہ

مرزا بیدار بخت دہلوی

مرزا بیدار بخت۔ بہادر ابو ظفر شاہ کے پوتے تھے۔ ذی علم اور ذی لیاقت۔ انگریز سے دلی دشمنی تھی ۱۸۵۷ء سے پہلے جو اخبار شائع ہوتے اس میں مرزا معرکہ کے مضمون لکھا کرتے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں آپ نے "پیام آزادی ہند" اخبار نکالا۔ جس کے مضامین نے ملک میں سیاسی سرگرمی پیدا کر دی۔ مسٹر رسیل نامہ نگار لندن ٹامس جب دلی آیا اور ان سے ملا اور اپنے روزنامچہ میں ان کا ذکر کیا اور ان کی گرمیِ تحریر کی تعریف کی۔ مگر مرزا الٰہی بخش اور حکیم احسان اللہ خاں کی غداری کی بدولت دلی پر دوبارہ انگریز قابض ہو گئے جہاں شہزادوں کو گولی کا نشانہ بننا پڑا۔ مرزا بیدار بخت بھی ان کے ہاتھ لگ گئے ان کو ہڈسن نے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ پھر جسم پر سور کی چربی مل کر اور گائے کی کھال میں سلوا کر زندہ آگ میں جلا دیا۔ اس واقعہ کا ذکر بھی مسٹر رسیل نے اپنے روزنامچہ میں کیا ہے۔[1]

---

[1] ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء

Marfat.com

Marfat.com

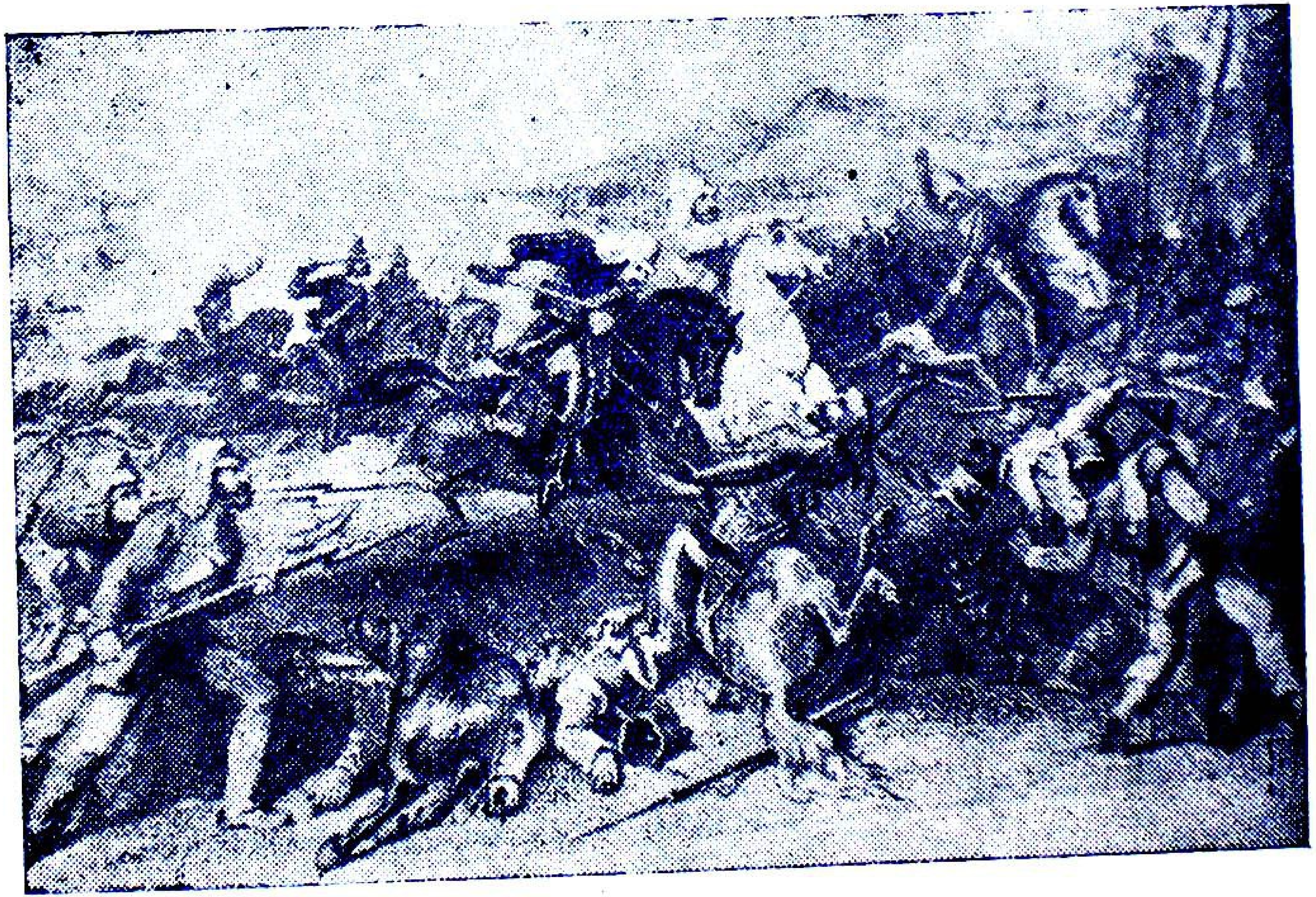

سیالکوٹ - جنرل نکلسن کا ظالمانہ حملہ

Marfat.com

سعد اللہ خاں

سعد اللہ خاں سوات کے رہنے والے تھے انھوں نے انگریزوں کے وہ مظالم دیکھے تھے کہ ۱۸۶۳ء میں راولپنڈی تک ان کی فوج نے قبضہ کر لیا تھا امازائی قبیلہ نے قوم سے دغا کی۔ لیڈر انقلاب کو دھوکہ سے قتل کر دیا تو ساتھی منتشر ہو گئے توسرحدیوں کے مکانات اور ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا وہ لوگ بے خانماں ہو کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے مگر تھوڑے دن بعد پھر منظم ہو کر انگریزی فوج کو گھیر لیا وہاں ان کو شکست اٹھانا پڑی۔ چنانچہ سعد اللہ خاں نے رہبری کی اور جہاد کا اعلان کر دیا۔ سوات وادی میں کامیابی ہوئی۔ مگر قومی پھوٹ نے سرحد پر انگریزوں کو فائدہ پہنچایا۔ انھوں نے قبائل کے سرداروں کو جاگیریں دیکر اپنا لیا۔ تحریک ختم ہو گئی۔[1]

خان بہادر مولوی مفتی انعام اللہ خاں ابن مفتی محمد اسحاق گوپاموی مفتی محکمہ شریعہ دہلی مولوی احمد اللہ شاہ کی مجلس علما کے رکن تھے۔

۱۷ر شوال ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا۔[2]

---

[1] - ریخ وطنیت صفحہ ۷۷، [2] از شیلان انشائے بیخبر۔

Marfat.com

نواب بہادر خواجہ سرسلیم اللہ بہادر

نوابان ڈھاکہ عرصہ دراز سے بنگال میں دولت و ثروت اور فیاضی کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ خواجہ سرسلیم اللہ کے مورث اعلیٰ خواجہ عبدالحکیم کشمیر سے ہندوستان آئے دربار مغلیہ میں اعزاز پایا۔ زوال سلطنت پر دلی سے سلہٹ پہنچے اور تجارت کی طرف توجہ شروع کی۔ بہت جلد کامیاب تاجر بنے اور ڈھاکہ۔ باریسال۔ پٹنہ۔ میمن سنگھ میں بہت سی آراضی و جائداد خریدی۔ ازاں بعد نواب عبدالغنی مرحوم کے زمانہ میں اس خاندان نے نمایاں عزت و اقتدار حاصل کیا اور نواب نے اپنے حسن انتظام سے جائداد کو بہت وسعت دی ۱۸۶۵ء میں نہایت عقلمندی سے مقامی شیعہ سنی کے اختلاف کو مٹادیا ۱۸۹۶ء میں نواب کے انتقال پر نواب خواجہ سر احسن اللہ جانشین ہوئے ان کے بعد خواجہ سرسلیم اللہ خاں جانشین ہوتے۔ سب سے پہلے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو ڈھاکہ میں مدعو کیا۔ نہایت فیاضی سے اخراجات کئے۔ انھیں کی سرپرستی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد پڑی۔ تعلیم سے دلی شغف تھا۔ ۱۹۰۸ء کے امرتسر کے

Marfat.com

اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ علی گڑھ کالج کو ہمیشہ عطیہ دیئے۔ بنگال کونسل کے غیر سرکاری ممبر رہے ۱۹۰۳ء میں نواب بہادر کا خطاب ۱۹۰۹ء میں نائٹ ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں جی۔ سی۔ آئی سے ممتاز کئے گئے۔

لارڈ کرزن نے تقسیم بنگالہ کا شگوفہ چھوڑا۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں اعلان کیا کہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ کمشنری چٹاگانگ اور میمن سنگھ کو صوبہ بنگال سے نکال کر آسام میں شامل کر دیا جائے۔ نواب ڈھاکہ بیٹھ گئے مگر بنگالیوں نے ہزارہا جلسے کئے مسٹر گوکھلے میدان میں اتر آئے لاکھوں دستخطیں کرا کر عرضداشتیں بھیجیں تمام ملک میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ نواب صاحب کی بھی آنکھیں کھلیں کہ مسلمان صرف آلہ کار بنے مقصد کچھ اور تھا۔ چنانچہ مولوی طفیل احمد روشن مستقبل میں لکھتے ہیں کہ نواب سلیم اللہ خاں نے فرمایا کہ :-

"یہ ایک وحشیانہ تجویز ہے"

اِدھر ۱۹۰۵ء میں عظیم الشان جلسہ میں لارڈ کرزن اور انکی پالیسی پر ملامت کی۔ لارڈ صاحب مشتعل ہو گئے اور بذات خود ڈھاکہ پہنچے اور وہاں ایک جلسہ عام میں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تقسیم بنگالہ سے ان کا مقصد صرف یہ نہ تھا کہ بنگال کو گورنمنٹ کے انتظامی بار کو ہلکا کیا جائے بلکہ ایک اسلامی صوبہ بنانا تھا جسمیں مسلمانوں کا غلبہ ہو"

Marfat.com

مگر گورنمنٹ کے خوشامدی لبیک کہہ اُٹھے۔ مگر نواب زادہ عتیق خاں اور سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کلکتہ کی طرف سے اس کے سکریٹری نواب امیر حسن خاں سی۔ آئی۔ ای نے تقسیم بنگالہ سے اختلاف کا اظہار کیا۔ آخرش گورنمنٹ ملک کے اجی ٹیشن کے مقابلہ میں جھک گئی اور منسوخی کا حکم ہوگیا۔ جو مسلمان حکام اعلیٰ کے آلہ کار بنے ہوتے تھے انھیں بے حد صدمہ ہوا۔ چنانچہ نواب صاحب پر بھی اثر پڑا۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۱۵ء کو کلکتہ میں انتقال ہوا۔

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

آپ ۱۸۵۷ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد شیخ حبیب اللہ کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی ۱۸ سال کے قلیل عرصہ میں منطق۔ فلسفہ۔ ادب۔ فقہ۔ تفسیر۔ حدیث شریف وغیرہ حاصل کی۔ حصول تعلیم کے کچھ دن بعد دیوانی عدالت کے وکیل رہے اور سمیع اللہ خاں کی سفارش سے سرسید مرحوم نے آپ کو کالج کی پروفیسری پر فائز کیا ۱۶ سال تک کالج کی خدمت نہایت خوبی سے انجام دی اور علمی دنیا میں ایسی شہرت عظیم حاصل کی جو فی زمانہ قابل رشک ہے۔ دوران پروفیسری میں آپ

Marfat.com

بلاد اسلامیہ قسطنطنیہ۔ مصر وغیرہ کتاب الفاروق کا مواد بہم پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے ۱۸۹۲ء میں سلطان ترکی نے تمغۂ مجیدی عنایت کیا اور ۱۸۹۴ء میں آپ کو شمس العلما کا خطاب گورنمنٹ برطانیہ سے عطا ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔

سرسید کی رحلت کے بعد ۱۸۹۸ء میں آپ کالج سے سبکدوش ہوکر حیدرآباد سلسلہ آصفیہ میں مصنفین کے شعبہ میں مامور ہوئے۔ ایک عرصہ کے بعد لکھنؤ تشریف لے آئے اور وہاں قیام پذیر ہوکر ندوۃ العلما کی دینی خدمات میں مصروف ہوئے لیکن ۱۹۱۳ء میں لوگوں کی تنگ خیالی سے مجبور ہوکر ندوہ کو خیرباد کہا اور اعظم گڈھ میں آکر دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی۔ آخری عمر میں تمام سلسلوں سے قطع تعلق کرکے سیرت نبوی کی تالیف وتصنیف میں مشغول ہوئے۔ افسوس ہے کہ زندگی نے وفا نہ کی اور سیرت ناتمام رہ گئی ملکی سیاست میں آپکا بڑا حصہ ہے۔

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو مرض اسہال میں مبتلا ہوکر اپنے قدیمی وطن میں رحلت فرمائی۔

Marfat.com

شیخ الہند مولانا محمود الحسن

مولانا محمود الحسن ابن مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبندی ۱۸۵۱ء
میں بمقام بریلی پیدا ہوئے۔ مولانا یعقوب دیوبندی۔ مولانا محمد قاسم
مولانا احمد علی سہارنپوری۔ محمد مظہر نانوتوی۔ عبدالرحمٰن پانی پتی شاہ
عبدالغنی سے اکابر علماے عصر سے علوم متداولہ کی کتابیں پڑھیں۔
سید عبدالرحمٰن بن سلیمان الدہدل نیز شیخ احمد بن سلمان۔ اروادی
الطرابلسی سے اجازت درس تدریس حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند
میں شیخ الحدیث کے ممتاز منصب پر فائز ہوئے۔

آپ کی سیاسی جدوجہد کا آغاز بلقان اور طرابلس کے
دلدوز المناک واقعات سے ہوا۔ آپ نے دارالعلوم کو چند
روزہ بند کر کے اپنے شاگردوں کے وفود اطراف وجوانب ملک
میں روانہ کئے اور خود بھی دورے کئے۔ روپیہ فراہم کر کے
ان ممالک کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجا۔

جنگ عظیم میں حکومت ترکیہ اتحادیوں کے خلاف صف آرا
ہوئی۔ مسلمان عثمانی خلیفہ سے دلی تعلق رکھتے تھے۔ انگریز خلافت
عثمانیہ کو ختم کرنے کے در پے تھا۔ علمائے ہند میں ازروئے فرعی

Marfat.com

مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ مسلمان جو فوج میں ہیں وہ خلیفۂ اسلام کے مقابلہ میں صف آرا نہ ہوں۔ انگریز نے مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی سے فتویٰ دلوایا کہ انگریزوں اور ترکوں کی جنگ مذہبی نہیں ہے۔ مولوی ...... الٰہی رس فتویٰ کی توثیق کرانے کے سلسلہ میں اکثر علما کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سرکاری مولویوں نے توثیق کی مگر میرے استاد مفتی محمد رمضان مفتیِ شہر شاگرد مولانا عبدالحئی لکھنوی نے انکار کر دیا۔ الٰہی صاحب بھی مفتی صاحب کے شاگرد تھے اسے بھی اکثر علما نے فتوے کو رد کیا۔ مولانا محمود الحسن نے بھی فتوے کی تصدیق سے انکار کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا حجاز مقدس چلے گئے۔ مکہ معظمہ میں قیام کیا۔ شریف حسین والی مکہ نے ایک فتویٰ مرتب کرایا جس میں ترکان آل عثمان کی تکفیر کی گئی تھی۔ آپ سے بھی فتوے پر دستخط کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ چند روز بعد جنوری ۱۹۱۷ء کو گرفتار کر کے مصر بھیج دیا وہاں مقید رکھے گئے۔ فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا پہنچا دیا گیا جہاں مولانا مارچ ۱۹۲۰ء تک محبوس رہے۔ ۱۹۲۰ء میں جنگ ختم ہو جانے کے بعد مع رفقاء کے چھوڑ دیئے گئے مئی ۱۹۲۰ء میں ہندوستان آئے اور یہاں کی سیاسی تحریکات میں حصہ لینے لگے۔ جامع ملیہ کا سنگ بنیاد آپ نے ہی اپنے ہاتھوں سے رکھا ۱۹۲۱ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔

Marfat.com

حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں دہلوی

حکیم صاحب کے مورث اعلیٰ بابر کے ساتھ کاشغر سے ہندوستان آئے۔ ان کی اولاد سے حاجی محمد قاسم و محمد حسین مشائخین سے تھے جن کے مزارات اورنگ آباد میں مرجع عام و خاص ہیں حضرت خواجہ عبد اللہ احراری اس سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ اکبر کے زمانہ میں یہ خاندان آگرہ آباد ہوا۔ ملا علی قاری ایسے بزرگ پیدا ہوئے جو آسمانِ شرع میں ستارہ بن کر چمکے جن کے علم و فقر کی اکبر اعظم قدر کرتا ان کے بیٹے ملا علی داؤد دربار اکبری کے رکن تھے۔ ان کے خلف محمد فاضل نے فن طب میں کمال حاصل کیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں محمد فاضل کے صاحبزادہ حکیم واصل خاں تھے جو دلی آ کر رہے ان کے بیٹوں حکیم اکمل خاں و اجمل خاں اول کو پٹنہ عظیم آباد میں دو لاکھ کی جاگیر اور سہ ہزاری منصب ملا۔ حکیم محمد اکمل خاں کو اکمل المحققین خطاب عطا ہوا ان کے ہی صاحبزادہ حکیم محمد شریف خاں اشرف الحکماء تھے۔ پانی پت و سونی پت میں آٹھ گاؤں شاہ عالم کی طرف سے مرحمت ہوئے جس میں سے تین گاؤں حکیم صدیق علی خاں تک معافی میں رہے۔ حکیم اجمل خاں کے والد حکیم محمود خاں دہلی کے نامور طبیب تھے اور عمائد شہر سے تھے۔

Marfat.com

حکیم اجمل خاں علم و فضل کے اعتبار سے بلند پایہ رکھتے تھے۔ عربی فارسی کے ادیب اور شاعر تھے جہاں علم و فضل تھا سیاسی دل و دماغ بھی رکھتے تھے۔ حذاقت میں اور طبی معلومات میں ید طولیٰ تھا۔ ایورویدک اور یونانی کالج قائم کیا۔ یونانی طب جو مردہ تھی اس میں جان ڈالی۔ تمام راجہ اور نواب آپ کا احترام کرتے تھے۔ حکیم صاحب کے سامنے ۱۹۰۶ء سے دلی میں سیاسی لہر ۱۸۵۷ء کے بعد سے پیدا ہوئی تھی۔ آپ کے پاس کے رہنے والے سید حیدر رضا تھے جنھوں نے آفتاب اخبار نکالا اور جوشیلی تقریریں ان کی شہرت تھی ۱۹۰۷ء سے ۱۹۰۸ء تک لالہ لاجپت رائے اور جیت سنگھ کی نظر بندی سے دلی پر بھی اثر پڑا ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ کے جلوس پر بم پڑا اور ۱۹۱۳ء میں مقدمہ سازش چلا یہی زمانہ تھا ڈاکٹر انصاری دہلی آئے اور مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی نے 'کامریڈ' اور 'ہمدرد' جاری کیا۔ ان میں سے ہر فرد حکیم صاحب کے علمی دربار میں شریک ہوتا تھا وہ حکام سے کبیدہ بھی ہوتے اور ان سے ملتے جلتے بھی رہتے۔ ۱۹۱۴ء میں مہاتما گاندھی اور گوکھلے دلی آئے۔ یہ وقت تھا کہ ترکی کے خلاف انگریز میدان جنگ میں آگیا تھا۔ مسلمان رہنما مولانا ابوالکلام مولانا محمد علی مولانا شوکت علی وغیرہ انگریز کے خلاف سر بکف میدان میں اتر آئے تھے۔ اُن کو آخر ش حکومت نے نظر بند کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں ہوم رول کی ایک شاخ دلی میں قائم ہوئی ۱۹۱۷ء

Marfat.com

میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد کرنے کے لئے دعوت دی۔

۱۹۱۸ء میں دلی میں کانگریس کا اجلاس پنڈت مدن موہن مالوی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مسٹر آصف علی اور پنڈت نیکی رام شرما کی زبان پر پابندی لگا دی مگر انھوں نے توڑ دی جس کی بنا پر مقدمہ چلایا گیا مگر ہر دو بری ہو گئے۔ صدر کے جلوس پر پابندی لگا دی ڈاکٹر انصاری کا استقبالیہ خطبہ ضبط ہوا۔ ان واقعات نے حکیم صاحب پر بڑا اثر ڈالا۔ وہ کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ مگر ان کی اس شرکت نے لیڈران کانگریس میں تقویت پیدا کر دی۔ دلی کے ہندو مسلمانوں میں سیاسی بیداری بہت زیادہ بڑھ گئی۔ مولانا عزیز حسن بقائی۔ مولانا عارف ہسوی مولانا امداد صابری وغیرہ سے لوگ کانگریس کے ورکر پیدا ہو گئے۔ گورنمنٹ نے سیاسی اٹھان دیکھتے ہوئے رولٹ بل جاری کیا۔ مہاتما گاندھی نے زبردست آواز اٹھائی ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء میں تمام ملک میں زبردست ہڑتال ہوئی اس میں ہندو مسلمان برابر کے شریک تھے۔ دلی میں ہندو مسلم ہجوم پر حکومت نے گولی چلا دی کچھ لوگ زخمی ہوئے۔

اس دن جو جامع مسجد میں جلسہ ہوا تو سوامی شردھانند جی کو منبر پر مسلمانوں نے جگہ دی اور ان کی وہاں پرجوش تقریر ہوئی۔ گھنٹہ گھر پر ہجوم پر فوج نے گولیاں چلائیں۔ اس کے

Marfat.com

خلاف بطور پروٹسٹ شہر میں اٹھارہ روز تک ہڑتال رہی۔
۱۶ کو پھر ہڑتال کی گئی۔ ایک جلسہ ہوا جس میں ایک لاکھ آدمی شریک ہوا۔ حکیم صاحب اب ہر کام میں پیش پیش تھے۔ اس سال خلافت کانفرنس کا اجلاس دہلی میں ہوا مہاتما گاندھی اس میں شریک ہوئے اور مہاتما جی نے عدم تشدد اور بائیکاٹ کی تحریک پیش کی۔ اب گاندھی جی۔ مولانا ابوالکلام۔ حکیم اجمل خاں۔ مولانا محمد علی ملے جلے اس تحریک کو آگے بڑھا رہے تھے

۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی کا پھر اجلاس ہوا جس میں سرکاری ملازمتیں چھوڑنے۔ اسکول کالجوں۔ عدالتوں کا بائیکاٹ کرنے سرکاری خطاب ترک کرنے اور ٹیکس بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
حکیم صاحب نے سرکاری خطاب حاذق الملک کا واپس کر دیا اور مسٹر آصف علی نے وکالت ترک کر دی۔ ڈیوک آف کناٹ دہلی آئے ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اجمل کیپ کی ترویج ہوئی۔ گاندھی جی نے بھی پسند کی۔ ان کے نام سے شہرت پذیر ہوئی۔ ۱۹۲۱ء میں سیاسی تحریک نے ہل چل ڈال دی جس کا نتیجہ یہ ہوا ۲۵ ہزار آدمی وطن پرست خوش دلی سے جیل چلا گیا۔ مسلمان کا اوسط ۷۵ فیصدی تھا۔

۱۹۲۱ء میں احمد آباد میں کانگریس کا اجلاس تجویز ہوا اسکے صدر سی۔ آر۔ داس منتخب ہوئے مگر ایک ماہ قبل ان پر ایک تقریر کی بنا پر مقدمہ چل گیا اس وجہ سے شریک اجلاس نہ ہو سکے انکی

Marfat.com

جگہ حکیم صاحب نے صدارت فرمائی۔ سی۔ آر۔ داس کا صدارتی خطبہ مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ نے پڑھا۔ یہ اجلاس عام اجلاسوں سے زیادہ اہم تھا۔ تحریک ترک موالات اپنے پورے شباب پر تھی۔ ہندو مسلمان پہلو بہ پہلو شریک تھے۔ اس اجلاس میں گاندھی جی اور مولانا حسرت موہانی میں سوراج کی وضاحت کے متعلق اختلاف رائے پیدا ہوا جس کی وجہ سے مولانا حسرت کانگریس سے الگ ہو کر مسلم لیگ کے ہمنوا ہو گئے۔ اس اجلاس کے زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برطانوی حکومت صرف چند دن کی مہمان ہے۔

جامعہ ملیہ کے قیام میں حکیم صاحب اور ڈاکٹر انصاری کی سعی کو بڑا دخل ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کی ہمیشہ حکیم صاحب نے حمایت کی اور فرقہ وارانہ بلووں کی روک تھام میں بھی حصہ لیا۔ جب آگرہ میں ۱۹۲۲ء میں بلوہ ہوا اور پرامن شہریوں نے افسروں سے فریاد کی۔ تو انگریز افسر نے کہا کہ اپنے گاندھی کو بلاؤ۔ حکیم اجمل خاں آگرہ گئے مولوی انعام اللہ خاں کے یہاں ٹھہرے۔ بلوہ فرو کرا دیا۔ اس کے بعد گاندھی جی نے ینگ انڈیا میں ایک مضمون میں لکھا کہ "افسر تو مجھے بلا رہے مگر مجھ سے بہت بہتر آدمی پہنچ گیا۔"

۱۹۲۶ء میں خلافت کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے

Marfat.com

۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو اکسٹھ برس کی عمر میں رہگزار ے عالم جاودانی ہو گئے
(حیات اجمل)

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

مولانا علمائے فرنگی محل سے تھے تحریک خلافت میں سرگرمی دکھائی۔ صاحب فضل و کمال تھے آثار الاول تفسیر قرآن وغیرہ تالیف سے ہیں آپکی سوانح عمری شائع ہو چکی ہے۔
(تذکرہ علمائے فرنگی محل)

مسٹر مظہر الحق قریشی بانکی پور

مسٹر مظہر الحق ۱۲ دسمبر ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوے۔ آپ کے دادا مولوی سخاوت علی خاں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پانچ برس کی عمر میں تعلیم پانے لگے اردو فارسی حاصل کر کے ۱۸۸۴ء پٹنہ کالج میں داخل ہوتے ۱۸۸۶ء میں کننگ کالج میں داخل ہو گئے

Marfat.com

۱۸۸۸ء میں انگلستان گئے۔ زیادہ وقت برٹش میوزم و مڈل ٹمپل لائبریری میں گذارتے تھے۔ لندن میں انجمن اسلامیہ قائم کی اور وہیں سے سیاست میں حصہ لینے لگے۔ ۱۸۹۱ء میں انگلینڈ سے واپس آکر کلکتہ ہائیکورٹ کے ایڈوکیٹ ہوکر بانکی پور میں پریکٹس شروع کی مئی ۱۸۹۲ء مسٹر دوراب سر ولیم برکیٹ جوڈیشنل کمشنر اودھ نے منصفی پر مقرر کر دیا چھ ماہ بعد مستقل ہو گئے۔ ایک سال بعد شمال کاز کورٹ کی ججی کے اختیارات مل گئے۔ ۱۸۹۶ء میں خود مستعفی ہوکر چھپرہ میں وکالت شروع کر دی۔ ۱۸۹۷ء میں سکریٹری کی حیثیت سے قحط فنڈ میں سرگرم سعی رہے۔

۱۸۹۹ء میں میونسپل کمشنر منتخب ہوئے پھر وائس پریسیڈنٹ منتخب ہوئے اور ۲۰ ہزار کی لاگت سے میونسپل مارکٹ تعمیر کرایا۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ میں شریک ہوکر مسٹر حسن امام کے ساتھ اسکی اصلاح کرنا چاہی۔ ۱۹۰۷ء میں بانکی پور آکر وکالت کرنے لگے۔ ۱۹۰۸ء میں بہار میں آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ قائم کی اور بہار پراونشل کانفرنس ہندو مسلم قائم ہوئی اس کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ پھر ۱۹۱۱ء میں اس کے صدر ہو گئے ہنگامہ کانپور میں آپکی خدمات مشہور ہیں ۱۹۱۴ء میں کانگریس ڈپوٹیشن کے ساتھ ولایت جاکر لارڈ کریو وزیر ہند سے ملے۔ وہاں بڑا اعزاز ہوا۔ واپسی پر قسطنطنیہ ہوکر ہند لوٹے۔ ترک موالات میں بیرسٹری ترک کر کے ایک

Marfat.com

صدراقت آشرم بنایا اور اس کو ترقی دی۔ ۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا۔

مہاراجہ سر محمد علی محمد خان بہادر

۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ امیرالدولہ سعیدالملک ممتاز جنگ بہادر راجہ سر محمد امیر حسن خاں صدیقی والد تھے۔ مہاراجہ صاحب نے علوم رسمی معقول طور سے حاصل کئے۔ ساحر تخلص تھا مرثیہ گوئی سے ذوق رکھتے تھے۔ ۱۹۱۷ء میں نوجوانان ہندوستان کی حمایت میں مصروف رہے۔ علی برادران کے چھوڑانے میں کوشاں رہے۔ کانگریس سے مل کر سمجھوتہ میں پیش پیش رہے۔ گورنر خلاف ہو گئے لیکن مطلق پروا نہ کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر رہے۔ لاکھوں روپیہ قومی تعلیمی سیاسی امور میں صرف کیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی۔ لکھنؤ میڈیکل کالج ایسوسی ایشن تعلقہ داران۔ امیرالدولہ ہائی اسکول۔ امیرالدولہ پارک لائبریری مستقل اعانت کی ممنون ہیں۔ ۱۹۰۴ء میں پینتیس ہزار روپیہ سائنس کی تعلیم کے لئے دیا۔ مسلم یونیورسٹی کے قیام میں سر آغا خاں کے ساتھ آپ کی مساعی کو بڑا دخل ہے۔ مسلم یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے حصول چارٹر میں قوائد اور باقی لاز کی ترتیب میں گورنمنٹ آف انڈیا کے تعلیمی ممبر سے پوری سرگرمی

Marfat.com

کے ساتھ حصہ لیا۔ وائسرائے اور صوبہ کی لوکل گورنمنٹ کی کونسلوں میں بحیثیت مسلم نمائندہ کئی مرتبہ نشست کی۔ مسلم یونیورسٹی کے سب سے پہلے وائس چانسلر منتخب ہوتے۔ ۱۹۲۵ء میں ہوم ممبری کے معزز عہدہ سے مسلسل تین سال کی خدمات کے بعد سبکدوش ہوئے۔ مہاراجہ کے خطاب سے نوازے گئے آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ رنگون ۱۹۰۹ء کے صدر منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ سے منسلک تھے۔ آخری عمر تک قومی خدمات میں لگے رہے۔ آپ کے خلف راجہ امیر حسن خاں نے مسلم لیگ میں بڑی سرگرمی دکھائی۔

شیخ غلام حسین ہدایت اللہ

شیخ غلام حسین ہدایت اللہ جنوری ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم شکارپور ہائی اسکول اور ڈی۔ جے سندھ کالج میں پائی اور پھر قانونی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ لا اسکول میں داخل ہوگئے۔ بمبئی یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد کئی سال تک وکالت کرتے رہے۔ ۱۹۰۴ء سے سیاست میں حصہ لینے لگے۔ حیدرآباد سندھ ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کے پہلے غیر سرکاری صدر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔

Marfat.com

۱۹۱۲ء میں لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۲۵ء تک غیر سرکاری ممبر رہے جنوری ۳۱ء میں وہ حکومت بمبئی کے وزیر منتخب ہوئے اس کے علاوہ بمبئی کے لیجسلیٹو کونسل کے صدر اور گورنر بمبئی کے اکزیکیٹو کونسل کے نائب صدر بھی رہے۔ حکومت ہند کی طرف سے دو مرتبہ گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اپریل ۳۶ء میں سندھ کی علحدگی کا اعلان ہوا تو سندھ کی مشاورتی کونسل کے صدر بنا دئے گئے اس کے بعد وہ سندھ اسمبلی کے ممبر بنے شملہ کانفرنس کی بات چیت میں اہم حصہ لیا ۱۹۴۶ء میں جب وزارتی مشن کی تجویزوں پر بحث شروع ہوئی تو انھوں نے اس بات چیت میں بھی اہم حصہ لیا۔ مسلم لیگ نے خطاب واپس کرنے کا اعلان کیا تو اپنا سر کا خطاب واپس کر دیا ۴۲ء سے برابر سندھ کے وزیر اعظم کے عہدہ پر برقرار رہے ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان قائم ہوا قائد اعظم نے انھیں سندھ کا گورنر مقرر کر دیا آخر وقت تک اس عہدہ پر فائز رہے ۱۴ اکتوبر ۴۸ء کے دن ۱۱ بجے کراچی میں گورنر کی کوٹھی میں انتقال کیا۔

Marfat.com

سر محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا

۱۸۶۹ء میں موضع باغبانپورہ (لاہور) پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم قرآن پاک سے شروع کی موضع کے ورناکیولر اسکول کی تعلیم ختم کرکے سنٹرل ماڈل اسکول لاہور میں داخل ہو گئے۔ ۱۸۸۷ء میں کامیابی کے ساتھ میٹرک کیا۔ اس کے بعد کرسچین کالج میں ڈیڑھ سال تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۹ء میں لندن گئے۔ ۱۸۹۲ء میں بیرسٹری کا ڈپلومہ لیکر واپس آئے ضلع ہوشیارپور میں پریکٹس شروع کی ۱۸۹۵ء میں چیف کورٹ لاہور میں آکر پریکٹس کی۔ ۱۸۹۹ء میں بار ایسوسی ایشن کے سکریٹری منتخب ہوئے ۱۹۰۸ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۹ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں نشست ملی ۱۹۱۲ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں وزیر تعلیم ہوئے آخر ۱۹۲۲ء تک پبلک ہیلتھ و ممبر تعلیمات کا آفس زیر نگرانی رہا۔ ۱۹۲۴ء تک صوبہ پنجاب کی پراونشیل مسلم لیگ کے آنریری جنرل سکریٹری رہے۔ کانگریس کی ماڈریٹ پارٹی کے تائید میں تھے۔ ۱۹۲۷ء میں پنجاب یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہوئے ۱۹۱۶ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علی گڈھ کے صدر رہے تھے۔

Marfat.com

۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی کے ٹریسٹی مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں سر ولیم وینسنٹ کی سبکدوشی پر موصوف انتظامی کونسل وائسرائے کے صدر بنائے گئے۔ جون ۱۹۱۶ء میں سی۔ آئی۔ ای اور جنوری ۲۲ء میں کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کے خطابات ملے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم یونیورسٹی کی طرف سے ایل ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری دی گئی گول میز کانفرنس میں بحیثیت مسلم نمایندہ صوبہ پنجاب لندن گئے۔ ۱۹۳۰ء میں انتقال ہوا۔

مولانا محمد فاخر الہ آبادی

مولانا محمد فاخر الہ آبادی ابن سید شاہ محمد زاہد عرف شاہ حاجی جان ابن شاہ محمد جان قدسی نواسہ شاہ محمد اجمل خان بہادر مفتی اسد اللہ قاضی القضات کے قرابتدار اور دائرہ شاہ اجمل کے رکن رکین۔ علمی اعتبار سے آپ کا گھرانا الہ آباد میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ نواب اودھ تک آپ کی دہلیز پر حاضری دے گئے مولانا نے معاصر علما مولانا منیر الدین۔ مولانا عبد اللہ پنجابی مولانا احمد حسین کانپوری و مولانا محمد حسین سے علوم عربیہ کی تکمیل کی خلافت کی تحریک میں آپ نے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ بڑے

Marfat.com

انتھک سیاسی عالم تھے ۱۹۱۹ء کا المناک سال تھا ترکی کی وجہ سے مسلمان مضطرب تھے اور حکومت سخت گیر پالیسی اختیار کرتی جا رہی تھی۔ گاندھی جی نے اس کا جواب ستیہ گرہ نکالا تھا۔ علماء نے خلافت کمیٹی کی بنا ڈالی تھی اور اسکی شاخیں تمام ہند میں پھیلا دی گئیں تھیں۔ ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر کچلو کو نا معلوم جگہ گرفتار کرکے بھیجدیا تھا۔ ان کو بھی ایک سال کی قید ہوئی تبلیغ کے کام میں بھی مساعی جمیلہ ہیں۔ شعر و شاعری سے بھی ذوق ہے تخلص بیخود ہے اپنے چچا محمد بشیر بشیر کے شاگرد تھے۔ جذبات بے ریا اور زندہ جاوید تصنیف سے ہیں ۵/ جولائی ۱۹۳۱ء روز شنبہ کو وصال ہوا۔

مولانا عبدالماجد بدایونی

مولانا خاندان معتدری کے رکن رکین اور خلافت کمیٹی کے سرگرم کارکن تھے۔ سحر البیان واعظ اور علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ انکے بھائی مولانا عبدالحامد بدایونی صدر جمعیت علماء پاکستان ہیں مسلم لیگ کے سرگرم کارکنوں سے ہیں۔

Marfat.com

مولانا محمد علی

محمد علی ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ پورے دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ انکے والد فوت ہو گئے۔ تربیت کا بار آپ کی والدہ کے دوش پر پڑا (آبادی بانو) نے پہلے بریلی کے اسکول میں اور پھر علی گڈھ کالج میں تعلیم کے لئے بھیجا جہاں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔

اس کے بعد آپ ریاست رامپور کی طرف سے آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان کے لئے ولایت چلے گئے تین سال رہے۔ مگر گھوڑے کی سواری کے امتحان میں فیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہندستان چلے آئے۔ اور کچھ عرصہ کے لئے ریاست رامپور میں سررشتۂ تعلیم کے ڈائرکٹر ہو گئے۔ پھر مہاراجہ برودہ کی طلبی پر وہاں چلے گئے۔ اور کئی سال تک کمشنری کے ممتاز عہدے پر داد انصاف دیتے رہے۔

۱۹۱۲ء میں انھوں نے اپنا مشہور اخبار کامریڈ کلکتہ سے نکالا۔ فی الحقیقت کامریڈ کی پالیسی نہایت معتدل تھی۔ وہ گورنمنٹ پر نکتہ چین تو ضرور تھا مگر یہ نکتہ چینی دوستانہ ہوتی تھی۔ اس لئے گو ذمہ دار حکام اس لطیف تنقید کو برا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کی وجہ سے کامریڈ اور اس کے فاضل ایڈیٹر کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

Marfat.com

لیڈی ہارڈنگ ۔لارڈ ہارڈنگ ۔ سر میزز۔ سر جیمس مسٹن ۔ سر کلیولینڈ
جیسے اصحاب نہایت شوق سے کامریڈ کا مطالعہ کیا کرتے تھے ۔

اس اثنار میں مسٹر محمد علی سر آغا خاں راجہ صاحب محمود آباد۔ نواب وقارالملک مرحوم کے ساتھ مسلم یونیورسٹی کے قیام کی سعی میں مصروف ہو گئے ۔ ان کی توجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں بتیس لاکھ کی بیش بہا رقم جمع ہو گئی ۔ مگر گورنمنٹ کی غیر معمولی سخت شرائط کی وجہ سے چارٹر نہیں لیا گیا ۔

دہلی کے پایۂ تخت ہو جانے کے بعد مولانا محمد علی کلکتہ سے دہلی تشریف لے آئے ۔ یہاں ان کی طبیعت کا رنگ بالکل بدل گیا تھا ۔ اب وہ ایک خالص قومی خادم تھے ۔ چنانچہ بلقان کی جنگ میں انھوں نے اپنی مساعی سے ڈاکٹر انصاری کا طبی مشن بھیجا ۔ واقعہ کانپور کے متعلق انھوں نے سر جیمس مسٹن کو سمجھانے کی بہت کچھ سعی کی ۔ مگر جب وہ راہ راست پر نہ آئے تو وہ سید وزیر حسن کے ساتھ انگلستان چلے گئے اور وہاں انھوں نے ذمہ دار حکام کو حقیقت حال سے مطلع کیا جس پر وزیر ہند نے وائسرے کو اہمیت کی طرف متوجہ کیا ۔

جنگ فرنگ کے شروع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ اپنے بھائی مولانا شوکت علی کے ساتھ پھر دلی میں نظر بند کئے گئے ۔ اس کے بعد وہ لینس ڈاؤن اور پھر چھنڈواڑہ میں نظر بند کئے گئے ۔ ۱۹۱۹ء کے اخیر میں وہ بھی آزاد کئے گئے ۔ ان کی آزادی یہ

Marfat.com

اہلِ ہند نے ہر جگہ جو شاندار استقبال کیا۔ وہ صرف بادشاہوں کو ہی نصیب ہو سکتا ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء کے شروع میں وہ وزرائے انگلستان تک مسئلہ خلافت کی صحیح حقیقت لے جانے کے لئے مولانا سید سلیمان اور سید حسین کے ساتھ یورپ چلے گئے اور وہاں انھوں نے وزیرِ اعظم سے نہایت قابلانہ طریق پر مسلمانانِ ہند کے جذبات کی نمایندگی کی۔ نیز لندن۔ پیرس۔ اور روما میں تقریریں فرمائیں۔

اس کے بعد ہندوستان میں آکر انھوں نے نیشنل علیگڈھ یونیورسٹی کو قائم کیا۔

سیاست ہند نامی کتاب میں لکھا ہے کہ مولانا نے انگلستان سے ناکام لوٹ کر پرانے وہابی عقیدہ کی تبلیغ کر کے کہ ہندوستان پر کفار کی حکومت ہے۔ جہاں ایماندار مسلمان زندگی نہیں بسر کر سکتے۔ انھوں نے افغانستان کو ہجرت کرنے کی ترغیب دی اس آواز پر لبیک کہتے ہوتے ہزار ہا مسلمان تیار ہو گئے۔ صوبہ سرحد اور سندھ میں سیکڑوں خاندان جانے اپنی آراضی اور املاک کو فروخت کر دیا اپنے دنیاوی معاملات کا تصفیہ کر لیا۔ اپنے بیویوں بچوں گاڑی میں بٹھا دیا۔ درۂ خیبر کی سمت روانہ ہو گئے۔ صرف سنہ ۱۹۲۰ء میں ایک ماہ میں ۱۸ ہزار آدمیوں نے افغانستان کی طرف حرکت کی افغانستان اتنی آبادی کا متحمل نہ ہو سکا۔ اس مہاجرین واپس ہونے لگے۔

Marfat.com

نتیجہ یہ ہوا کہ ہجرت کی تحریک میں انحطاط پیدا ہو گیا اور وہ آہستہ آہستہ بالکل ختم ہو گئی اور قبروں کی صورت میں وہاں یادگاریں چھوڑ آئے۔[1]

لارڈ ریڈنگ نے وائسرائے ہونے کے بعد ان پر اور ان کے گراں قدر بھائی پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا۔ مگر پھر اسے ایک بہانہ سے ملتوی کر دیا۔ آخر ستمبر ۱۹۲۱ء میں انھیں گرفتار کر لیا گیا اور ان کے ساتھ مولانا شوکت علی۔ سوامی شنکر اچاریہ۔ ڈاکٹر کچلو۔ مولانا حسین احمد پیر غلام مجدد۔ اور مولانا نثار احمد پر مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا محمد علی نے عدالت میں ثابت کر دیا کہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ ان کے مذہب کے احکام کے مطابق تھا اور حکومت اعلان شاہی کے مطابق انھیں اس امر سے منع نہیں کر سکتی۔ مگر جج نے قانون شاہی کا لحاظ نہ کرتے ہوئے شنکر اچاریہ کے سوا سب کو دو دو سال کی سزا دیدی۔

مولانا محمد علی نے خلافت کی تحریک کو بڑا کامیاب بنایا۔ گاندھی جی کو خلافت کے سرمایہ سے تمام ہندوستان میں لئے پھرے جس سے وہ بڑے لیڈر بن گئے اردو میں اُن سے تقریریں کرائیں مولانا کانگریس کے رکن خاص تھے۔ مگر متعصب ہندوؤں کی ذہنیت سے متاثر ہو کر ۱۹۲۶ء میں علیحدہ ہو گئے اور مسلمانوں کی تنظیم میں لگ گئے آخر ش ۱۹۳۱ء میں لندن گئے وہیں انتقال ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ مولانا نے مرنے سے پہلے فرمایا تھا کہ:۔

"میں ہندوستان میں جو کہ غلام ملک ہے نہیں جاؤں گا" اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کی اور مولانا کو بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔

---

[1] سیاست ہند۔ صفحہ ۱۰۰

Marfat.com

ڈاکٹر ایم۔ اے انصاری

یوسف پور ضلع غازی پور (یو۔پی) میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بنارس میں ہوئی الہ آباد سے ایف۔اے پاس کیا اور نظام کالج حیدرآباد سے بی۔اے کی ڈگری لی۔ انگلستان جاکر ڈاکٹری کی درجہ اول کی سند حاصل کی۔ اور وہاں ہاؤس سرجن اور ریزیڈنٹ میڈیکل افسر رہے ۱۹۱۱ء میں ہندوستان واپس آئے۔ ۱۹۱۲ء میں میڈیکل مشن لیکر ترکی گئے۔ ۱۹۱۸ء میں دہلی میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوئے ہوم رول کی تحریک میں اور رولٹ بل کے خلاف ایجی ٹیشن میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت ڈیپوٹیشن کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے وائسرائے ہند سے ملے ۱۹۲۲ء میں انھوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے تمام ملک کا دورہ کیا اور سول نافرمانی کی تحقیقاتی کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے رپورٹ پر دستخط کئے۔ گیا میں انھوں نے خلافت کانفرنس کے جلسہ کی صدارت کی ۱۹۲۳ء میں سوراج پارٹی اور مرکزی کانگریس پارٹی میں سمجھوتہ کرانے کے لئے دہلی میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں کانگریس کا جو خاص اجلاس ہوا اسکی

Marfat.com

استقبالیہ کمیٹی کے صدر ڈاکٹر انصاری تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی کی حیثیت سے انھوں نے ۱۹۲۴ء کی ہوئی کانفرنس کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی۔ مہاتما گاندھی نے جب اکیس دن کا برت رکھا تو ڈاکٹر انصاری ہی روزانہ اُن کا ڈاکٹری معائنہ کرتے تھے۔

۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر انصاری نے مدراس میں کانگریس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور صدر کانگریس کی حیثیت سے ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کانفرنس کی صدارت کی جو نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں کانگریس کے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے ڈاکٹر انصاری گرفتار ہو گئے اور ۱۹۳۲ء کی تحریک میں بھی اس حیثیت سے گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد جب وہ جیل سے نکلے تو داخلہ کونسل کے حامی بن چکے تھے چنانچہ انھوں نے ۱۹۳۴ء میں سوراج پارٹی کے قیام میں مدد دی انھیں کانگریس اسمبلی کی ممبری کے لئے نامزد کیا جانے والا تھا۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا ۱۹۳۵ء میں دہلی میں کانگریس کی گولڈن جوبلی کا افتتاح ڈاکٹر انصاری نے کیا ۱۹۳۶ء میں رامپور سے دہلی آتے ہوئے انھیں دل کا دورہ پڑا اور ٹرین پر ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ڈاکٹر انصاری اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر اور سیاسی لیڈر ہی نہیں بلکہ ملنسار، خوش اخلاق اور مہمان نواز انسان تھے ہر سال ان کا ہزاروں روپیہ مہمان نوازی میں صرف ہوتا تھا۔

Marfat.com

سیٹھ چھوٹانی

سیٹھ چھوٹانی بمبئی کے مشہور و معروف تاجر گورنمنٹ کے بڑے ٹھیکہ دار لاکھوں روپیہ کا کاروبار آپ کا تھا۔ خلافت کی تحریک سے متاثر ہو کر آپ نے ہندوستان کی پبلک زندگی میں ۱۹۲۰ء سے حصہ لینا شروع کیا اور اس وقت سے آل انڈیا سنٹرل خلافت کمیٹی کی صدارت کے فرائض سرانجام دئے ۱۹۲۱ء میں لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند کے ایما پر جو وفد خلافت کا انگلستان روانہ ہوا۔ آپ اس کے ایک سربرآوردہ رکن تھے انگورہ فنڈ میں ۵۰ ہزار روپیہ کی رقم عطا کی۔ خلافت فنڈ آپ کے پاس ہی جمع رہتا تھا۔ آپ کے اس سیاسی انہماک نے گورنمنٹ کو بدظن کردیا۔ ٹھیکہ ختم کردیئے گئے۔ لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوا۔ آخر شش اس رنج و غم میں دنیا سے چل بسے۔

مولوی سید ظفر حسن واسطی ایم۔ اے۔ ایل۔ وکیل بن مولوی سید عاشق حسین مرادآبادی نبیرہ مخدوم سید شرف الدین نقوی واسطی شاہ ولایت مرادآباد میں مسلم لیگ کے صدر رہے میونسپل کمشنر رہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے سرگرم کارکن رہے۔ تین برس ۲۳ء تک جیل میں رہے۔ ۴۸ء میں کراچی آگئے۔ نائب صدر ایجوکیشنل کانفرنس ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال

۱۸۷۵ئ میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر سیالکوٹ کے اسکول میں داخل ہوئے۔ میٹریکولیشن پاس کر کے اسکاٹش مشن کالج میں نام لکھایا۔ جہاں عربی فارسی کے عالم سید میر حسن کے زیر تعلیم و نگرانی میں اعلیٰ قابلیت حاصل کی اور شعر و شاعری و ادبیات کا ذوق ان میں پیدا ہوا انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں اوّل درجہ آئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کیا پھر ایم۔ اے کر کے ۱۹۰۵ئ میں انگلستان گئے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ کے زیر تعلیم مغربی فلسفہ پڑھا دیں پروفیسر براون انگلش اور سارلی سے استفادہ کا موقع ملا۔ اخلاقیات میں ڈگری حاصل کی۔ جرمنی گئے میونک میں کچھ عرصہ تک رہ کر ایسا مضمون متعلق بہ فلسفہ ایران تیار کیا۔ میونک سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری لی۔ پھر بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ انگلستان سے وطن آئے ۱۹۲۲ئ میں درجہ نائٹ ہڈ (سر) کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے۔ آپ نے بھی سیاست ملی میں حصہ لیا۔ مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ پاکستان کے قیام میں آپ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ آپ مفکرین

Marfat.com

اسلام سے تھے۔ نوجوان مسلمانوں میں اسلامی زندگی پیدا کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا۔

مولانا شوکت علی

علی گڑھ کالج سے تکمیل تعلیم کے بعد محکمہ افیون میں منسلک ہو گئے اور ایک عرصہ تک ملازمت کرنے کے بعد پنشن لے کر وطن آ گئے پھر۔ رام پور سے دلی آ گئے خدام کعبہ کی تشکیل کی ۱۹۱۵ء میں مولانا محمد علی کے ہمراہ نظر بند کئے گئے ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے مولانا محمد علی وفد لے کر ولایت گئے تو آپ ہندوستان میں مسئلہ خلافت کے متعلق کام کرتے رہے۔ ترک موالات کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے آپ نے مہاتما گاندھی کے ساتھ تمام ملک کا دورہ کیا اور ملک میں جا بجا خلافت کمیٹیاں قائم کیں خلافت فنڈ میں بڑی رقم فراہم کی گئی جس میں مہاجرین اور مظلومین سمرنا کی امداد کی گئی ستمبر ۱۹۲۱ء میں مرکزی خلافت کمیٹی کے دفتر میں آپ کی گرفتاری عمل میں آئی اور فدائیان ملک وملت کے ہمراہ کراچی میں ان پر مقدمہ چلا سزایاب ہوئے۔ ان کے ساتھیوں میں ڈاکٹر کچلو مولانا نثار احمد کانپوری۔ مولانا سعید احمد اور جگت گرو شنکراچاریہ

Marfat.com

مولانا محمد علی ۲۲ر نومبر ۱۹۲۱ء کو فیصلہ ہوا دو دو سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ مولانا محمد علی کے پہلو بہ پہلو ملکی سیاست میں شرکت کرتے رہے ۱۹۳۲ء میں مولانا شوکت علی نے مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ زندگی کے آخری وقت تک سیاست ملی میں لگے رہے۔ مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ نومبر ۳۸ء میں انتقال ہوا۔

مولوی انعام اللہ خاں اکبر آبادی

مولوی انعام اللہ خاں ابن خان بہادر مولوی نصر اللہ خاں صدر الصدور آگرہ کے مشاہیر سے تھے علم و فضل کے ساتھ سیاسی دماغ پایا تھا۔ ان کے بڑے بھائی مولوی احسن اللہ خاں ثاقب مدیر قند پارسی فیلو الہ آباد یونیورسٹی پروفیسر گوالیار کالج تھے ۱۹۱۲ء میں ضلع کانگریس کمیٹی میں خان بہادر سید آل نبی اور راقم السطور کے ساتھ شامل ہوئے۔ پنڈت موتی لال نہرو حکیم اجمل خاں مولوی صاحب کی اصابت رائے کے معترف تھے۔ مولانا ابو الکلام آزاد آگرہ آتے تو ان کے یہاں مقیم ہوتے تھے۔ مولوی اکرام اللہ صاحب تصویر الشعرا کے بعد ان کے یہاں روزانہ اہلِ علم کی

Marfat.com

صحبت رہا کرتی۔ مولانا سعادت اللہ اسرائیلی صدر شعبہ عربی ڈھاکہ یونیورسٹی۔ مولوی زیارت علی خاں مجسٹریٹ۔ مولوی علی احمد خاں وکیل مولوی عبد الغنی صاحب ارمغان آصفی۔ یعقوب علی خاں کوکب بی۔ اے وکیل۔ مقدس حسین بی۔ اے وکیل۔ مولوی عبد الحمید خاں پروفیسر جامع عثمانیہ حیدر آباد۔ مولوی عبد المجید پروفیسر مشن کالج پشاور۔ مولوی حامد حسن قادری پروفیسر۔ مولوی علی احمد خاں اسیر بدایونی۔ مولوی نظام الدین شاہ دلگیر سید ذاکر علی ممبر اسمبلی سے حضرات کی شرکت رہتی۔ راقم سطور روزانہ شریک صحبت رہتا۔ خاں صاحب نثر اردو میں میرے استاد تھے۔ پہلی خلافت کمیٹی کے وہ سکریٹری مقرر ہوئے اور صدر کمیٹی مولانا ضیاء اسلام خطیب جامع مسجد تھے راقم سطور نائب سکریٹری تھا۔ آگرہ میں سیاسی تحریک کی باگ مولوی صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ ۷۵ فیصدی مسلمان جیل کی نذر ہوئے۔ یعقوب علیخاں کوکب کو قید فرنگ ہوئی۔ ڈاکٹر لکشمی دت۔ سید محمد ٹونکی۔ مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا عارف ہسوی آگرہ آئے قید ہوئے کچھ عرصہ بعد چھوٹے جب تحریک کمزور ہوئی اور شدھی سنگھٹن کا فتنہ اٹھا تو اسلامی تبلیغ کا مرکز آگرہ بنا۔ مولانا عرفان خاں مولوی مبارک شاہ کشمیری مولانا غلام بھیک نیرنگ سے حضرات کے ساتھ تبلیغ کا کام انجام دیا ۱۹۲۲ء میں بائبل سوسائٹی کی طرح دائرہ معارف قرآنیہ قائم کیا۔ ڈاکٹر سیف الدین۔ کچلو۔ سر رحیم بخش۔ رشید احمد صدیقی ایم۔ اے علیگ

Marfat.com

سر عبدالقادر۔ نواب نصیر حسین خیالی۔ سیٹھ یعقوب حسن پروفیسر سید عبدالقادر ایم۔اے۔ مولوی محمد علی شاہ میکش اکبر آبادی۔ مولوی ضیاء الرب امروہوی بی ایس سی قاضی جلال الدین مراد آبادی۔ پروفیسر ابرار حسین ایم۔اے ازہری گوپاموی۔ مولوی یاور حسین عمری گوپاموی۔ خان بہادر ڈپٹی محمد یوسف۔ سید نصرت علی بی۔اے۔ محسن حسین جنیدی۔ بی کام۔ مولانا محمد طاہر فاروقی ایم۔اے۔ محمد اسمٰعیل امروہوی بی۔اے۔ ایل ایل بی۔ مولوی سعید احمد مارہروی۔ بانی شعبہ اورنٹیل کالج۔ خان بہادر سید آل نبی سے حضرات دائرہ کے ارکان تھے۔ دائرہ کی طرف سے تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں ۷۵ کتابیں شائع کیں۔ جن میں معلومات قرآن۔ کلید قرآن۔ انشائے بحر۔ مشاہیر اولیائے ہند۔ خواجہ غریب نواز۔ غوث الاعظم۔ میلاد قمر۔ الصحابہ۔ اکبر اعظم۔ نور جہاں اور جہانگیر۔ زیب النسا اور عالمگیر۔ مردم دیدہ۔ یو۔پی میں اُردو۔ حیات شہید۔ قرآن نمبر پیشوا۔ شاہ ولی اللہ نمبر پیشوا۔ شاہ اسمٰعیل نمبر پیشوا۔ نجیب الدولہ نمبر پیشوا۔ دائرہ کی طرف سے مرتب کئے گئے۔

راقم سطور نے یہ تمام کتابیں مرتب کر کے دائرہ کی طرف سے شائع کیں۔ عربی اردو حرف کا نقشہ۔ سرزمین قرآن کا نقشہ انعام اللہ خاں اور انتظام اللہ کے نام سے شائع ہوا۔ خاں صاحب نے قرآنی قاعدہ کے چار حصے مرتب کئے تھے جو طباعت سے محروم رہے۔

۷ رمضان ۱۳۴۲ھ میں انتقال کیا۔ (شاعر آگرہ نمبر جون جولائی ۳۶ء)

Marfat.com

قائداعظم محمد علی جناح

قائداعظم محمد علی جناح کراچی میں کرسمس کے دن ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے اور ایک مالدار خوجہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مالدار خاندان اعلیٰ تعلیم اور خود ان کی ذاتی اہلیتوں نے انکی ذات سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ زمانہ کے رواج کے مطابق ان کے والدین نے بھی یہ ہی فیصلہ کیا کہ ان کو ایک بیرسٹر بنایا جائے۔ وہ ۱۸۹۲ء میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان گئے۔ انگلستان میں انھوں نے نیشنلسٹ انڈیا سوسائٹی میں شرکت کر لی اور اکثر و بیشتر سوسائٹی مذکور کے مباحث میں نہایت دلچسپی سے حصہ لیتے رہے۔ انگلستان میں انکی ملاقات دادا بھائی نوروجی سے ہوئی جو ملک کے مشہور نیشنلسٹ اور آزادی وطن کے زبردست علمبردار تھے۔ مسٹر جناح زبردست قوت ارادی کے مالک تھے۔ جب وہ انگلستان سے واپس ہوئے تو ان کے خاندان کی مالی حالت خراب ہو چکی تھی، لیکن اس ناز و نعم میں پلے ہوئے انسان پر ان مالی مشکلات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ جوانی کا جوش۔ شباب کے ولولے الوالعزمیاں،

Marfat.com

ہمتیں، بلند ارادے اور اعلیٰ مقاصد نے ان کی زندگی کی رہنمائی کی اور انھوں نے حالات کی نامساعدت کے باوجود اپنی زندگی کو آپ ہی سنوارنے کا عزم بالجزم کرلیا۔ انھوں نے بمبئی میں مستقل قیام کرلیا اور زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔ خوش قسمتی نے ان کا ساتھ دیا اور ایڈوکیٹ جنرل سر جارج اونڈسن کی چیمبر میں وہ منتخب ہوگئے۔ دادا بھائی نوروجی کا مسٹر جناح پر گہرا اثر ہوا دادا بھائی نوروجی نے مسٹر جناح کو کافی امداد دی۔ مسٹر جناح جلد ہی ترقی کرگئے اور تھوڑے سے عرصہ میں ہی آپ کا شمار بمبئی کے بہترین ایڈوکیٹوں میں ہونے لگا۔ ان کی بحث کا انداز جج اور جیوری کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی انکی وکالت کا شہرہ سارے ملک میں ہوگیا۔

مسٹر جناح بہت دلیر اور بے خوف تھے اس لئے جج ان کے متعلق کچھ کہنے سے گھبراتے تھے۔ ایک دفعہ وہ عدالت میں ایک مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے کہ جج نے کہا کہ مسٹر جناح آپ کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ کے سامنے نہیں بول رہے ہیں۔ مسٹر جناح نے فوراً جواب دیا کہ آپ کے سامنے بھی کوئی تھرڈ کلاس وکیل نہیں۔ مسٹر جناح کی قانونی قابلیت مسلمہ تھی۔ وکالت نے انھیں کامیاب اسپیکر اور بہترین ترجمان بھی بنا دیا۔ ان کی فصاحت اور دادا بھائی نوروجی کے قرب نے انھیں سیاسی میدان میں کھڑا کر دیا۔ اسکے بعد

Marfat.com

شادی ہونے کی وجہ سے ان کا سیاست کے ساتھ گہرا واسطہ ہوگیا۔ مسٹر جناح کانگریس میں شامل ہو گئے۔ ہندو مسلم اتحاد کی حمایت میں وہ سب سے پہلے ۱۹۰۶ء میں کانگریس کے اجلاس کلکتہ میں شامل ہوئے۔ نوجوان جناح نے وہاں تقریر کی۔ جس سے کانگریسی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ برطانوی امپیریلزم کے خلاف بیزاری کا دلیرانہ اظہار تھا۔ کانگریس حلقہ اس سے بیحد متاثر ہوئے۔ اس وقت کانگریس میں گوپال کرشن گوکھلے کا دور دورہ تھا۔ جناح پر ان کی اس شخصیت کا بہت کافی اثر ہوا۔ مسٹر گوکھلے نے مسٹر جناح کو مبارکباد دی۔ اس بنا پر ان کے خیالات غیر فرقہ وارانہ تھے انھوں نے پیشین گوئی کی مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے پیامبر ہوں گے۔

منٹو مارلے اسکیم میں ہندوستان میں فرقہ وارانہ نیابت کا زہر بو یا گیا تھا۔ مسٹر جناح نے اس کی مخالفت کی کئی تقریریں کیں جن میں کہا کہ اس شرارت کا مقصد ہندوستان کی تحریک آزادی کو ختم کرنا ہے۔ ۱۹۱۰ء میں الہ آباد میں کانگریس کا اجلاس ہوا۔ اس میں قائد اعظم مسٹر جناح نے فرقہ وارانہ نیابت کے خلاف رزولیوشن پیش کیا۔ اور اس کے حق میں جو تقریر کی وہ تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ کانگریس نے ایک وفد ۱۹۱۴ء میں اور ایک ۱۹۱۷ء میں برطانیہ روانہ کیا۔ مسٹر جناح دونوں وفدوں کے ممبر تھے۔ مسٹر جناح کی صحبت دن بدن ترقی کرتی چلی گئی۔ ۱۹۱۰ء میں

Marfat.com

انھیں امپیریل کونسل کا بمبئی کے حلقہ سے رکن مرتب کرلیا گیا۔ انھوں نے ۱۹۱۳ئہ میں جس قابلیت کے ساتھ وقف بل کونسل میں پیش کیا اس نے شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ مسٹر جناح بہت مقبول ہوگئے اور وہ ساری عمر ایک ہی حلقہ سے منتخب ہوتے رہے ہیں۔ اس انتظار میں مسٹر جناح کو تحریک کی گئی کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہوجا ئیں۔ کیونکہ مسلم لیگ نے گورنمنٹ کی وفاداری کا مسئلہ ترک کرکے سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ شروع کردیا تھا۔ مسٹر جناح مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

قائداعظم نے لارڈ لنگڈن کی الوداعی تقریب کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بمبئی کے کانگریس بھون کو "جناح ہال" بنا دیا گیا۔

۱۹۱۶ئہ میں جب کہ مسٹر جناح کی قانونی قابلیت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ انھوں نے بال گنگا دھر تلک اور مسٹر مارلین کے خلاف بغاوت کے مقدمہ کی وکالت کی۔ یہ قانونی قابلیت کا بہترین نمونہ تھا۔ مسٹر جناح ۱۹۱۶ئہ میں مسلم لیگ کے ترجمان تھے۔ اس زمانہ میں لکھنؤ میں ایک پیکٹ ہوا جس پر مسٹر جناح نے لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے دستخط کئے۔ یہ پیکٹ ۱۹۲۱ئہ کے آئین میں داخل کرلیا گیا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ گاندھی جی کے کانگریس میں داخل ہوتے ہی

Marfat.com

مسٹر جناح کانگریس سے الگ ہو گئے۔ مسٹر جناح کی علیحدگی کی کئی وجوہات تھیں۔ مثلاً گاندھی جی کی عدم تعاون سے وہ متفق نہ تھے مسٹر جناح نے عدم تعاون کی تحریک کی مخالفت میں کئی تقریریں کیں۔ اور فیصلہ کر لیا کہ وہ کانگریس سے علیحدہ ہو جائیں۔ بالآخر مسٹر جناح ہندوستان کی سیاست سے تنگ آ گئے۔ انھوں نے انگلستان جا کر پارلیمنٹ کے ذریعہ ہندوستان کی آزادی کی لڑائی لڑنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ انگلستان چلے گئے اور کافی عرصہ وہاں ٹھہرے رہے۔

جب ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کا مسودہ تیار ہوا۔ تو مسٹر جناح نے اس کے فیڈرل حصہ کی پرزور مخالفت کی۔ لیکن اس مخالفت کی بناء یہ تھی کہ مسٹر جناح وائسرائے کے غیر معمولی اختیارات اور مطلق العنان والیان ریاست کی فیڈریشن میں شمولیت کے خلاف تھے۔ ان کی اسمبلی کی تقریروں سے صاف ظاہر نظر آتا تھا کہ ان کے سیاسی اعتراضات وہی تھے۔ جب مسٹر جناح ہندوستان واپس پہنچے تو انھوں نے مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کی اور اس کے لئے لیڈر شپ سنبھالی علامہ اقبال مرحوم اس وقت حیات تھے۔ اگرچہ وہ سیاست داں سے کہیں زیادہ شاعر تھے۔ تاہم مسٹر جناح اور سر اقبال سے مشورہ رہے۔

اس کے بعد ۱۹۳۷ء کے انتخابات آئے۔ یہ مسٹر جناح کے امتحان کا وقت تھا۔ ان انتخابات میں لیگ پنجاب سندھ اور بنگال میں خاصی کامیاب ہو گئی اور یہاں سے کانگریس اور لیگ میں وسیع

Marfat.com

پیمانے پر تلخیاں شروع ہو گئیں۔ قائد اعظم کی سیاست مسلم حقوق کے تحفظ کا رنگ اختیار کر گئی۔ انھوں نے کانگریس کی پالیسی پر مختلف اعتراض شروع کر دیئے۔ ان کی طاقت اس وقت بہت بڑھ گئی۔ جب مسٹر فضل الحق اور سردار سکندر حیات خاں ان کے ساتھ مل گئے مسلم لیگ اس وقت بام عروج پر پہنچ گئی۔ جبکہ اگلے انتخابات میں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے انکی حمایت کی۔

۱۹۳۹ء میں اتحادیوں اور نازیوں کے درمیان یکا یک جنگ شروع ہو گئی جس نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انگریزوں نے ہندوستان سے جنگی خدمات چاہیں کانگریس نے من حیث الجماعت گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت کا فیصلہ کیا۔ اور بالآخر یہ مخالفت اس قدر نازک مرحلہ پر پہنچ گئی کہ کانگریس وزارت ختم ہو کر ان کی جگہ گورنر راج ہونے لگا۔ وائسرائے نے سرکاری طور پر مسلم لیگ سے تعاون کی درخواست کی ارباب لیگ نے موقع غنیمت جان کر اس تعاون کو قبول کر لیا۔ یہ ایک سیاسی چال تھی ورنہ افلاس لوگوں کو فوج میں داخل ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔

قائد اعظم نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ مسلم عوام کی تنظیم کرنا اور اس میں سیاسی بیداری پیدا کرنا وقت کا تقاضا ہے۔ اس لئے انھوں نے پورے ہندوستان کا دورہ کرنا شروع کیا اور مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں۔ انھوں نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش

Marfat.com

کی کہ ایشیا میں اخلاقی اور سیاسی طاقت کے لحاظ سے اسلام کا مستقبل ہندوستانی مسلمان کی تنظیم پر ہی منحصر ہے۔

ہندوستان میں علٰحدہ قوم کی حیثیت سے رہنے کے لئے ان کو متحد اور منظم رہنا چاہیئے۔

قائداعظم کی زیر قیادت پراونشیل ڈسٹرکٹ اور پرائمری مسلم لیگ کی داغ بیل پڑی اور انکی تنظیم جمہوری بنیادوں پر کی گئی۔ لیگ جو اس وقت تک مسلمانوں کے اعلیٰ طبقوں تک محدود تھی اس کے دروازے عام مسلمانوں پر بھی کھول دیئے گئے۔ اس وقت وہ لیگ کے قائد تھے اور ملت اسلامیہ نے ان کی جلیل القدر خدمات کے صلہ میں ان کو قائداعظم کہہ پکارا۔

اس کے بعد لیگ نے میدان سیاست پر چھانا شروع کیا اور بلاشبہہ اسے بڑی حد تک کامیابی نصیب ہوئی۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں قائداعظم نے پاکستان کے قیام کی تجویز پیش کی۔ جس کا مطلب عوام کے سامنے اس طرح بتایا گیا کہ ہندوستان ان صوبوں کو جہاں کہ مسلمان کی اکثریت سے ملا کر ایک آزاد و خود مختار ریاست قائم کی جائے۔

پاکستان کی اسکیم بہت زور شور سے جاری رہی اور مسلمانوں میں ایک زندگی کی لہر پیدا ہو گئی البتہ کانگریسی مسلمان مخالف تھے اور پاکستان

Marfat.com

ناقابل عمل سمجھا جس کا ثبوت مل گیا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ قائد اعظم نے پہلے تو اسلامی ریاست کے خیال کو تشہیر کیا اور سنہ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں اس برعظیم کے دو ٹکرے ہندوستان اور پاکستان کر دینے کا مطالبہ کر دیا۔ مسٹر جناح جو لیگ کے مستقل صدر منتخب تھے انھوں نے اپنی تمام توجہ سیاست کی طرف منعطف کر دی اور قانون کی پریکٹس کو بالکل ترک کر دیا۔ حصول پاکستان ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکا تھا۔

اگست سنہ ۱۹۴۰ء میں برطانوی کابینہ کے وزیر ہند مسٹر ایل۔ ایس ایمری نے دارالعلوم میں بیان دیا کہ ہندوستان کے معاملات جنگ ختم ہونے کے بعد فیصل کئے جائیں گے سنہ ۱۹۴۲ء میں پہلی بار کرپس پیشکش میں مسلمانوں کے لئے علٰحدہ سرزمین کا دعوٰے صحیح تسلیم کیا گیا۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات جو دوران جنگ میں ہونا ناممکن تھے۔ جنوری سنہ ۱۹۴۶ء میں شروع ہوئے۔

علٰحدہ انتخابات کا طریقہ اس وقت رائج تھا۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں سے پاکستان کے نام پر ووٹ حاصل کئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی اسمبلی میں لیگ کو سو فیصدی کامیابی ہوئی اور صوبائی اسمبلیوں کی ۴۸۲ مسلم نشستوں میں سے ۴۲۷ پر لیگ کا قبضہ ہو گیا۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کانفرنسیں جاری رہیں۔ مسٹر جناح اپنی رائے پر قائم رہے۔ تاہم وہ باہمی سمجھوتہ کے لئے تیار اور متفکر تھے۔ اور اسی جذبہ کے ماتحت

Marfat.com

انھوں نے مشن پلان کو قبول کر لیا۔

بدقسمتی سے کیبنٹ مشن پلان ختم ہو گیا۔ اب انگریز نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ایک دلچسپ پیش کش کی اس کا نام ہے "لارڈ مونٹ بیٹن پلان"۔ آخری وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن نے میز پر اس پلان کو کچھ اس انداز میں رکھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی نظریں خیرہ ہو گئیں اور اسے من وسلویٰ سمجھ کر دونوں نے قبول کر لیا۔ خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے ہندوستان کی تقسیم ایک حقیقت بن کر سامنے آ گئی۔

لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل اور قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بننے کا بھی اعلان ہو گیا۔ تقسیم کے انتظامات ہونے لگے۔ لیگ نے پاکستان کا دارالسلطنت کراچی منتخب کیا۔ مسٹر جناح ۷ اگست کو دہلی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر کراچی چلے گئے۔ ۱۴ اگست کو ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن نے شہنشاہ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے نئے ملک کے نئے دارالسلطنت میں پہنچ کر اختیارات منتقل کئے اور مونٹ بیٹن اسی دن دہلی واپس آ گئے۔

۱۵ اگست کو ہندوستان اور پاکستان کی نوآبادیاتی حکومتوں کا افتتاح ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے گورنر جنرل پاکستان کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف لیا۔ اس طرح قائداعظم کی عمر کے سترویں سال پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ تمام دنیا کے ممالک سے

Marfat.com

ہندوستان کو مبارکبادی کے پیغامات وصول ہوئے۔ اس وقت سے آج تک ملک کے اندرکئی اہم واقعات رونما ہوئے جن کو سلجھانے میں قائداعظم نے اپنی بہترین قابلیت کا مظاہرہ کیا اور کہا جاتا ہے کہ ستر سال کی عمر میں ان پر کام کا دباؤ اتنا بڑھ گیا تھا کہ جوانی کے عالم میں بھی شائد اس قدر نہ ہوا ہو۔ لیکن انھوں نے ہمت اور استقلال کا دامن نہ چھوڑا اور وہ پاکستان کی سیاسی گتھیوں کو سلجھاتے رہے ان کی دن اور رات پاکستان کی تعمیر کے لئے گذرتی تھیں۔ کبھی وزراء کو مشورہ دینا۔ کبھی عوام کو خطاب کرنا۔ کبھی پاکستانی صوبوں کے دورے۔ کبھی لیگ کی تنظیم گورنر جنرل ہونے کے علاوہ پاکستان کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے صدر بھی تھے۔

آخر ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو نصف شب سے ذرا دیر قبل اور پاکستان کی تین عیدیں دیکھنے اور دو جشن آزادیوں کو خطاب کرنے کے بعد انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

Marfat.com

مولانا عبیداللہ سندھی

مولانا عبید اللہ کے والد کا نام رام سنگھ اور دادا کا نام جیت رائے ابن گلاب رائے تھا ۱۶ر محرم ۱۲۸۹ھ بمقام چیانوالی (ضلع سیالکوٹ) پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان معزز سکھ خاندان تھا۔ بحالت یتیمی پیدا ہوئے۔ والدہ اپنے میکہ میں آئیں مگر کچھ عرصہ بعد وہ بھی فوت ہوگئیں۔ ماموں نے کفالت کی جو ضلع ڈیرہ غازی خاں میں پٹواری تھے۔ ۱۸۸۷ء میں جام پور کے اردو مڈل اسکول میں تعلیم پائی ۱۸۸۴ء میں اتفاقیہ تحفۃ الہند مرتبہ مولوی عبید اللہ نومسلم دیکھنے میں آئی۔ اس کے بعد تقویۃ الایمان کا نسخہ کسی ہندو دوست سے مل گیا۔ پھر احوال الآخرہ (پنجابی) مل گئی اس سے نماز سیکھ لی۔

۱۸۸۷ء میں مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتے تھے اظہار اسلام کے لئے گھر چھوڑ دیا اور مصنف تحفۃ الہند کے نام پر اپنا نام رکھا۔ کوٹلہ مغلاں کے ایک رفیق عبد القادر کے ساتھ کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر شاہ پہنچے اور وہاں سے سندھ گئے اور حضرت حافظ محمد صاحب (بھر چونڈی والی) کی خدمت میں رہے۔

Marfat.com

ان کی فیض صحبت سے بڑا نفع ہوا۔ حافظ صاحب کے خلیفہ غلام محمد بھاول پور کی دیہاتی مسجد میں رہتے تھے۔ ان سے ابتدائی عربی درس کی کتابیں پڑھیں پھر خانپور سے شوال ۱۳۰۵ھ میں کوٹلہ رحم شاہ گئے کچھ عرصہ مولوی خدا بخش سے پڑھتے رہے۔ صفر ۱۳۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند آ گئے۔ مولانا حکیم محمد حسن کے درس میں بیٹھے صرف و نحو کی تکمیل کی معقولات کی تحصیل کے لئے۔ مولانا احمد حسن کانپوری کے مدرسہ میں چلے گئے۔ پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ میں مولوی ناظر الدین سے تعلیم پائی۔ صفر ۱۳۰۵ھ کو دیوبند لوٹ آئے مولانا حافظ احمد صاحب کے درس میں بیٹھے پھر مولانا شیخ الہند کے درس میں شامل ہوئے۔ رمضان ۱۳۰۷ھ میں اصول فقہ پر ایک رسالہ لکھا۔ شوال ۱۳۰۷ھ میں مولانا رشید احمد صاحب کے پاس گنگوہ حاضر ہوئے۔ پھر دہلی گئے۔ یہاں مولوی عبدالکریم پنجابی سے حدیث پڑھی اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے درس حدیث میں شامل ہوئے۔ رجب ۱۳۰۸ھ میں مولانا محمود الحسن نے اجازت نامہ تحریر کر کے ان کے پاس بھیج دیا ۱۳۱۵ھ میں دیوبند آئے۔ پھر امروٹ گئے وہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور ایک پریس جاری کیا۔ مولانا راشد اللہ صاحب العلم الرابع نگراں رہے۔ شیخ الہند نے ۱۳۲۷ھ دیوبند بلا لیا یہاں جمعیۃ الانصار قائم کی مولانا محمد صادق سندھی۔ مولانا ابو محمد احمد لاہوری۔ مولوی

Marfat.com

احمد علی آپ کے شریک کار تھے ۱۳۲۱ھ میں دلی آکر نظارۃ المعارف قائم کیا۔ حکیم اجمل خاں۔ نواب وقار الملک سرپرست بنے۔ ڈاکٹر انصاری۔ مولانا ابو الکلام آزاد۔ مولانا محمد علی سے تعلقات قائم ہوئے۔ ۱۳۳۳ھ میں شیخ الہند کے حکم سے کابل گئے وہاں پہنچ کر انھوں نے جرمن اور ترکی مشن سے۔ جو افغانستان آیا ہوا تھا مل کر امیر کابل پر برطانیہ کے خلاف زور ڈالا۔ اسی سال ستمبر میں مولانا محمود الحسن مکہ معظمہ گئے وہاں انھوں نے غالب پاشا کا دستخطی اعلان مولوی محمد میاں کے ہاتھ مولانا عبید اللہ کے پاس کابل بھیجا جس میں برطانیہ کے خلاف جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔ سات سال کابل رہے امیر حبیب اللہ خاں کے کہنے سے کانگریس میں شامل ہوئے ۱۹۲۲ء میں عہد امیر امان اللہ میں کانگریس کمیٹی کابل کی تشکیل کی۔ ڈاکٹر انصاری کی سعی سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے الحاق ہوگیا۔ کابل سے ماسکو پہنچے سویٹ یونین نے اپنا معزز مہمان بنایا ۱۹۲۳ء میں انقرہ گئے۔ تین سال وہاں رہے۔ ۱۳۴۴ھ میں مکہ معظمہ گئے ۱۹۳۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی سعی سے یکم نومبر ۱۹۳۷ء واپسی وطن کی اجازت ملی ۲۷ فروری ۱۹۳۹ء حج لائن کے مشہور جہاز المدینہ کے ذریعہ ہندوستان آئے۔ خان بہادر اللہ بخش وزیر اعظم سندھ نے استقبال کیا۔ پھر لاہور ہوتے ہوئے دیوبند پہنچ گئے یہاں ہندو مسلم

Marfat.com

اتحاد کی تحریک کی بنیاد ڈالی۔

۵ اپریل ۱۹۳۹ء کو دہلی آئے۔ یہاں ہر جماعت نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ پھر آپ نے یکسوئی سے حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف پر نظر ڈالی اور اس پر کئی کتابیں تالیف کیں۔ مولانا نے سرگرمی سے اپنے سیاسی اور مذہبی افکار و تجربات کی اشاعت شروع کر دی۔ مگر ملک نے ان خیالات سے بے اعتنائی برتی۔ آخر صحت نے جواب دیدیا اور کام کرتے کرتے ۲۰ اگست ۱۹۴۴ء میں انتقال کیا۔

مفتی کفایت اللہ ابن شیخ عنایت اللہ

اپنے وطن شاہجہاں پور میں ۱۲۹۲ھ میں پیدا ہوئے دیو بند میں تعلیم پائی ۱۳۱۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور ۵ سال مدرسہ عین العلوم میں درس دیا۔ آپ اپنے عہد کے فقہ میں امام تھے ملک نے مفتی اعظم کا خطاب دیا۔ راقم سطور سے مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی وجہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۳۳۲ھ سے ہوتا ہے جب آپ حج کو گئے شیخ الہند کے ہمراہ مدینہ منورہ میں گرفتار کر لئے گئے ۱۹۳۰ء میں قانون شکنی کے سلسلہ میں چھ ماہ کی سزا بھگت چکے تھے ۱۹۲۰ء میں جمعیۃ العلماء

Marfat.com

کے اجلاس کے صدر رہے پھر ۳۹ء تک مستقل صدر کی حیثیت فرائض صدارت انجام دیتے رہے۔

۳۸ء میں آپ نے سلطان ابن سعود کی موتمر اسلامی میں شرکت کی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ہمنوا تھے۔ مدرسہ الٰہیہ میں درس وتدریس کا مشغلہ تمام عمر قائم رہا ۳۱ر دسمبر ۵۳ء میں انتقال ہوا۔ دینی درس تعلیم اسلام کے چند حصہ تصنیف سے ہیں۔

مولانا محمد سجاد بہاری

مولانا سجاد نے مولانا عبدالوہاب اور مولانا عبدالکافی الہ آبادی سے درسی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند کے درس میں شریک ہوئے۔ فارغ التحصیل ہو کر سیاسی میدان میں نکل آئے اور تمام ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کیا کلکتہ میں مولانا کی زیر صدارت ۱۹۲۶ء میں جمیعۃ العلماء نے کامل آزادی کا رزولیوشن پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۳۵۹ھ میں وصال ہوا۔

Marfat.com

سیٹھ یعقوب حسن

سیٹھ یعقوب حسن مدراسی اصل وطن دلی ہے۔ آپ کے بزرگ مدراس جارہے۔ انگریزی تعلیم حاصل کرکے انگلستان گئے بیرسٹری پاس کرکے مدراس آئے اور وکالت شروع کردی۔ اوائل عمری سے سیاسی ذوق تھا آپ مسلم لیگ اور کانگریس کے مسلمہ لیڈر رہتے۔ جنگ یورپ کے بعد انگلستان گئے وہاں مسئلہ خلافت کی نیابت کی۔ ایک ترکی خاتون سے شادی کرلی۔ ترک موالات کے سلسلہ سے بیرسٹری ترک کی۔ خلافت کی تحریک میں مدراس کی طرف آپ کے کارنامے مشہور رہیں ۷ نومبر ۱۹۲۱ء کو بغاوت کے جرم میں دو سال کی قید محض ہوئی جیل خانہ قرآن مجید کا غائر مطالعہ کیا۔ بصورت بنو یب کشاف الھدا مرتب کرکے ملک میں پیش کیں۔ یہی آپ کا علمی کارنامہ فلاح دارین کے لئے کافی ہے۔ ایک عرصہ تک مدراس کونسل کے وزیر رہے۔ چار پانچ برس ہوئے انتقال ہوگیا۔

Marfat.com

مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی

حسرت ۱۸۷۳ء میں سید ازہر حسین نیشاپوری کے یہاں پیدا ہوئے سے

کیوں ہوں اردو میں حسرت فہم نظیری کے نظیر
ہے تعلق ہم آخر خاک نیشاپور سے

ابتدائی تعلیم مکتب میں پائی ۱۸۹۴ء میں اردو مڈل پاس کیا گورنمنٹ ہائی اسکول فتح پور ہسوہ میں داخل ہوئے۔ مولانا سید ظہور الاسلام اور حافظ نیاز احمد بریلوی کی صحبت سے فکر سخن کرنے لگے۔

۱۸۹۹ء میں انٹرنس کیا۔ پھر علی گڑھ آئے۔ ۱۹۰۳ء میں بی۔ اے کیا۔ سیاسی سرگرمی کی وجہ سے کالج سے نکالے گئے رسالہ اردوئے معلی نکالا۔ نشاط النساء بیگم سے ۱۹۰۱ء میں شادی کی ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء میں وہ وفات پا گئیں۔ لیکن آپ نیشنلسٹ تھے ۱۹۲۱ء میں مولانا نے کانگریس کا اجلاس احمد آباد میں آزادیِ کامل کی قرارداد پیش کی جس سے ملکی سیاست میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں خلافت کمیٹی کے صدر رہے ۱۹۲۴ء میں

Marfat.com

کل ہند مسلم لیگ کے اجلاس احمد آباد کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی سال گرفتار ہوئے احمد آباد جیل میں رہے۔ ۱۹۲۴ء میں رہا ہوئے تو مسٹر سی۔ آر۔ داس کی پارٹی میں شامل ہوئے ۱۹۳۰ء نمک سازی کی تحریک میں حصہ لیا۔ ۱۹۳۶ء میں مولانا لیگ میں شامل ہوئے ۱۹۳۷ء اجلاس لیگ لکھنؤ میں مولانا کی تحریک سے کامل آزادی کی قرارداد منظور کی گئی۔ ۱۹۵۰ء ماہ نومبر میں حج کیا ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء ۳ بجے دن فرنگی محل لکھنؤ میں انتقال کیا۔ آپ کی سوانح عمری مسٹر عبدالشکور ایم۔ اے نے شائع کی ہے۔

اشفاق اللہ خاں

محمد اشفاق اللہ خاں حسرت شہید شاہجہاں پور کے رئیس خاندان کے فرد تھے۔ بچپن میں سواری اور تیراکی کا شوق تھا۔ انکو وطن سے محبت تھی۔ مین پوری بغاوت کے مقابلہ میں پنڈت رام پرشاد مصر بسمل کے نام وارنٹ جاری ہوا۔ یہ بھی شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے۔ اشفاق اللہ خاں کو بھی علم ہوا۔

جب شاہی اعلانٗ کے ذریعہ سیاسی قیدی چھوڑ دئے گئے

Marfat.com

تو رام پرشاد و بسمل قید سے آزاد ہو کر شاہجہاں پور آئے اشفاق اللہ ان سے ملے اور کچھ عرصہ بعد ان کے ساتھی ہو گئے ۱۹۲۱ء میں پھر گاندھی جی وغیرہ گرفتار کر لئے گئے تو انقلابی جماعت نے نیا راستہ اختیار کیا۔

شری شچندر ناتھ سانیال۔ یوگیش بابو۔ رام پرشاد نے ایک پارٹی بنائی اس میں بھی اشفاق اللہ شریک ہو گئے۔ اس پارٹی نے ہتھیار اکٹھا کرنے شروع کئے۔ مگر پیسہ نہ تھا جو آگے کا بڑھتا چندہ مانگ نہیں سکتے تھے اور یہ لوگ سمجھتے تھے کہ بلا انگریز پر ہاتھ صاف کئے یہ ہندوستان سے نہ جائیگا ۹ اگست ۱۹۲۵ء کو کاکوری اسٹیشن پر یہ جماعت ریل میں بیٹھ کر پہنچی۔ اشفاق اللہ رام پرشاد۔ چندر شیکھر آزاد۔ روشن سنگھ۔ راجندر لاہری وغیرہ نے سرکاری خزانہ پر قبضہ کیا۔ ۲۶ ستمبر کو سب شہروں میں ایک ساتھ گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ چند ساتھیوں نے بھی مخبری کر دی ۸ ستمبر ۱۹۲۶ء کو دلی میں اشفاق اللہ بھی پکڑ لئے گئے۔ اسپشل مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اشفاق اللہ افغانی سفیر سے پاسپورٹ لے کر بھاگ جانے والے تھے۔ غرضکہ لکھنؤ لائے گئے۔ شری چندر ناتھ بخشی کے ساتھ ان پر علیحدہ مقدمہ چلا۔ آخر تین پانچ جرم لگا کر ان کو پھانسی کی سزا دیدی گئی۔

عدالت نے انھیں رام پرشاد کا لفٹننٹ اور ان کا دایاں ہاتھ

Marfat.com

قرار دیا تھا۔ آخرش آخری دن یہ شعر ورد تھا ؎

کچھ روز وہیں رہے آرزو تو یہ ہے
رکھ دے کوئی ذرا سی خاکِ وطن کفن میں

فیض آباد جیل میں جتنے دن رہے دن و رات عبادت میں گذارتے تھے۔ ایک صبح ۶½ بجے ان کو پھانسی کے پاس لے جایا گیا۔ قرآن شریف کا بستہ کاندھے میں لٹکا تھا۔ نہا دھو کر خوش خوش مثل حاجیوں کے لبیک کہتے ہوئے کلمہ پڑھتے ہوتے پھانسی کے تختہ پاس گئے تختہ کو بوسہ دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ میرے ہاتھ انسانی خون سے نہیں رنگے۔ میرے اوپر قتل کا الزام لگایا وہ غلط ہے خدا کے یہاں میرا انصاف ہوگا۔ آخر میں یہ شعر پڑھا ؎

تنگ آکر ہم بھی ان کے ظلم سے بیداد سے
چل دیئے سوئے عدم زندان فیض آباد سے

پھر پھانسی کا پھندا پہنا اور دنیا سے کوچ کر گئے ؎

وطن ہمیشہ رہے شاد کام اور آزاد
ہمارا کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں بی۔ اے کینٹ بیرسٹرایٹ لا مئی ۱۸۶۷ء میں گنجپورہ ضلع کرنال میں پیدا ہوئے آپ کے والد نواب غلام احمد خاں احمدی ممبر کونسل گوالیار مشہور و معروف

Marfat.com

روشن خیال، علم دوست با وقار اور وضع بزرگ تھے جنھیں گورنمنٹ نے ۱۸۹۴ء اصلاۓ حسن خدمات و قدردانی نواب کا خطاب دیا۔ ۸ اپریل ۱۸۹۰ء کو رحلت فرمائی۔ صاحبزادہ اور ان کے بھائی صاحبزادہ سلطان احمد خاں کی تعلیم علی گڈھ کالج میں شروع ہوئی۔ سرسید آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں انٹرنس پاس کیا۔ ۱۸۹۸ء لارڈ ڈفرن کالج میں آئے تو انھوں نے تقریر عمدہ کی جس پر انعام حاصل کیا ۱۸۹۱ء میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگلستان گئے وہاں تاریخ میں بی۔ اے آنرز کیا نزاں بعد ۱۸۹۴ء میں قانونی تعلیم سے فراغت پاکر ہندوستان آئے سرسید نے علی گڈھ میں رہنے کے لئے کہا یہیں کے بسیا ہو گئے۔ کالج کے کاموں میں حصہ لینے لگے۔ ۱۸۹۷ء میں سرسید نے مدرسۃ العلوم کا ٹرسٹی مقرر کیا۔ ۱۸۹۸ء میں سرسید کے انتقال کے بعد سرسید میموریل فنڈ کمیٹی کے سکریٹری منتخب ہوئے ۱۹۰۴ء میں بورڈنگ ڈپارٹمنٹ کے انچارج ٹرسٹی بنائے گئے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۷ء تک آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری جوائنٹ سکریٹری رہے۔ سلطان جہاں منزل کانفرنس کے لئے جناب عالیہ بیگم بھوپال سے پچاس ہزار کے صرف سے بنوائی اور حضور نظام سے کانفرنس کی امداد کے لئے حیدرآباد کا سفر کرکے ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ کا گرانقدر

Marfat.com

عطیہ حاصل کیا۔ ۱۹۰۶ء میں کانفرنس سے سبکدوش ہوئے تو بارہ ہزار سالانہ کی مستقل آمدنی چھوڑی کتب خانہ بھی آپ کا ہی قائم کیا ہوا ہے۔ کانفرنس کے کمپاؤنڈ کی عمارات مولوی سید الطاف علی بی۔ اے بریلوی مصنف حیات حافظ رحمت خاں سپرنٹنڈنٹ کانفرنس کی سعی بلیغ کا نتیجہ ہے۔

۱۹۰۴ء میں الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی رہے ۱۹۰۹ء میں قسمت مرہٹہ آگرہ کی طرف سے صوبہ کونسل کے ممبر منتخب ۱۹۰۹ء میں ٹیچرس کانفرنس قائم کی ۱۹۱۴ء میں تعلیمی حقوق کی حفاظت کا رزولیوشن پاس کرایا ۱۹۱۷ء میں انڈیا آفس لندن سے تعلق رہا۔ ۷ سال میں ہندوستان واپس آئے مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلری پر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں یونیورسٹی کی پچاس سالہ جوبلی آپ ہی کی شاندار کوششوں سے منائی گئی۔ اپنے والد کی یادگار میں ایک اندھوں کا اسکول کھولا۔

۱۹۲۲ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علی گڈھ کے صدر ہوئے۔ مسلم لیگ کے کاموں سے بھی دلچسپی رہی۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۸ء کو فالج میں مبتلا ہوئے طویل علالت کے بعد ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔

Marfat.com

مولانا انور شاہ کشمیری

۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء کو موضع دودھوان علاقہ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد معظم کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پائی ۱۳۰۸ھ میں دیوبند گئے ۱۳۱۲ھ میں شیخ الہند سے حدیث کی تکمیل کی مولانا رشید احمد گنگوہی سے فیض باطنی حاصل کیا۔ مولوی مشیت اللہ نے بجنور بلا لیا۔ ۱۳۱۵ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی کے صدر مدرس ہو گئے چار سال کے بعد وطن چلے گئے۔ ۱۳۲۳ء میں حج کیا واپس آکر بارہ مولہ میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی۔ ۱۳۲۸ھ میں دیوبند آگئے۔ شیخ الہند نے ۱۳۳۳ھ میں اپنا جانشین کیا۔

دارالعلوم میں صدر مدرس کے فرائض ادا کرتے تھے مولانا ابرار حسین فاروقی گوپاموی۔ مولانا باور حسین عمری گوپاموی۔ مولانا آغا رفیق بلند شہری سے مشہور علما کو انکی شاگردی کا فخر ہے ۱۳۴۶ھ میں جامع اسلامیہ ڈابھیل گئے۔ ۲ صفر ۱۳۵۱ھ کو دیوبند میں وفات ہوئی۔

سیاست میں آپ شیخ الہند کے ہمنوا تھے مگر کوئی عملی حصہ نہ لے سکے علم و فضل کے اعتبار سے بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے۔ حافظہ غضب کا تھا۔ آپ کی سوانح عمری نفحۃ العنبریہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری

اپنے وقت کے اکابر علما سے تھے۔ درس و تدریس میں عمر بتا دی۔ انگریز سے دلی نفرت رکھتے تھے۔ درس حدیث سے دلی شغف تھا۔ مدرسہ مظہر العلوم کے سرپرست تھے ان کے دامنِ تربیت سے ملک کے مشہور علما مولانا احمد حسین کانپوری، مولانا محمد حسین الہ آبادی۔ مولانا ہدایت اللہ سے حضرات فیض یاب ہوئے مولانا احمد حسین کے بھی صاحبزادے مولانا نثار احمد مفتی شہر آگرہ تھے جنھوں نے تحریک خلافت میں بڑا حصہ لیا اور جیل کاٹی۔ مولانا محمد علی کے ساتھیوں میں سے تھے۔ میرے استاد مولانا سعادت اللہ اسرائیلی سنبھلی پروفیسر عربی ڈھاکہ یونیورسٹی۔ مولانا احمد حسین کانپوری کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ مولانا احمد علی کے شاگردوں نے علوم دینیہ کی اشاعت اور تبلیغ اسلام میں بڑا حصہ لیا۔ چند کتب حدیث کی صحت کر کے ان کو شائع کرایا۔

Marfat.com

مفتی حافظ محمد رمضان اکبر آبادی

مفتی محمد رمضان کے والد کا نام مولوی ببر علی بیگ تھا۔ آپ کا اصلی وطن قصبہ لیدری خطیب ضلع فتح پور ہسوہ تھا مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے شاگرد اور مولانا سلامت اللہ کے مرید تھے۔ جامع مسجد آگرہ کے مفتی مدرسہ عالیہ کے صدر مدرس تھے راقم سطور نے سند حدیث حضرت مفتی صاحب سے لی۔ جس زمانہ میں مولانا سے بخاری کا درس لے رہا تھا ہمارے ہم جماعت مولوی امام الدین الٰہی مولانا عبدالحق حقانی کا فتویٰ کہ برطانیہ اور ترکی کی جنگ مذہبی نہیں ہے لیکر توثیق کرانے مفتی صاحب کے پاس آئے مفتی صاحب نے دیکھا ملک کے اکابر علما کے دستخط اس پر ہیں مفتی صاحب نے مولوی صاحب سے کہا یہ میری شاگردی کا حق ادا کیا جا رہا ہے اگر جسم میں جان ہوتی تو دیکھتا سر بکف میدان عمل میں آتا۔ دستخط نہیں کئے مولوی صاحب بھی وہ فتویٰ واپس کر آئے اور بہانہ کر دیا۔

۶۶ برس کی عمر میں ۶ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کو انتقال کیا پنچ کوئیں میں دفن ہوئے۔ ترجمہ تفسیر ابن عباس آپ کی یادگار ہے۔

Marfat.com

قائد ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں شہید

نواب زادہ لیاقت علی خاں ابن رکن الدولہ نواب بہادر رستم علیخاں شمشیر جنگ رئیس کرنال۔

نواب زادہ کے مورث اعلیٰ نواب غلام محمد خاں تھے جن کے بیٹے نواب جلال الدین خاں ان کے صاحبزادے نواب محمد خاں جن کے بیٹے نواب احمد علی خاں جن کے نواب محمد عظمت علی خاں نواب رستم علی خاں۔ نواب محمد عمر دراز خاں تھے۔ نادر شاہ نے ان کے بزرگوں کو جاگیر عطا کی تھی یہ نوشیروانی منڈلوں قبیلہ افغنہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لارڈ لیک نے تبادلہ علاقہ جات منظور کر کے کرنال میں ۴۸ ہزار مالیت کے ۶۳ گاؤں دیئے نواب عظمت علی خاں لاولد تھے اپنی جائداد وقف کر دی۔ رکن الدولہ نے اپنے حسن لیاقت سے حکومت میں اقتدار پایا درباری تھے نواب زادہ لیاقت علی خاں کو رسمی تعلیم دلا کر الہ آباد اور علی گڈھ کالج میں تعلیم دلائی اور ولایت بھیجدیا جہاں ایم۔ اے (اکسن) کیا اور بیرسٹری کی سند لیکر وطن لوٹے قومی خدمت کا جذبہ شروع سے رکھتے تھے لیکن مزاج میں انقلاب پسندی اور ہنگامہ آفرینی

Marfat.com

نہ تھی. آئینی طریقہ پر ملک اور قوم کی خدمت میں لگ گئے کانپور انکواری کمیٹی کی معرکتہ الآرا رپورٹ۔ کونسل میں ممبر ہو کر اپنی لیاقت کا سکہ بٹھایا۔ وائس پریسیڈنٹ کونسل صوبہ متحدہ رہے آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے اور قائد اعظم کی ذاتِ گرامی سے ایسے منسلک ہو گئے کہ تمام ان کے سیاسی کارناموں میں دست راست کا درجہ رکھتے تھے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ آگرہ ۱۹۴۶ء میں صدر منتخب ہوئے۔ انجمن اسلامیہ آگرہ کی طرف سے راقم سطور کی دعوت پر اجلاس منعقد ہوا تھا۔ انجمن کے سکریٹری منشی ریاض الدین احمد تھے (جو جناح کالج کراچی کے بانی ہیں)

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ایشیا کی سرزمین میں قائد اعظم کی سعی سے ایک نئی اسلامی ریاست کی تشکیل عمل میں آئی اور نواب زادہ اس کے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے ان کی اصل طبعی صلاحیتیں بروے کار آئیں اور قدرت نے ان میں ایک سنجیدہ فکر سیاسی مدبر بننے کی جو اہلیت رکھی تھی وہ ظہور میں آئی۔ چنانچہ قیام دولت پاکستان سے لیکر شہادت کے وقت تک یعنی چار سال کی مدت میں انھوں نے اپنی عمدہ اور جبلی صلاحیتوں کا وہ عملی ثبوت دیا جسکی مثال ملنا مشکل ہے۔ عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان تھے قدم احتیاط سے

Marfat.com

اٹھاتے تھے۔ مگر جب ایک مرتبہ اٹھا لیتے تھے تو پھر اسے واپس نہیں لیتے تھے۔ ان کے کیرکٹر کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ شدید اشتعال کی حالت میں بھی وہ اپنے دماغی توازن کے شیرازہ کو درہم برہم نہیں ہونے دیتے تھے۔ افکار و آلام کے ہجوم میں بھی ان کے چہرہ پر مسکراہٹ اور اطمینان کی کیفیت کھیلتی رہتی تھی۔ وزارت عظمیٰ ان پر سجتی تھی۔ ۱۶ر اکتوبر کی شام کو چار بجے کے قریب راولپنڈی میں ایک عظیم اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے سفاک کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی

مولانا فضل الرحمٰن کے فرزند ارجمند تھے ۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد ضلع بجنور میں انسپکٹر مدارس تھے۔ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں پائی حدیث کی سند شیخ الہند سے ۱۳۲۵ھ میں لی۔ عنفوان شباب میں ہی اسلامی علوم و فنون کے بلیغ النظر مبصر بن گئے۔ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہو گئے اس کے بعد مدرسہ عالیہ فتحپوری کے صدر مدرس رہے ۱۳۳۰ھ میں موتمر الانصار انجمن کے تاریخی جلسہ منعقدہ مراد آباد میں

Marfat.com

الاسلام کے عنوان پر مقالہ پڑھا جس کی دھوم مچ گئی شیخ الہند کے مالٹا میں نظر بند ہونے کے بعد ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۰ء تک سہارنپور۔ غازی پور۔ لکھنؤ۔ بنارس۔ کانپور۔ علی گڈھ۔ دہلی وغیرہ کے اجتماعات میں شیخ الہند کے ترجمان کی حیثیت سے تقریریں کیں گوشہ گوشہ میں عظمت و برتری کا سکہ بیٹھ گیا۔ "العقل و النقل" کے نام سے رسالہ تصنیف کیا۔ علمی و دینی حلقوں میں بڑی شہرت ہوئی ۱۹۲۸ء میں ڈابھیل گئے چند سال بعد وطن آئے۔ دارالعلوم کے صدر مہتمم کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ سات سال بعد مستعفی ہوکر ۱۹۴۷ء میں کراچی چلے آئے۔ مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ قائد اعظم بڑی قدر کرتے تھے۔ ۱۳؍ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بھاول پور میں دو روز علیل رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ کراچی لایا گیا۔ جہاں علم و فضل کا یہ پہاڑ سپرد خاک کر دیا گیا۔ شیخ الہند کے ترجمہ قرآن مجید پر حواشی و فوائد اور صحیح مسلم کی فتح الملہم یادگار ہے۔ مصر کے اکابر علماء نے فتح الملہم کی داد دی ہے۔

Marfat.com

آصف علی مرحوم

۱۱ مئی ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ اینگلو عربک اسکول اور سینٹ اسٹیفن کالج میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد انگلستان میں بیرسٹری کی تعلیم پائی۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۴ء تک وہاں مقیم رہے۔ اختتام تعلیم کے بعد دہلی آکر وکالت شروع کردی۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۵ء تک وہ تمام سیاسی تحریکوں کے روح رواں بنے رہے، ہوم رول لیگ کانگریس کمیٹی ۱۹۱۸ء کا اجلاس کانگریس رولٹ ایکٹ کے خلاف ایجی ٹیشن خلافت کمیٹی، والنٹیرز کور اور پھر عدم تعاون کی تحریکوں میں انھوں نے زبردست حصہ لیا۔

۱۹۱۸ء کے شروع میں وہ پہلی بار گرفتار ہوئے لیکن جلد ہی رہا کردیئے گئے۔ بعد میں ۱۹۱۲ء میں ان کو ۱½ سال قید کی سزا ہوئی، ۱۹۲۸ء میں انھوں نے ارونا دیوی سے شادی کرلی اس کے بعد انھوں نے کئی مشہور مقدمات کی پیروی کی مثلاً بھگت سنگھ کا مقدمہ، ۱۹۳۰ء میں وہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر بنے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک وہ سیاسی تحریکوں میں

Marfat.com

سزایاب ہوئے ۱۹۳۴ء میں وہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ممبر چنے گئے۔ ۱۹۴۱ء ۱۹۴۲ء کی تحریکوں میں وہ ۲½ سال نظربند رہے، ۱۹۴۰ء اور ۴۲ء میں صوبہ کانگریس کمیٹی کے صدر رہے ۱۹۴۵-۴۶ء آزاد ہند فوج کی دفاعی کونسل کے کنوینر رہے۔

۱۹۴۶ء میں عبوری حکومت میں وہ ہند کے ریلوے منسٹر بنے لیکن فروری ۱۹۴۷ء میں ان کو امریکہ میں ہندوستان کا سفیر مقرر کر دیا گیا۔ ۱۹۴۸ء تک وہ اس عظیم ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے ان دنوں وہی اقوام متحدہ میں ہندوستان کے مندوب رہے، اکتوبر ۴۸ء میں ان کو اڑیسہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ مئی ۵۳ء تک وہ اس عہدہ پر رہے۔ اس کے بعد ان کو سوئٹزرلینڈ، روم اور آسٹریا میں ہندوستان کا سفیر مقرر کیا گیا اس عہدہ پر وہ آخر دم تک مامور رہے۔ یہاں تک کہ یکم اور ۲ اپریل کے درمیان ان کی وفات ہوگئی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی۔ وہ دہلی کی تہذیب اور کلچر کا صحیح نمونہ تھے اچھے شاعر اور ادیب تھے۔ جرنلزم سے ان کو دلچسپی تھی۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ان کی تقریریں سامعین پر گہرا اثر ڈالتی تھیں۔ وہ بہت مخلص اور نیک طینت انسان تھے۔ ۵۴ء میں انتقال ہوا۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی

ڈاکٹر عبداللہ المامون، ایم۔اے۔ ایل ایل۔ ڈی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لا اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ولایت قانونی تعلیم کے لئے گئے۔ ۱۹۰۳ء میں اسلامی سوسائٹی کی بنیاد رکھنے کے علاوہ اسلامیہ مشن سٹی فنڈ کی بھی بنیاد رکھی۔ ۱۹۰۷ء سلطان ٹرکی کی خدمت میں باریاب ہوئے اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے۔ آب وہوا موافق نہ آئی کلکتہ ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۹۱۱ء میں آپ ٹیگور لا کے پروفیسر مقرر ہوئے، انجمن ہلال احمر کی تحریک آپ نے ہی چلائی۔ چنانچہ آپ ہی کی طرف سے سب سے پہلا مشن ہلال احمر یورپ۔ ٹرکی روانہ کیا گیا۔

آپ کلکتہ یونیورسٹی کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ مگر آپ کی منتقلی پر گورنر جنرل ان کونسل نے ۱۹۱۳ء میں بلحاظ پالیٹکس اعتراض کیا جس پر آپ نے استعفیٰ دیدیا۔ آپ چند کتابوں کے مصنف ہیں ۱۹۱۲ء میں شاہ ایران کی طرف سے آپکو افتخار الملک کا خطاب بھی مل چکا ہے۔ اب بھی سیاست ملی سے دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

مولانا ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے وطن کوٹ مرتہ پنجاب ہے ابتدائی تعلیم وزیر آباد اور پٹیالہ میں پائی۔ پھر علیگڑھ کالج میں داخل ہو کر بی۔ اے کیا۔ بمبئی گئے اور ایک سال تک نواب محسن الملک کے پرائیوٹ سکریٹری رہے معرکہ مذہب و سائنس کا ترجمہ کیا۔ مولانا شبلی بمبئی آئے ان کے ایما سے حیدر آباد گئے۔ مولوی عزیز مرزا کی وساطت سے ہوم آفس میں مترجم ہو گئے۔ رفتہ رفتہ لیجسلیٹو کونسل کے رجسٹرار ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں فسانہ ماہوار نکالا۔ دکن ریویو ان کی ادارت میں نکلا۔ مولوی محفوظ علی خاں کے ساتھ شمالی ہند گئے واپسی پر بمبئی آکر دکن ریویو جاری کیا۔ پھر حیدر آباد واپس گئے۔ مرزا داغ کے شاگرد ہوئے وہاں سازشیں چل رہی تھیں۔ جس کا شکار ان کو بھی ہونا پڑا ۱۲۵ روپیہ ماہوار پنشن لیکر وطن آ گئے ۱۹۰۹ء میں آپ کے والد مولانا سراج الدین بانی زمیندار کا انتقال ہو گیا تو آپ نے زمیندار کو نگرانی میں لیا۔ لاہور میں مستقل قیام رہنے لگا۔ ۵ راکتوبر ۱۹۱۲ء کو اخبار کا روزانہ ایڈیشن جاری کیا۔ طرابلس

Marfat.com

کی جنگ چھڑ گئی اس کے لئے اور بلقان کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کر کے ٹرکی بھیجا۔ ۱۹۱۲ء میں زمیندار کی ضمانت ضبط ہوئی ۱۹۱۴ء میں دس ہزار کی ضمانت طلب ہوئی۔ مولانا ولایت میں تھے۔ جس کا بڑا حصہ قوم نے دیا۔ ولایت سے آنے کے بعد تقریریں کیں جو آتش بیان ہوتی تھیں۔ کرم آباد میں نظر بند کئے گئے۔ تین سال کرم آباد رہے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء کو دوبارہ اخبار جاری کیا ۱۵ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے قانون تحفظ ہند کے ماتحت وارنٹ پیش کیا۔ آپ اس کے ساتھ ہوئے اور سنٹرل جیل میں پہنچا دیئے گئے ۳۰ ستمبر ۱۹۲۰ء کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا کا حکم ہوا۔ اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد چھوٹ گئے۔ پھر قومی کاموں میں لگ گئے۔ پنجاب اسمبلی کے ممبر مقرر ہوئے۔ پہلے کانگریس کے سرگرم رکن تھے مگر پھر مسلم لیگ کے حامی ہوئے اور قیام پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا اور ممبر اسمبلی ہیں۔ کثیر التعداد کتب کے مصنف و مترجم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس محب وطن کو تا دیر سلامت رکھے۔ (مردم دیدہ از انتظام اللہ صفا)

مولوی رضوان اللہ ابن مولوی سبحان اللہ تعلقہ دار گورکھپور۔ صوبہ مسلم لیگ کے صدر رہے۔ تمام قومی کاموں میں پیش پیش رہے۔ اب انجمن اسلامیہ کے صدر ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد عالم

ڈاکٹر محمد عالم سرگودھا کے مشہور و معروف بیرسٹر اس کے علاوہ ولایت سے ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کیا۔ ترک موالات کے سلسلہ میں وکالت ترک کی اور قومی کاموں میں منہمک ہو گئے۔ پنجاب میں سیاسی بیداری پیدا کرانے میں مولانا ظفر علی خاں لالہ لاجپت رائے ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر محمد عالم کی خدمات پیش پیش ہیں۔

خان عبدالغفار خاں

غفار خاں کے والد بہرام خاں اتمان زئی قبیلہ کے سردار تھے۔ اتمان زائی کا گاؤں ہندوستان کی سرحد پر پشاور کے ضلع میں واقع ہے۔ آپ کا گھرانا امیرانہ ہے۔ بچپن نازو نعم میں بسر ہوا۔ تعلیم کے لئے علی گڈھ یونیورسٹی میں آئے۔ الہلال اخبار نے خان کو آزاد سیاسی مسلک کی طرف متوجہ کردیا۔ انھوں نے

Marfat.com

مضامین لکھنے شروع کئے۔ جو نیا نصب العین لئے ہوئے تھے۔ علی گڈھ سے وطن گئے تو جدید تاثرات لیکر گئے تھے عوام کی تنظیم شروع کردی ۱۹۱۹ء کا سال ہندوستان کے لئے المناک تھا ایک طرف اقتصادی تکالیف دوسری طرف معاہدہ ٹرکی کی شرائط کے متعلق مسلمانوں کے اضطراب اور اس خوف نے کہ کہیں دستوری اصلاحات کو ملتوی کر کے ان میں قطع و برید نہ کردی جائے۔ مجموعی طور پر ملک میں ایک ایسی فضا پیدا کردی تھی جس میں بجلی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ حکومت نے رولٹ بل پیش کر کے جس کا مقصد گورنمنٹ کے خیال میں انقلابی تحریکات کا استیصال کرنا تھا۔ مگر اس پردہ میں مضمر ہندوستانیوں کی آزاد رائے اور ان کے اٹھان کو کچلنا مقصود تھا مگر ملک بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ رولٹ بل کے آتے ہی فضا اور بھی زیادہ آتشگیر بن گئی۔ گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی بنیاد ڈالی۔ تمام ملک ہمنوا تھا۔ سرحدی علاقہ بھی اثر لئے بغیر نہ رہا خان عبدالغفار خاں نے رولٹ ایکٹ کے خلاف مساعی شروع کردیں۔ آپ کم عمر تھے ہی مگر اثر اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آپ کے جلسوں میں ہزارہا لوگ شریک ہوتے۔ حتیٰ کہ ایک جلسہ میں آپ کے نوے سالہ بوڑھے والد بھی شریک ہوئے حکومت نے

ے سیاست ہند صفحہ ۶۸

Marfat.com

خانگی سرگرمی کو دیکھ کر ان کو گرفتار کرلیا۔ لطف یہ کہ بغیر کسی مقدمہ چلائے قید کردیئے گئے۔ پولیس کا افسر اعلیٰ ایک وفد لیکر ان کے پاس آیا کہ ہنگامہ خیز افعال سے اجتناب کریں۔ مگر خان اپنے خیالات اور عمل میں اٹل تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے والد ماجد جو پہلے انگریزوں سے ملے جلے ہوئے تھے گرفتار کرلیا۔ وہ اپنے بیٹے سے زیادہ انتہا پسند بن گئے۔ جیل میں خان کے ساتھ غیر معمولی سختیاں کی گئیں مگر جواں مردے نے خنداں پیشانی سے جھیلیں۔ اور اس میں ہی فرقہ وارانہ اتحاد کی اردگرد کے لوگوں میں تبلیغ شروع اور جیل ہی میں قرآن مجید اور گیتا کے نظریات کی وضاحت کے لئے جماعتیں کھولدیں جہاں خود تعلیم دیتے۔

جب آپ رہا ہوئے تو عدم تعاون اور خلافت کی تحریکیں پورے عروج پر تھیں۔ خان نے ان تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا اس زمانہ میں قومی تعلیم کی طرف توجہ کی اور حاجی ترنگ، زئی کے کے ہمراہ تمام سرحدی صوبہ میں قومی مدارس کا ایک جال پھیلا دیا۔ سنہ ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی سے صوبہ سرحد کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگیا۔ آپ کے بھائی ڈاکٹر خان دست راست تھے۔ چنانچہ خان برادران کی سعی پیہم ثمر آور ہوئی۔ تمام صوبہ ان کے ساتھ تھا۔ وہ سرحدی جو تلوار سے کھیلنے والے ٹھنڈے اور سینہ پر گولیاں کھاتے ہوئے بلا مزاحمت کے جیل

Marfat.com

بیں چلے گئے۔ عدم تشدد کی پالیسی کا صحیح مظاہرہ سرحد کے جوان مردوں نے دکھا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ حکومت کیلئے ناقابل برداشت تھا اور صوبہ ان کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ خوف ودہشت کا دور دورہ ہوگیا۔ وہاں جو جو مظالم کئے جا سکتے تھے وہ سب روا رکھے گئے۔ غرضکہ جبر وتشدد کی داستان خوں چکاں پیشاور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ بیں موجود ہے اس کمیٹی کے صدر مسٹر وٹھل بھائی پٹیل تھے آپ نے مرکزی اسمبلی سے استعفیٰ دے کر تحقیقات کی اور رپورٹ مرتب کی مگر وہ حکومت نے ضبط کر لی اور وہ کتابیں جن بیں سرحد کے خونی حالات تھے وہ بھی بحق سرکار ضبط کی گئیں۔

پھر خان برادران جیل بیں وقت گذاری کر رہے تھے گاندھی اروِن سمجھوتہ کی رو سے خان برادران کو حکومت نے رہا کیا۔ مگر ان کا خوف حکام سرحد پر اس قدر غلبہ کئے ہوا تھا کہ چند ماہ بعد پھر ان کو گرفتار کر لیا۔

گاندھی جی گول میز کانفرنس کے سلسلہ سے انگلستان گئے ہوئے تھے۔ فرنٹیر آرڈی ننس نافذ کر دیا گیا۔ اس کی رو سے گرفتار کئے گئے تھے۔ مقدمہ چلایا گیا الزام آپ کے خلاف ثابت نہ ہو سکا۔ تو یہ کہا گیا کہ دونوں بھائی حاجی ترنگ زئی سے مل کر حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرنا چاہتے تھے۔

Marfat.com

لیکن غیر ملکی حکومت کا مقابلہ جنگجو پٹھان عدم تشدد سے کر رہے تھے اور یہ مظاہرہ حکومت کے الزام کی بہترین پیرایہ میں تردید کرتا تھا۔ اس سے تمام ملک میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ آپ کے بھائی بہنیں بیٹے اور برادر زادہ۔ غرضکہ آپ کا تمام خاندان آپ کی تقلید میں جیل چلا گیا۔

خان عبد الغفار خاں ہندوستان کے معاصر لیڈروں میں ایک امتیازی درجہ رکھنے میں فلسفہ عدم تشدد کے معلم اوّل ہیں اُنھوں نے عملی طور پر تند خو اور جنگجو پٹھانوں کو عدم تشدد کی ایسی تعلیم دی جس کی مثال کسی دوسری جگہ ملنا مشکل ہے اس کے علاوہ رضاکاروں کی تنظیم کی جو سرخ قمیص والے کہلاتے تھے جو خدائی خدمتگار کر کے مشہور ہیں۔

خان کو چند مرتبہ کانگریس کی صدارت پیش کی گئی مگر آپ نے سپاہی رہنا منظور کیا۔ گاندھی جی کے دست راست تھے۔ تقسیم ہند کے مخالف تھے مرحدی صوبہ پر آپ کا کلی اثر تھا۔ وزارت کی تبدیلی پر آپ نے صبر و سکون سے کام لیا۔ پنجاب کی طرح خضر حیات خاں کی پالیسی نہیں برتی گوشہ گیر ہو گئے اور پھر نقیر اسے۔ بی پی سے مل کر پٹھانستان بنانا چاہا جو بے سود رہا۔ ملک کے وفادار ہیں پاکستان میں قیام ہے بڑی سادی وضع کے ہیں۔ نیک طینت، خلق بڑھا ہوا ہے انقلابیوں میں ایک امتیازی درجہ کے حامل ہیں۔

Marfat.com

سر آغا سلطان محمد شاہ آغا خاں جی سی ایس آئی

اسمٰعیلی فرقہ سے تعلق ہے بنی فاطمی ہیں۔ اسلاف عرصہ تک مصر کے حکمران رہے زوال حکومت پر مشرقی ایران آ گئے۔ سر آغا خان کے جد حسنی الحسینی عرف آغا حسن علی شاہ کی شادی فتح علی قاچار شاہ ایران کی دختر سے ہوئی تھی گر ان میں بغاوت ہوئی آغا حسن نے حسن تدبیر سے فرو کرا دیا۔ تو انھیں صوبہ کرمان کا گورنر کر دیا گیا۔ پھر کچھ سیاسی الجھنوں سے ایران کی سکونت ترک کر کے افغانستان ہو کر سندھ آ گئے۔ جنرل نیئر سے تعلقات ہو گئے۔ بمبئی اور پونا میں سکونت اختیار کی۔ گورنمنٹ نے دس ہزار روپیہ ماہوار کی پنشن دے کر ہز ہائینس کا خطاب دیا۔ آغا حسن نے ۱۸۸۱ء میں انتقال کیا ان کے خلف آغا علی شاہ جانشین ہوئے۔ جو بمبئی کے لیجسلیٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔ فرقہ اسمٰعیلی کے پیشوا تھے ۱۸۸۵ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کے جانشین سر آغا خاں ہوئے۔

ولادت ۱۸۷۷ء میں بمقام کراچی ہوئی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ فارسی مادری زبان ہے۔ انگریزی کی اعلیٰ تعلیم مسٹر جان کے

Marfat.com

کہنے سے حاصل کی ۱۸۸۶ء میں ہز ہائنس کا خطاب عطا ہوا ۱۸۹۸ء
میں سی۔ آئی۔ ای ۱۹۰۲ء میں جی۔ سی۔ آئی۔ ای اور دربار دہلی
۱۹۱۱ء میں جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کے معزز خطابات سے ممتاز
ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں رائل کراؤن کا پرشین آرڈر ملا اور بلنٹ
اسٹار آف زنجبار کا اعزاز بھی پایا۔ لاکھوں مرید ہیں۔ ہندو بھی
اس سلسلہ میں ہیں جو شمسی کہلاتے ہیں۔

اگرچہ ان کے قبضہ میں کوئی ملک نہیں مگر مرتبہ اول درجہ
کے فرمانروا کا تسلیم کیا جاتا ہے۔ گیارہ توپوں کی سلامی دیجاتی ہے۔
قومی اور ملکی کاموں میں نہایت فراخ حوصلگی سے چندہ دیتے
ہیں۔ ہندو یونیورسٹی کو پچاس ہزار روپیہ دیا۔ لندن مسجد فنڈ میں
مالی مدد دی۔ مسلم یونیورسٹی کے لئے تمام ہندوستان کا
دورہ کر کے چندہ فراہم کیا ۳۶ لاکھ گرانقدر رقم جمع کی سیاست
ملکی سے بڑی دلچسپی ہے ۱۹۰۶ء میں آپ کی سرکردگی میں
آپ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے لئے سپریم کونسل میں جداگانہ
نیابت کے واسطے لارڈ منٹو کے پاس وفد گیا۔ آل انڈیا مسلم
لیگ کے قیام میں بھی آپ کا ہاتھ ہے۔ اس صدر ۱۹۰۷ء
سے ۱۹۱۳ء تک برابر رہے اور اس ادارہ مالی معاونت
کرتے رہے۔ چند سال ہوئے تلاون جواہرات سے ہوا۔
ملا دہ وقت یورپ میں گذرتا ہے مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر ہیں۔

Marfat.com

۱۹۱۱ء میں داؤد شاہی کے موقع پر کانفرنس کا اجلاس دہلی میں ہوا تو ہز ہائنس پھر اس کے صدر منتخب ہوئے تھے مگر موصوف کی غیر متوقع عدم شرکت کی وجہ سے خطبۂ صدارت نواب عماد الملک سید علی بلگرامی نے پڑھا۔ ۱۹۲۹ء میں بمقام دہلی مسلمانوں کے متفقہ لیڈر تھے۔ اسی طرح گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں آپ کل مسلمانوں کے متفقہ اسپوک میں آخر تک رہے۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

فاضل متبحر عالم اسلامی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہندوستان میں بعد مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے دوسری شخصیت اس بلند پایہ کی پیدا نہیں ہوئی۔

محی الدین احمد نام۔ آبائی وطن دہلی۔ آپ کے والد مولانا خیر الدین جید عالم اور مولانا فضل حق اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ کے ہم صحبت اور ان سے علمی استفادہ اٹھائے ہوئے ۱۸۵۷ء میں ملک کی تباہی و بربادی سے دل برداشتہ ہو کر حجاز چلے گئے۔ ہزارہا ان کے مرید۔ مولانا ابوالکلام ۱۸۸۸ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ حجاز و جامع ازہر مصر میں تعلیم پائی

Marfat.com

پندرہ سال کی عمر میں جید عالم ہو گئے۔ یہ موروثی اثر تھا۔ کیونکہ آپ کا خاندان صدیوں سے گہوارہ علم و فضل رہا۔ اکبر اعظم کے عہد میں۔ شیخ جمال الدین اور جہانگیر کے عہد میں شیخ محمد زبردست عالم و صوفی گزرے ہیں۔ شاہجہاں حضرت شیخ محمد سے مشرف بیعت تھا۔ مولانا کے نانا مولوی منور الدین شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کے عہد میں وزیر تعلیمات تھے۔ مولانا خیر الدین نے ۱۹۰۷ء میں ہندوستان آکر انتقال کیا۔ مولانا نے ہندوستان آنے کے بعد کلکتہ میں بود و باش اختیار کی کچھ عرصہ وکیل اخبار کو مرتب کرتے رہے پھر رسالہ ندوہ کی ایڈیٹری کی۔ مولانا شبلی نعمانی کی علمی صحبت سے استفادہ کیا۔

۱۹۱۲ء میں ایک اردو جریدہ الہلال نکالا۔ اس اخبار نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ صحافت میں نئی راہ پر اخبار چل رہا تھا۔ خواص تو خواص عوام تک الہلال سے اثر پذیر ہو رہے تھے۔ قرآن مجید سے لگاؤ پیدا کر دیا۔ اور مسلمانان ہند میں سیاسی بیداری ہونے لگی۔ انگریزی حکومت بے چین ہو گئی ۱۸۵۷ء کے بعد سے مسلمانوں کو اپنے کارندوں کی معرفت جس رنگ میں رنگا تھا اس کے پرخچے اڑانے لگے۔ اُدھر جنگ عظیم کا خسانہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ حکومت کے لئے موقع تھا قانون دفاع ہند نافذ کر دیا گیا۔ اس وقت صرف الہلال ہی ایک ایسا

Marfat.com

اخبار تھا جو بدستور حکومت کی حکمت عملی پر بلا خوف و خطر نکتہ چینی کر رہا تھا۔ سرکاری رائے کے ترجمان اخبار پاونیر الہ آباد کو الہلال کی تحریروں نے حواس باختہ کر دیا"۔ دارالعوام میں استفسارات کئے گئے۔ آخر کار جریدہ کی ضمانت ضبط کر لی گئی۔ اور دس ہزار روپیہ کی نئی ضمانت مانگی گئی۔ الہلال بند ہو گیا۔ آپ نے دوسرا اخبار البلاغ جاری کر دیا۔ اس سے حکومت کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ پنجاب۔ دہلی۔ صوبجات متحدہ۔ سی۔ پی اور بمبئی اور آپ کے صدر دفتر بنگال میں داخلہ کی ممانعت کر دی گئی۔ انجام کار ۱۹۱۶ء میں رانچی (بہار) کے مقام پر نظر بند کر دیا۔ اور مولانا پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ اس واقعہ نے مولانا کی طاقت میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اور مسلمانوں میں اس سے انقلابی سرگرمی بڑھ گئی۔ نظر بندی کے چند ہی ماہ بعد کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ ہو گیا۔ اور اس سال لکھنؤ کا مشہور کانگریس مسلم لیگ سمجھوتہ مرتب کیا گیا"۔

چار سال نظر بند رہے تھے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں رہا کر دئے گئے۔ خلافت اور عدم تعاون کی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ شہزادہ ویلز کی آمد پر ان کے مقاطعہ کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۰ جنوری ۱۹۲۱ء کو سی۔ آر۔ داس کے ساتھ دوبارہ گرفتار کر لئے گئے۔ ایک سال کی قید ہوئی ۱۹۲۳ء

Marfat.com

کے اوائل میں رہا ہوئے۔ انڈین نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کر لیا۔ اس سال ستمبر میں کانگریس کے خاص اجلاس دہلی کی صدارت کی۔ عمر اس وقت ۳۵ سال کی تھی۔ آپ سے پیشتر کوئی رہنما اتنی عمر میں اس بلند پایہ جماعت کا صدر نہیں بنا۔

کانگریسی صدارت میں بلند ترین حیثیت حاصل رہی۔ اور ہندو مسلمانوں کے متحدہ ہندوستان کے علمبردار رہے ۱۹۲۰ء سے گاندھی جی کے سرگرم معاون اور دوست رہے۔ معمر سیاستدانوں میں آپ سب سے زیادہ انتہا پسند ہیں اور ان میں آپ سب سے زیادہ سماجی فلسفہ کو سمجھتے ہیں۔" تشکیل دولت بھارت پر آپ وزیر تعلیم بنائے گئے۔ آج تک اس عہدہ پر ممتاز ہیں۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو

ڈاکٹر سیف الدین کچلو ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڈھ کالج میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی اور بعد ازاں انگلستان جاکر دارالعلوم کیمبرج اعلیٰ تعلیم حاصل کی بیرسٹری کی ڈگری لیکر جرمنی گئے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی فلسفہ میں کیا۔ چند ماہ

Marfat.com

فرانس میں رہے ۱۹۱۹ء میں ہندوستان آئے۔ مارچ ۱۹۱۹ء میں ستیہ گرہ کی مشہور تحریک شروع ہوئی اور امرتسر میں بھی رولٹ بل کے جلسے ہوئے ان کو کامیاب بنانے میں آپ پیش پیش تھے۔ تحریک خلافت سے متاثر ہو کر بیرسٹری ترک کی۔ قومی کاموں میں لگ گئے۔ مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے سکریٹری منتخب ہوئے اور مولانا شوکت علی اور مہاتما گاندھی کے ہمراہ تمام ملک کا دورہ کیا۔ پنجاب میں سیاسی اُمنگ کے باعث آپ ہی ہیں۔

آپ کی تقریروں نے تہلکہ مچا دیا تو حکومت نے زبان بندی کر دی۔ پھر ماہ ستمبر ۱۹۲۱ء میں علی برادران پر مقدمہ چلا تو اس سلسلہ میں شملہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ کراچی کی عدالت میں بغاوت کا مقدمہ ان پر چلا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں دو سال قید مشقت کی سزا دی گئی۔ اسوقت سے ۱۹۴۷ء تک ملک کی تحریک میں برابر شریک رہے۔ اب گوشہ گیر ہیں۔ دائرہ معارف قرآنیہ آگرہ کے رکن ہیں۔

مولانا حسین احمد مدنی

مولانا حسین احمد بانگرمؤ ضلع اناؤ میں ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اصل وطن ٹانڈا ہے ۱۳ سال کی عمر میں دیوبند آئے اور مولانا محمود الحسن کی خدمت میں رہے جنوری ۱۹۱۷ء سے مارچ ۱۹۲۰ء تک مالٹا میں اسیر فرنگ رہے۔ کم عمری میں اپنے والدین کے ساتھ مدینہ چلے گئے۔ ایک عرصہ تک مشغلہ مسجد نبوی میں درس و تدریس کا رکھا۔ جمعیتہ العلما ہند کے اجلاس ۱۹۲۳ء کے صدر منتخب ہوئے۔ مدنی فارمولا ۱۹۴۵ء میں آپ نے پیش کیا۔ جس کو سرکریس نے سراہا۔ مسلم پارلیمنٹری بورڈ بناکر مسلم لیگ کے الکشن کو کامیاب بنایا۔

زبردست محب وطن دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ۹ر مئی ۱۹۴۷ء کے جمعیتہ العلما کے صدر منتخب ہوئے پھر چارسو نمائندے شریک ہوئے۔ بمبئی کے اجلاس ۱۹۴۸ء کی صدارت کی۔ آج بھی قوم کی قیادت فرما رہے ہیں

Marfat.com

نواب محمد اسمٰعیل خاں بار ایٹ لا

نواب حاجی محمد اسحاق خاں پنشنر ڈسٹرکٹ وسشن جج کے صاحبزادہ اور نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک مصطفےٰ خاں شیفتہ دہلوی تعلقہ دار جہانگیر آباد کے پوتے" نواب اسحاق خاں ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت زیر نگرانی مولانا حالی ہوئی۔ آگرہ کالج سے امتحان انٹرنس پاس کیا اول درجہ پاس ہوئے۔ ڈسٹرکٹ جج وسشن جج کے عہدہ سے پنشن لی۔ ۱۸۹۶ء میں رام پور میں مدار المہام ہوئے ۱۹۱۱ء میں حج کیا ۱۹۱۳ء میں آنریری سکریٹری کالج ہوئے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس علی گڈھ کے صدر ہوئے۔ کلیات امیر خسرو کی نشر و اشاعت آپ کا علمی کارنامہ ہے۔ مسجد کالج کی موجودہ تزئین اور درستی آپ ہی کے ہاتھوں ہوئی ۱۹۱۷ء میں حرکت قلب کے بند ہو جانے سے انتقال ہوا۔

نواب اسمٰعیل خاں ۱۸۸۶ء میں بمقام آگرہ ماشاء اللہ خاں سول سرجن خان بہادر کے مکان واقع گلی حکماں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم محمدن کالجیٹ اسکول میں ہوئی۔ ولایت گئے بیرسٹر

Marfat.com

ہو کر آئے مگر وکالت کے پیشہ پر قومی خدمت کو ترجیح دی۔ عرصہ تک اسمبلی کے ممبر رہے۔ صوبہ مسلم لیگ کے صدر رہے۔ مسلم رہنمایان قوم میں آپ ہی ایک ایسے بزرگ ہیں جن کا دامن ہر قسم کی آلائش سے پاک و صاف رہا۔ درجنوں کانفرنس اور جلسوں کے صدر رہے۔ ایک عرصہ تک آنریری ٹریژرر مسلم یونیورسٹی رہے پھر پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی رہے میرٹھ میں قیام ہے۔

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی

مولانا خواجہ یوسف ہمدانی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے بزرگ کشمیر سے دلی آئے۔ ابتدا میں گوٹہ کناری کی تجارت مشغلہ تھا۔ رسمی تعلیم پائی تھی مگر مفتی کفایت اللہؒ کے درس میں بیٹھ کر درسیات کی تکمیل کی۔ وعظ گوئی میں کمال ہے سحر البیان ہیں جمعیتہ العلما کی تشکیل آپ کی ہی سعی کا نتیجہ ہے۔ ایک زمانہ تک اس کے ناظم اعلیٰ رہے پھر نائب صدر رہے۔ ۹ بار جیل بھگتی۔ تحریک آزادی میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے جیل میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جنت کی کنجی۔ دوزخ کا کھٹکا بڑی معقول کتابیں ہیں۔ کلام پاک کا ترجمہ فصیح زبان میں کیا ہے۔

Marfat.com

موتمر المصنفین بھی قائم کی۔ ۱۹۴۷ء میں فسادات کے موقع پر مسلمانوں کی بڑی خدمات انجام دیں۔ کانگریس سے دیرینہ تعلقات ہیں۔ آج بھی قوم کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ راقم سطور سے بے حد مانوس تھے۔ اور خصوصیت سے مدارات فرماتے۔ آپ کی سوانح عمری مرتب کر کے مولوی محمد سعید صاحب مالک دینی بک ڈپو دہلی کو ۱۹۵۵ء میں دے آیا ہوں۔ اب بہت ضعیف ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ سلامت رکھے مولانا کا دم مغتنمات سے ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

سیوہارہ ضلع بجنور میں ۳ر جنوری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے علوم شرقیہ کی تعلیم دیوبند میں پائی۔ انگریزی تعلیم بقدر ضرورت پرائیویٹ حاصل کی۔ تین سال دارالعلوم میں درس پھر تبلیغی مشق پر مدراس گئے۔ ایک سال بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں آ گئے اور وہاں حدیث و تفسیر کے پروفیسر کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے۔ یہاں سے آپ کو کلکتہ بلا لیا گیا اور انجمن دعوت تبلیغ کا ناظم مقرر کیا جو مولانا ابوالکلام

Marfat.com

آزاد کی زیر سرپرستی قائم تھی۔ دو سال اس کے فرائض انجام دیئے مگر آپ کو ملکی سیاست سے دلی لگاؤ تھا۔ عملاً بھی شریک تھے۔ پہلی بار آپ رولٹ ایکٹ کے ماتحت گرفتار ہوئے پھر نمک کے سلسلہ میں جیل ہوئی۔ مولانا آزاد کے ہمراہ جیل میں رہے سات ماہ کی قید ڈھائی سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی تھی ۱۹۳۰ء میں جمعیتہ العلمائے ہند کی مجلس عاملہ میں لئے گئے۔ ۳۶ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے ۴۲ء میں دفعہ ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت گرفتار کیا گیا۔ مرادآباد اور بریلی جیل میں رکھے گئے۔ اس کے بعد جمعیتہ العلماء ہند کے سکریٹری یو۔ پی پراونشل کانگریس کمیٹی کے نائب صدر اور دستور ساز کی اقلیتی کمیٹی کے رکن ہوئے۔

۴۷ء کے فسادات میں بڑی خدمات انجام دیں اس سے قبل آپ کا مشغلہ تصنیف و تالیف کا بھی رہا ندوۃ المصنفین کے معتدر رفقا سے ہیں۔ قصص القرآن۔ اسلام کے اقتصادی نظام کے آپ مصنف ہیں آج بھی آپ جمعیتہ العلمائے ہند کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے قومی و ملی کاموں میں منہمک ہیں۔ آپ کے مخصوص احباب اور رفیق کار مفتی عتیق الرحمن ناظم ندوۃ المصنفین دہلی اور مولوی سعید احمد اکبرآبادی ایم۔ اے۔ پرنسپل دلنزلی کالج کلکتہ ہیں۔ راقم سطور کو بھی عرصہ سے آپ کے رفقاء میں شامل ہونے کا فخر ہے۔

Marfat.com

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

بانی ندوۃ المصنفین دہلی

مفتی صاحب ۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے مفتی عزیز الرحمٰن مفتی اعظم دیوبند کے فرزند ارجمند ہیں علمی ماحول میں آنکھ کھولی دارالعلوم میں درسیات کی تکمیل کی۔ جمعیۃ الطلبہ کے عظیم الشان نظام کی بنیاد ڈالی جس نے ملکی سیاسی تحریکوں میں بالخصوص خلافت کے دور میں شاندار کارنامے انجام دیئے۔ ۱۹۲۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ کچھ عرصہ دارالعلوم میں تدریس کی خدمت انجام دی اور ۱۳۴۲ھ میں دارالافتا میں باقاعدہ طور سے لئے گئے۔ جب دارالعلوم کے نظام میں اصلاح نظم کی تحریک شروع ہوئی تو انھوں نے نمایاں طور پر اس میں حصہ لیا اور زبردست خدمات انجام دیں اس کے بعد جامعہ ملیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے جہاں پانچ سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے اور ساتھ ہی عہدہ افتا بھی ان سے ہی متعلق تھا۔ موصوف شروع ہی سے آزادی کی تحریک سے وابستہ رہے۔ آپ نے دلی آکر ۱۹۳۸ء میں ریسرچ اکیڈیمی ندوۃ المصنفین

Marfat.com

نام سے قائم کی جس کے رفقانے ملک میں صالح لٹریچر پیش کیا۔
مفتی صاحب کے رفیق کاروں میں مولانا حفظ الرحمٰن مولانا سعید
احمد اکبرآبادی ایم۔ اے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ازراہ قدردانی
راقم کو بھی اپنی جماعت میں منسلک کرلیا ہے۔ اس ادارہ سے
۶ کے قریب بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

رفقاء ندوۃ المصنفین

مولانا حفظ الرحمٰن۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔ انتظام اللہ
شہابی اکبرآبادی۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی۔ مولانا بدر عالم
مدنی۔ مولانا محمد ظفیر الدین۔ مولوی محمد تقی۔ ڈاکٹر میر ولی الدین
ایم۔ اے۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔
استاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی۔ قاضی زین العابدین۔ مولانا سید
مناظر احسن گیلانی۔ مولوی علیم الدین صدیقی۔ مولوی عبدالرحمٰن خاں
صدر حیدرآباد اکیڈیمی و سابق پرنسپل جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ سید
مبارز الدین رفعت ایم۔ اے لکچرار اورنگ آباد کالج۔ ڈاکٹر
غلام ربانی۔ ایم۔ اے۔ مولوی سید منت اللہ شاہ رحمانی۔ مولانا
خواجہ عبدالحئی فاروقی استاد تفسیر جامعہ ملیہ دہلی۔ اسرار احمد
صاحب آزاد۔

Marfat.com

مولانا محمد میاں مراد آبادی

جمعیۃ العلما ہند کے ناظم مولانا سید محمد میاں مراد آبادی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل عالم ہیں۔ پہلے مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدرس تھے۔ جمعیۃ العلما کے دوسرے بزرگوں کی طرح آپ بھی کئی بار آزادیِ وطن کے لئے قید و بند کی مصیبتیں برداشت کر چکے ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ علمائے حق آپ کی گراں قدر مطبوعات ہیں۔ آپ جمعیۃ العلماء ہند کے شعبۂ نشر و اشاعت کے انچارج اور اخبار الجمیعۃ کے نگراں ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ

شیخ محمد عبداللہ جنھیں عام طور پر شیر کشمیر کے لقب سے پکارا جاتا ہے اس تحریک آزادی کے روح رواں ہیں جس کی وجہ سے کشمیر میں انقلاب پیدا ہوا۔ آپ نسورا نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے آپ

Marfat.com

بچپن سے ہی اپنے آبائی پیشہ یعنی شالوں کی تجارت سے کو دلچسپی نہ تھی اس لئے آپ نے تعلیم کو ترجیح دی۔ آپ نے جموں کالج سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا اور ڈگری کی تعلیم کے لئے لاہور چلے گئے۔ ایام طالب علمی میں بھی آپ نے اپنے ملک کی سیاست اور اقتصادی مسائل کے مطالعہ میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ علی گڈھ یونیورسٹی سے ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ کو گورنمنٹ ہائی اسکول میں وائس ماسٹر کی آسامی مل گئی۔ لیکن نئے آدرشوں کی گرفت میں اور اپنے عوام کی ناگفتہ حالت کے گہرے احساس سے آپ نے ایسے اشخاص کی تلاش شروع کی جو آپ کے آدرشوں آپ کے شریک ہوسکیں۔ آپ نے اپنے دلائل لاثانی طاقت سے اپنے دوستوں کا ایک گروہ بنانے میں نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی۔ پوسٹروں، اشتہاروں اور خفیہ میٹنگوں سے جو مہم شروع کی گئی اس نے عوام کی توجہ اپنی طرف منعطف کرادی۔

اس کے بعد ہی آپ نے مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی اور ریاست میں ذمہ دار حکومت کے قیام کے لئے باقاعدہ مہم شروع کی ۱۹۳۱ء میں شیخ عبداللہ اور ان کے کچھ رفقاء کار گرفتار کر لئے گئے۔ جس سے ریاست بھر میں حکومت کے خلاف عام ناراضگی کی لہر پھیل گئی۔ لیڈروں کو ۱۲ دن کے بعد رہا کر دیا گیا۔ آپ نظر بند ہیں۔

۱۹۳۸ء میں آپ کی قیادت میں مسلم کانفرنس نیشنل کانفرنس میں تبدیل ہو گئی۔ آپ ۱۹۳۸ء میں پھر گرفتار کر لئے گئے مگر ۱۹۳۹ء میں رہا ہوئے۔

Marfat.com

آپ خواب غفلت میں مدہوش عوام کو نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ذمہ دار حکومت کا مطالبہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ اور اسے محسوس کرتے ہوئے حکومت نے ایک قسم کی اصلاحات نافذ کیں جن میں عوام کے دو نمائندوں کو بھی کیبنٹ میں مدعو کیا۔ لیکن تجربہ ناکام ثابت ہوا۔ کیبنٹ سے نیشنل کانفرنس کے نمائندوں کے استعفیٰ سے ریاست بھر میں اس تحریک نے سر اٹھایا اور شیر کشمیر کا نام دنیا کے کونے کونے میں مشہور کرا دیا۔ ۱۹۴۷ء میں برطانیہ کے تقسیم کرو اور چلے جاؤ کے فیصلے نے ہندوستانی ریاستوں کے مستقبل کا الجھا ہوا مسئلہ پیدا کر دیا۔

شیخ عبداللہ چاہتے تھے کہ اس مسئلہ کا حل لوگ آزاد ہو کر خود کریں۔ لیکن بغیر کسی تاخیر کے قبائلی لوگوں کے گرد کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ لہٰذا شیخ عبداللہ کی زیر رہنمائی نئی پاپولر حکومت قائم کی گئی۔ اور وہ پاکستان سے تعلق رکھنے کے بجائے حکومت ہند سے گٹھ گئے۔ اس کا ثمر یہ ان کو ملا کہ آج نظر بند ہیں ان کی بدولت کشمیر کے دو حصے ہوئے اور اہل کشمیر مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ آزاد کشمیر کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔

عالی مرتبت فضل الرحمٰن مشرقی پاکستان کے اکابر سے ہیں انگریزی اعلیٰ تعلیم پا کر وکالت پاس کی۔ ملک کی آزادی میں آپ کی خدمات پیش پیش ہیں پاکستان میں ایک عرصہ تک وزیر تعلیم رہے۔ آپ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کے صدر ہیں۔ علمی کاموں سے شغف رہے۔

Marfat.com

چودھری خلیق الزماں

چودھری صاحب کی عمر کا بڑا حصہ سیاست ملکی میں گذرا ایک عرصہ تک لکھنؤ میونسپل بورڈ کے چیرمین رہے۔ کانگریس میں داخل ہوئے تو سکریٹری کے فرائض انجام دیئے مسلم لیگ میں شرکت کی تو انھوں نے اور نوابزادہ اسمٰعیل خاں نے قائداعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کو بلند مقام پر پہنچا دیا جب پاکستان کی تشکیل ہوئی تو لیگ کے صدر رہے پھر بنگال کے گورنر ہو گئے اب انڈونیشیا کے سفیر ہیں۔ پاکستان کی تعمیر میں آپ کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

Marfat.com

مسٹر دادابھائی نوروجی

مسٹر دادابھائی نوروجی نوساری کے رہنے والے تھے ان کے بزرگوں کو اکبر اعظم نے جاگیر دی تھی۔ دادا بھائی ۴ ر ستمبر ۱۸۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۵ء میں انگریزی اسکول میں داخل ہوئے۔ کامیابی کے بعد ۱۸۵۴ء میں انفسٹن کالج میں ریاضی کے پروفیسر ہوگئے۔ نیو جنرل لائبریری۔ اسٹوڈنٹس لٹریری اینڈ سائنٹفک سوسائٹی قائم کی پارسی لڑکیوں کے لئے اسکول قائم کیا۔ ایسے بہت سے کام کئے۔ ۱۸۵۸ء میں گجراتی میں اخبار نکالا۔ ۱۸۶۷ء میں انتظام ہند اور ہندوستانیوں کی مفلسی میں انھوں نے ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن بمبئی قائم کی۔ برودہ ریاست کی اصلاح پر حکومت کو توجہ دلائی۔ ۱۸۸۵ء میں نیشنل کانگریس کے اجلاس بمبئی میں حصہ لیا۔ ۱۸۸۶ء میں پارلیمنٹ میں ممبر منتخب ہوئے اس کے بعد سیاست ملکی میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۰۵ء میں فوت ہوئے۔

Marfat.com

لوکمانیہ تلک

تلک کا پورا نام بال گنگا دھر تلک تھا اور بال بھی بلونت راؤ کا مخفف ہے۔ گنگا دھر ان کے پتا کا نام تھا۔ مہا راشٹر کے رواج کے بموجب بیٹے کے نام کے بعد باپ کا بھی نام شامل کر لیا گیا بلونت راؤ کو چونکہ گھر پر محبت میں بال کہا جاتا تھا اس لئے وہ بال ہی مشہور ہو گئے۔ پتا سنسکرت کے عالم تھے۔ انھوں نے ان کو بھی سنسکرت کی اچھی تعلیم دی۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا بیٹا بھی سنسکرت کا نامی پنڈت ہو یہ کیا معلوم تھا کہ میری شہرت تو صرف مہا راشٹر میں ہے مگر یہ لڑکا نہ صرف تمام ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی نام پیدا کریگا۔

بلونت شروع سے ہی ہٹیلا تھا۔ ماسٹروں سے بھی ان کی ان بن ہوئی۔ لڑکوں کی ایک پارٹی بنائی اور اس کی بھی رہنمائی کرنے لگا۔ یہ لڑکا بی۔ اے پاس کرنے کے بعد بال گنگا دھر تلک کے نام سے مشہور ہوا اور اسی تلک کو بیسویں صدی میں لوکمانیہ تلک کہنے لگے۔

تلک نے وکالت پاس کی مگر پیشہ وکالت پسند نہ آیا۔

Marfat.com

پنڈت سیوا کا خیال شروع سے ہی طبیعت میں بیدا تھا۔ اس نے ایک قومی اسکول قائم کیا جس نے رفتہ رفتہ فرگوسن کا روپ اختیار کیا جس میں یہ سنسکرت اور ریاضی کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک وکیل سے زیادہ ایک پروفیسر تھے ایک پروفیسر سے کہیں زیادہ ایک ایڈیٹر مرہٹی میں ان کا اخبار کیسری اور انگریزی میں مرہٹہ نکلتا تھا۔ دونوں نے وہ شہرت حاصل کی کہ ہندوستان میں ان سے پہلے کسی اخبار نے حاصل نہیں کی تھی۔ پہلے مسٹر اگرکر ان کے شریک کار تھے لیکن بعد کو اختلاف رائے پیدا ہوجانے سے وہ الگ ہوگئے۔ یہ اختلاف اس بات پر تھا کہ سماج سدھار کو تلک مہاراج دھارمک ادھار پر کرنا چاہتے تھے اور پروفیسر اگرکر خالص مادی بنیاد پر تلک مہاراج اس سوشل کانفرنس کے اجلاس کے بھی خلاف تھے جو ہر سال کانگریس کے اجلاس کے بعد اسی کے پنڈال میں ہوا کرتا تھا۔ ایک بار تو وہ کانگریس کے اجلاس میں بھی اسی خفگی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے۔

کیسری اور مرہٹہ اس دور میں آزاد نویسی کر کے محفوظ کیسے رہ سکتے تھے۔ ان پر دیوان صاحب بڑودہ اور دیوان صاحب کولھاپور کی کڑی نظریں پڑیں۔ اس کے رویہ پر ان اخباروں میں زبردست نکتہ چینی کی جا رہی تھی۔ اخباروں پر مقدمہ چلا تلک مہاراج کو کافی پریشانی ہوئی۔ مگر بالآخر بری ہوگئے اس اثناء میں

Marfat.com

کیسری اور مرہٹہ کی شہرت اور زیادہ بڑھ گئی اور مہا راشٹر کے گھر گھر میں کیسری کا اخبار پڑھا جانے لگا۔

۹۸-۱۸۹۷ء میں صوبہ بمبئی میں پلیگ پھیلا۔ سرکاری افسروں نے جو انسدادی تدبیریں اختیار کیں ان سے عوام کو بہت پریشانی ہوئی۔ مسٹر تلک نے عوام کی ہمدردی اور تائید کی۔ افسروں سے ٹکر لی اور آخر انھیں سزا ہو گئی۔ قید کے زمانہ میں انھوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب اورین لکھی پروفیسر میکس مولر نے ملکہ وکٹوریہ کو لکھا کہ اتنے بڑے عالم کا قید رکھنا ٹھیک نہیں۔ چنانچہ تلک مہاراج ڈیڑھ سال میں سال بھر کی سزا کاٹنے کے بعد رہا ہو گئے۔

ایک اور مقدمہ ذاتی طور پر مسٹر تلک مہاراج کے خلاف چلایا گیا جو ایک ٹرسٹ کی جائداد کے بارے میں تھا۔ اس مقدمہ کی تہ میں سیاسی سازش کام کر رہی تھی۔ دعویٰ دائر کرنے والی عورت تو محض آلۂ کار کی حیثیت رکھتی تھی ابتدائی عدالت سے تو تلک مہاراج کو سزا ہو گئی۔ مگر اپیل پر ہائیکورٹ سے بری ہو گئے

تلک مہاراج انتہا پسند تھے وہ کانگریس کو بھی انتہا پسند بنانا چاہتے تھے۔ سورت کانگریس ۱۹۰۷ء میں ہوئی تھی ڈاکٹر سر راش بہاری گھوش صدر چنے گئے مسٹر تلک گنگا دھر انتخاب کے طریقہ کے خلاف تھے۔ انھوں نے مخالفت میں

Marfat.com

آواز بلند کرنی چاہی۔ اجازت نہیں ملی یہ زبردستی پلیٹ فارم پر چڑھ گئے۔ جلسہ میں ہنگامہ ہوگیا۔ کچھ ایسی باتیں بھی ہوئیں جو نہ ہونی چاہیئے تھیں۔ آخر اجلاس میں ہنگامہ مچ گیا۔ اور اجلاس آیندہ سال کے لئے ملتوی ہوگیا۔

آئندہ سال ۱۹۰۸ء میں ملک مہاراج کو بغاوت کے جرم میں ۶ سال قید سخت سزا ہوگئی۔ کیونکہ انھوں نے دو انگریزوں کے قتل پر یہ لکھا تھا کہ اس کے لئے انگریز کا رویہ ذمہ دار ہے۔ فیصلہ احتیاطاً دس بجے رات کو سنایا مگر اس وقت بھی ہزاروں کا اژدھام تھا۔

قید میں گیتا کی تفسیر لکھی ۱۹۱۵ء میں کتاب شائع کی لارڈ ولنگڈن نے پہلی جنگ کی وار کانفرنس کی اس سے واک آؤٹ کیا۔ ۱۹۱۹ء میں امرتسر کے کانگریس اجلاس میں شرکت کی۔ مہاتما گاندھی اور ان میں اختلاف ہوگیا تھا۔

یکم اگست ۱۹۲۰ء کو انتقال ہوا۔

Marfat.com

پنڈت موتی لال نہرو

پنڈت موتی لال نہرو ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ بڑے بھائی نند لال نے پرورش کی۔ اصل کشمیری خاندان کول ہے، لیکن چونکہ دہلی میں نہر سعادت خاں کے کنارے رہتے تھے اس لئے نہرو کہلائے اور اب نہرو خاندان تمام دنیا میں مشہور ہے۔ پنڈت موتی لال نہرو نے تعلیم کے بعد کچھ دنوں کانپور میں اور اس کے بعد الہ آباد میں وکالت شروع کی یہاں ان کی وکالت ایسی چمکی کہ ہندوستان کے صف اول کے وکیلوں میں شمار ہونے لگا اور پنڈت سندر لال کی رحلت کے بعد الہ آباد میں کوئی وکیل ان کی ٹکر کا نہ رہ گیا۔ آمدنی بھی شاہانہ تھی اور خرچ بھی۔ کچھ تو رہتے ہی بڑے ٹھاٹ سے تھے کچھ لوگوں نے اور بھی ان کی شاندار زندگی کے متعلق افسانے مشہور کر دیئے

بیسویں صدی کے شروع میں الہ آباد میں کانگریس کا اجلاس ہوا اس میں ایک اعتدال پسند کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ لیکن کانگریس میں عملی دلچسپی ۱۹۱۶ء سے لینی شروع کی۔ جب لکھنؤ میں کانگریس کا وہ تاریخی اجلاس ہوا تھا

Marfat.com

جو آج تک کانگریس لیگ معاہدے اور انتہا پسند اور اعتدال پسند عناصر کے میل کے لئے مشہور ہے۔ ۱۹۱۷ء میں پنڈت موتی لال نہرو نے یو۔ پی پراونشل کانگریس کی صدارت کی اور ۱۹۱۹ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس امرتسر کی صدارت فرمائی یہ اجلاس نہ صرف اس لحاظ سے بہت اہم تھا کہ اسی سال امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ ہو چکا تھا اور پنجاب کی سرزمین مارشل لا کے مظالم سے دو چار ہو چکی تھی بلکہ اسی اجلاس نے گاندھی جی کو ہندوستانی سیاست کا رہنمائے اعظم بنا دیا۔ ۱۹۲۰ء میں کانگریس نے تحریک ترک موالات کی اور ۱۹۲۱ء میں پنڈت جی کو پرنس آف ویلز کی آمد کے بائیکاٹ کے سلسلہ میں سزا ہو گئی ۱۹۲۲ء میں ان کے باہر آنے پر ملک کا نقشہ بدل چکا تھا پنڈت جی اور مسٹر سی۔ آر۔ داس نے مل کر سوراج پارٹی چلائی۔ چودھری خلیق الزماں پنڈت جی کے اسسٹنٹ تھے۔ کانگریس کو اس سے اختلاف ہوا۔ ۱۹۲۲ء کی گیا کانفرنس میں زور آزمائی ہوئی پنڈت جی کی پارٹی کو شکست ہو گئی۔ کشمکش چلتی رہی۔ آخر ۱۹۲۳ء میں مولانا آزاد کی صدارت میں دہلی میں کانگریس کا اسپشل اجلاس ہوا اور اس میں دونوں پارٹیوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ پنڈت موتی لال نہرو مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے صدر ہو گئے۔ ۱۹۲۴ء میں انھوں نے اتحاد کانفرنس میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۲۶ء کے

Marfat.com

انتخاب میں مالوی جی اور پنڈت موتی لال نہرو کی پارٹیوں میں مقابلہ ہوا کیونکہ مالوی جی نے کانگریس نیشنلسٹ پارٹی بنائی تھی اور لالہ لاجپت رائے پنڈت موتی لال نہرو کی سوراج پارٹی سے نکل کر کانگریس نیشنلسٹ پارٹی میں چلے گئے تھے۔ الکشن میں پنڈت موتی لال نہرو کی پارٹی کو اچھی کامیابی ہوئی۔ لیکن تمام صوبوں میں سے صرف سی۔پی میں اس کی اکثریت ہو سکی۔

۱۹۲۷ء میں مدراس کانگریس ہندوستان کے لئے ایک نمونہ کا آئین بنانے کے لئے پنڈت جی کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے ۱۹۲۸ء میں اپنی رپورٹ مرتب کر لی۔ جو کلکتہ کے اجلاس کانگریس سے منظور ہو گئی۔ آل پارٹیز کانفرنس میں مسٹر جناح نے چار ترمیمیں پیش کیں۔ جو منظور نہ ہوئیں۔ مسٹر جناح برداشتہ خاطر واپس آئے اور جب سے ان کی برہمی بڑھتی ہی گئی حتیٰ کہ واقعات نے پاکستان کی صورت اختیار کر لی۔

۱۹۲۹ء میں چونکہ پنڈت جواہر لال نہرو کانگریس کے صدر منتخب ہوئے تو پنڈت موتی لال نہرو نے انھیں صدارت کا چارج دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

پنڈت جواہر لال نہرو نے اسے پورا کر دکھایا۔

۱۹۳۰ء میں پنڈت موتی لال نہرو نمک ستیہ گرہ کے سلسلہ

Marfat.com

میں گرفتار ہوئے۔ جب وہ جیل میں تھے تو حکومت نے سر تیج بہادر سپرو کے ذریعہ صلح کی بات چیت کی۔ نینی جیل سے پنڈت جی برودہ جیل لے جاتے گئے۔ جہاں گاندھی جی سے ان کی بات ہوئی۔ لیکن معاملہ طے نہ ہوا۔ پنڈت جی بیمار ہو کر جیل سے نکلے۔ گول میز کانفرنس کے پہلے اجلاس کے خاتمہ پر مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے کانگریس سے تعاون کی اپیل کی۔ پنڈت جی نے بستر علالت سے اس کا جواب دیا جس پر کانگریسی لیڈر چھوڑ دیئے گئے اور آخر گاندھی اروِن سمجھوتہ ہو گیا۔ لیکن اس سمجھوتہ سے پہلے ہی پنڈت جی ۶ر فروری ۱۹۳۱ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔

پنڈت موتی لال نہرو قانون دانی میں شہرۂ آفاق بیخوفی میں ضرب المثل۔ آزاد خیالی میں آپ اپنی مثال، خودداری کا مجسمہ مزاح کے تیز۔ بذلہ سنجی کے ماہر۔ فنون لطیفہ کے دلدادہ۔ روپیہ کی قدر سے بے نیاز اور دیش بھگتی میں مگن تھے۔

Marfat.com

پنڈت چیت پاؤں دامودر

چیت پاؤن براہمن دامودر پونا کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ایک مرہٹہ پارٹی بنائی ان کے شریک بال کرشن تھے۔ جسمانی اور فوجی تربیت اس جماعت کا مقصد تھا ۱۸۹۵ء میں سیواجی کی برسی بڑے پیمانہ پر منائی گئی۔ یہ طریقہ مرہٹوں میں زندگی کو ابھارنے اور حریت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا۔ دامودر منچلا نوجوان تھا اور سیاسی سرگرمی دکھانے میں پیش پیش تھا۔ حسن اتفاق لفٹنٹ ایرسٹ اور مسٹر رزنڈ ۲۲ جون کو ملکہ وکٹوریہ کی تاجپوشی کے جلسہ سے آ رہے تھے۔ اس نے لفٹنٹ کو قتل کر دیا۔ اس جرم میں دامودر رکھ لیا گیا اور مقدمہ چلایا گیا اور ڈبل قتل کا مجرم قرار دے کر سزا دیدی گئی اور اس کے بعد ان کی کمیٹی کے چار ممبروں کو سزائے موت دی گئی۔

Marfat.com

بنکم چیٹرجی

بنکم چٹرجی وطن پرست شخص تھے۔ حاجی محسن فنڈ سے وظیفہ پاکر بی اے کیا انگریزوں سے وہ مانوس نہ تھے ان کی کوشش سے ایک جماعت سنیاسیوں کی بنگال میں قائم ہوئی ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کیا جائے۔ بندے ماترم کے نعرے کے ساتھ مسلمانوں پر بھی ہاتھ صاف کرجاتے انھوں نے ظاہرہ مسلمان آبادیوں پر حملہ کیا[1] مگر باطنی صورت ملک کو آزاد کرانا تھا۔

جے پرکاش

جے پرکاش سیتاب دیارا ضلع سارن بہار کے رہنے والے آپ کے والد کسان تھے جو عزت سے زندگی گذار رہے تھے۔

---

[1] تاریخ وطنیت صفحہ ۸۳

Marfat.com

تعلیم اور ترقی میں خود ان کی ذاتی سعی کو زیادہ دخل ہے۔ کالج کا وظیفہ ترک موالات کی بنا پر ترک کیا اور اکتوبر ۱۹۲۲ء میں آپ کیلیفورنیا پہنچ گئے۔ یونیورسٹی کے کھلنے میں تین ماہ باقی تھے۔ آپ نے ایک باغیچہ میں کام کرنا شروع کیا۔ انگوروں۔ آڑوؤں۔ خوبانیوں اور باداموں کے باغیچہ میں بہت رات گئے تک محنت و مشقت سے کام کرتے ۱۴ روپیہ روزانہ اجرت مل جاتی۔ اسّی ڈالر ایک ماہ میں جمع کر لئے۔ پھلوں کا موسم ختم ہوا تو آپ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے چلے گئے۔ وہاں علیحدہ کمرہ لے کر رہنے لگے۔ کھانا اپنا خود پکا لیتے۔ ایک سال کیلیفورنیا میں تعلیم بسر کر کے ایڈوا یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ پھر وسکونسن یونیورسٹی میں چلے گئے یہاں آپ کے خیالات میں تغیر پیدا ہوا اور کٹر اشتراکی بن گئے امریکہ میں آٹھ سال رہے پانچ یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی۔ ریاضی۔ طبعیات۔ کیمیا کی تعلیم حاصل کی۔ کئی سال تک حیوانیات۔ نفسیات اقتصادیات اور عمرانیات کے طالب علم رہے۔ آپ کے ایم۔ اے مقالہ کی بہت تعریف کی گئی۔ ۱۹۳۱ء میں ہندوستان آئے پنڈت جواہر لال نے انکو انڈین نیشنل کانگریس کے مزدوری تحقیقات کے محکمہ کا نگران مقرر کر دیا۔ چند ہی ماہ بعد سول نافرمانی کی تحریک کے دوران میں جے پرکاش کانگریس کے قائم مقام سکریٹری بن گئے۔

Marfat.com

آپ کی ناسک جیل کا زمانہ تاریخی یادگار رہے ہے۔ آپ کے ہمراہ کئی مشہور کانگریسی اسی جیل میں تھے۔ جن میں سے مسٹر مسانی اور اچھوت پٹوردھن کا نام یاد ہے۔ جے پرکاش نے اپنے رفقاء سے مل کر کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے قیام کا خاکہ کھینچا اور رہائی کے بعد اچاریہ سر بندر دیو کی صدارت میں آل انڈیا کانگریس سوشلسٹ پارٹی کا پہلا اجلاس پٹنہ میں منعقد کیا۔ اس کے بعد جگہ جگہ کانگریس سوشلسٹ پارٹیاں قائم کی۔ چند ماہ بعد بمبئی میں آل انڈیا کانگریس سوشلسٹ پارٹی باقاعدہ قائم کی گئی۔ لکھنؤ کے اجلاس میں کانگریس کی مجلس عاملہ کے رکن بننے تک کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے مسلسل سکریٹری رہے۔ چند ماہ بعد کانگریس کی کابینہ سے مستعفی ہو گئے تاکہ اپنی پارٹی کے جنرل سکریٹری کا کام کرتے رہیں۔ غرضکہ ملک کو آزاد کرانے میں ان کی سرگرمی کا بڑا حصہ رہے۔

Marfat.com

خودی رام بوس

خودی رام بوس مظفر پور کے رہنے والے تھے مسٹر تلک کے اخبار کیسری کے ہمدرد تھے اور حریت نواز شخص تھے انھوں نے مسٹر کنگ فورڈ پر بم پھینکنا چاہا مگر مسز کنڈی قتل ہوگئیں۔ یہ واقعہ ۱۹۰۸ء کا ہے بنگال میں کھلبلی مچ گئی خودی رام پکڑے گئے۔ ان کو مجرم گردان کر چھ سال کی سزا دی گئی۔ مظفر پور کے اخبار کال میں مسٹر پرانجے نے لکھا:۔

لوگ پہلے کی مانند حکومت کے گیت نہیں گاتے۔ نہ ہی اب انھیں انگریزوں کا خوف ہے۔ اب تو وہ سوراجیہ کی خاطر سب کچھ کرنے کو آمادہ ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے پرانجے پر مقدمہ چلایا اور مجرم قرار دیا۔ ۱۰ رمئی ۱۹۰۸ء میں لندن کے انڈیا ہوس میں جلسہ ہوا ایک سو طلبا شریک ہوئے۔ اس کے ایک ماہ بعد شہیدان ملک کے نام سے ٹریکٹ شائع ہوا جس میں ۱۸۵۷ء کے متعلق تھا کہ ہندوستان کی آزادی کی پہلی کوشش تھی۔ کرشن ورما بھی اس میں شریک تھے لندن سے اخبار ڈیلی میں کے ساتھ ملفوف کرکے ہندوستان روانہ کیا گیا۔

Marfat.com

ایک ہندو طالب علم نے بم کی ساخت پر جون ۱۹۰۵ء میں تقریر کی۔ جس پر حکومت نے اسکو چھ سال کی سزا کر دی۔

برندرا کمار گھوش

برندرا کمار گھوش ان کے والد کا نام۔ ڈاکٹر ڈی گھوش جو میڈیکل آفیسر تھے۔ برندرا کمار انگلستان میں پیدا ہوا تھا۔ مگر تعلیم ہندوستان ہی میں ہوئی۔ ان کے بھائی اربندا گھوش وائس پریسیڈنٹ گائیکواڑ کالج برودہ تھے۔ ان کے پاس برندرا رہا کرتے تھے۔ ۱۹۰۲ء میں برودہ سے کلکتہ گئے۔ یہاں آکر انقلابی تحریک سے منسلک ہو گئے۔ مگر یہاں زیادہ حالت موافق نہ تھی۔ برودے لوٹ گئے۔ پھر ۱۹۰۷ء میں کلکتہ آئے اور پھر تقسیم بنگال کے ایجیٹیشن میں عملی حصہ لینے لگے ان کو ۱۹۰۸ء میں گرفتار کر لیا گیا۔ جہاں کھلے لفظوں میں اظہار کیا کہ ہم نے بم سازوں کی جماعت بنائی ہے اور یہی ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔

۲ مئی ۱۹۰۸ء میں علی پور کے واقعہ قتل کے سلسلہ میں مانک ٹولہ میں خانہ تلاشی ہوئی۔ وہاں آپ کے ساتھی ۳۴ آدمی

Marfat.com

گرفتار ہوئے اور ڈائنا مٹ کارتوس اور خطوط پکڑے گئے اس میں نریندر گوسائیں بھی تھا اور رہیم چندر داس بھی ہمنوا تھا۔ ہر دو کو پھانسی حکومت نے دے دی۔ ملک میں ڈاکے پڑ رہے تھے اور اکثر جگہ بم سے انگریز قتل کئے جا رہے تھے اس شخص نے ایک بڑی جماعت تیار کر دی تھی جس کے تفصیلی حالات رولٹ کمیٹی کی تحقیقات میں درج ہیں۔ اسکا ترجمہ عبد العزیز صاحب نے کیا ہے۔ کاشی رام پریس لاہور میں طبع ہوئی ہے۔

جوتیش چکرابرتی

جوتیش چکرا برتی چندر نگر انقلاب پسند جماعت کے سرگرم کارکن تھے۔ اس جماعت کے ارکان ہیمن سنگھ باری سال شمالی بنگال میں پھیلے ہوئے تھے ان کے پاس پستول اور ریوالور رہتے تھے بسنت چٹرجی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ان کے آڑے آیا تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس جماعت نے ظاہرہ سودیشی تحریک اور قومی والنٹیرول کے ذریعہ مقبول عام بننے کی سعی کی، اور مدرسوں میں جا کر طلبا کو ہملوا بناتے۔ جو ڈاکہ زنی میں کام دیتے۔ ان کے

Marfat.com

سرگروہ پربھو دیال سندر ناتھ گھوش تھے۔ یہ ۱۹۱۶ء میں گرفتار ہو گئے۔ جیون ٹھاکر بھی اس جماعت کا کارکن تھا وہ بھی گرفتار ہوا اس کے پاس ہتھیار برآمد ہوئے[۱] باقی حال معلوم نہ ہو سکا۔

چیت رنجن داس

چیت رنجن داس ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۵ء میں انتقال کر گئے۔ چیت رنجن داس کلکتہ کے ایک وکیل کے فرزند تھے کہ جو مختصر مگر ذی اثر فرقہ برہمو سماج کے ایک رکن رکین تھے۔ انھوں نے بھی انگریزی حاصل کر کے وکالت پاس کی۔ لندن گئے انڈین سول سروس میں ناکامیاب ہو کر بیرسٹری اختیار کر لی اور کلکتہ آکر وکالت شروع کر دی۔ ۱۹۱۹ء میں بیرسٹری ترک کی اور سیاست کے اکھاڑے میں کود پڑے۔ بنگال کے نوجوانوں نے اپنا لیڈر بنا لیا۔ وہ تحریک کانگریس میں ایک زبردست طاقت بن گئے ۱۹۲۲ء میں کانگریس کے اجلاس گیا میں انھوں نے اپنے سیاسی خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے ظاہر کیا کہ پارلیمنٹری

[۱] رولٹ بل صفحہ ۱۴۳

Marfat.com

حکومت کا طریقہ ایسا نہ تھا کہ جس میں عوام کے ہاتھوں عوام کے مفاد کے مطابق حکومت کی جاتی ہو۔ انھوں نے کہا کہ اگر آج برطانوی پارلیمنٹ مرکزی ذمہ داری کے ساتھ صوبوں کو خود مختاری عطا کر دے تو میں اس کے بعد اور احتجاج کروں گا۔

۱۹۲۴ء میں پنڈت موتی لال نہرو کی امداد سے وہ کانگریس کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ مجالس مقننہ کا بائیکاٹ کرنے کے بجائے ان میں گھس کر اندر سے ان کے کام میں روڑے اٹکائے جائیں۔ قانون ساز مجلس میں انھیں اکثریت حاصل نہ تھی۔ پھر بھی بجٹ کو مسترد کرانے اور وزرا کی حیثیت کو ناقابل برداشت بنا دینے میں وہ کامیاب ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت بنگال نے وزرا کے محکموں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور سوراجی مجلس مقننہ سے نکل گئے۔[1]

۱۹۲۵ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

---

[1] سیاست ہند صفحہ ۲۰۸

Marfat.com

پنڈت مدن موہن مالوی

ایک غریب گھرانہ میں ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے ۱۸۸۴ء میں بی۔ اے کیا اور ہائی اسکول میں ملازم ہو گئے۔ تین سال بعد راجہ رام پال سنگھ کی درخواست پر اخبار ہندوستانی کی ایڈیٹری کا چارج لیا۔ ڈھائی سال تک کامیابی سے نکالا گئے ۱۸۸۹ء میں قانون کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۹۲ء میں وکالت میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد وکالت الہ آباد میں شروع کر دی۔ قومی تحریک میں حصہ لینے لگے۔ کانگریس سے خاص دلچسپی رہی۔ ہندو یونیورسٹی آپ کا ہی روشن کارنامہ ہے۔ فصیح و بلیغ تقریر کرتے تھے ۱۸۸۰ء میں ایک ہندو سماج قائم کیا۔ جس کی غرض ہندوؤں کی اصلی حالت سدھارنا تھا۔ سودیشی تحریک کے بڑے حامی۔ اعتدال پسند طبیعت تھی۔ ایک سال امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے غیر سرکاری ممبر منتخب ہوئے۔ قدیم ہندو تہذیب و تمدن کے متوالے تھے مذہبیت آپ میں کافی و وافی تھی۔ ہندی ترویج میں آپ کی مساعی کو بڑا دخل ہے۔ ۱۹۰۹ء میں لاہور کے نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس کے صدر رہے۔ پھر دہلی میں ۱۹۱۸ء میں

Marfat.com

کانگریس کے صدر ہوئے مہاتما گاندھی آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ حکومت میں بھی بڑی قدر دانی تھی۔

۱۹۳۵ء میں انتقال ہوا۔

راش بہاری بوس

راش بہاری بوس ہندوستان کی آزادی کے سبب سے بڑے بہی خواہوں میں سے تھے۔ ہندوستان میں منظم کامیاب پروگرام کی بنیاد آپ نے ہی ڈالی۔ سیڈیشن کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق آپ ہی ۱۹۱۲ء میں دہلی میں لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکنے کے ذمہ دار تھے۔ اس کے بعد ان کا نام کئی سازشوں اور بم پھینکنے کی وارداتوں میں آیا۔ آپ کے ساتھی اودھ بہاری لال اور دہلی کے مشہور محب وطن ماسٹر امیر چند کو ۱۹۱۴ء میں دہلی سازش کیس میں موت کی سزا ہوئی۔ آپ کی گرفتاری کے لئے ۱۲ ہزار روپیہ کا اعلان ہوا اور آپ کی تصویر سارے ہندوستان میں تقسیم کی گئی۔ بعد میں لاہور اور بنارس سے انقلابی سرگرمیاں آپ نے جاری رکھیں ۱۹۱۵ء میں جاپان چلے گئے۔ آٹھ سال روپوش رہے۔ اس کے بعد

Marfat.com

آپ نے جاپان میں انڈپنڈنٹ لیگ بنائی جاپانی زبان میں پانچ کتابیں لکھیں۔ ایک رسالہ نکالتے رہے۔ ہندوستان کی آزادی پر کئی لکچر دیئے۔ سیڈیشن کمیٹی کا فیصلہ تھا کہ جب ہندوستان آئین بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے۔

آپ نے جولائی ۱۹۴۴ء میں ٹوکیو میں انتقال کیا آپ آزاد ہند حکومت کے مشیر اعلیٰ تھے[۱]

سر تیج بہادر سپرو

سر تیج بہادر سپرو کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل۔ ڈی۔ کشمیری الاصل تھے۔ سال پیدائش ۱۸۷۵ء علمی استعداد فاضلانہ تھی۔ لائق بیرسٹر تھے۔ لارڈ سارتھ برو کی فرنچائز کمیٹی کے ۱۹-۱۹۱۸ء میں ایک رکن تھے اور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک وائسرائے کی مجلس عاملہ کے قانونی ممبر رہ چکے تھے۔ جہاں سے استعفیٰ دیکر انھوں نے پھر الہ آباد میں بیرسٹری شروع کر دی۔ کانگریس کے حامی اور اس کی تحریک میں عملی حصہ لیتے رہے۔ اس جماعت کی آل انڈیا کمیٹی کے ۱۹۰۶ء سے

---

[۱] آزاد ہند فوج صفحہ ۹ مرتبہ مولانا امداد صابری

Marfat.com

۱۹۱۷ء تک ممبر تھے۔ پھر آل انڈیا فیڈریشن ہی مدد کی ۱۹۲۳ء ہی اس کے پونہ کے اجلاس ہیں اس کے صدر بھی ہوئے۔ گول میز کانفرنس کے اجلاس ہیں نمایاں حصہ لیا۔ وائسرائے اور وزیر ہند اور کانگریس سے مفاہمت کرانے ہی اکثر سعی بلیغ فرمائی نہرو رپورٹ پر بھی دستخط کئے تھے ۱۹۳۱ء کے اس میثاق سے بھی ان کا بڑا تعلق رہا ہے جو لارڈ ارون اور مہاتما گاندھی کے مابین ہوا تھا۔

فلسفیانہ طبیعت پائی تھی اردو زبان کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد تھے۔ ایک عرصہ سے علالت کا سلسلہ جاری تھا جس کی وجہ سے خلوت نشینی اختیار کرلی تھی۔ ۱۹۵۰ء میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر لکشمی دت

ڈاکٹر لکشمی دت خلف پنڈت بھوج دت اصل وطن تھانہ بھون تھا۔ پنڈت بھوج دت آریہ تحریک کے سرگرم داعی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فن ڈاکٹری تحصیل کی اور سرکاری ملازم ہوگئے۔ لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ محبوبہ لندن۔ سپاہی کی دولھن۔ چین کی شہزادی وغیرہ کتابیں لکھیں۔ اعلیٰ درجہ

Marfat.com

کے مقرر تھے ۱۹۱۳ء میں کانگریس کے ممبر ہوئے۔ پھر تو آگرہ میں سیاسی بیداری پھیلانے میں بڑے کام کئے۔ خلافت کی تحریک میں مولوی انعام اللہ خاں کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ رولٹ بل کے خلاف مظاہرے کئے اس میں قید فرنگ ہوئی۔ واپس آکر مقامی کانگریس کے صدر ہوئے چنگی کے ممبر منتخب ہوئے۔ تین سال چیرمین ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ رہے ۲۵-۱۹۲۶ء میں انگلستان اور جرمنی گئے۔ یونیورسٹی فرانی برگ میں تعلیم پائی۔ وہاں سے واپس آکر ڈاکٹری کے شغل میں رہے۔ مگر طبیعت میں کام کرنے کی دھن تھی ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ راقم سطور نے میاں نظیر کے مزار پر بسنت کے میلہ کی بنیاد ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب شریک تھے۔ موٹر یونین صوبہ کانگریس کے صدر اور راقم سطور سکریٹری تھا مزدور سبھا ضلع و یو۔پی۔ کی تنظیم کی۔ آگرہ مزدور سبھا کے صدر رہے۔ میرے احباب مخلص تھے۔ ۱۹۴۷ء میں انتقال ہوا۔

شیورام مہادیو

شیورام مہادیو پرانجپے۔ یہ ہفتہ وار اخبار کے ایڈیٹر تھے مضامین پر ان کے گورنمنٹ معترض ہوئی انکو باغیانہ قرار دیا ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۸ء تک انکی تحریرات نے ملک میں ایک وطنی لہر پیدا کردی تھی آخرش گورنمنٹ نے ۱۹۰۸ء میں مقدمہ چلایا اور مجرم قرار دیکر انیس ماہ کی سزائے قید دی گئی۔ اور حال معلوم نہ ہوا

Marfat.com

سریندر ناتھ بنرجی

سریندر ناتھ بنرجی (۱۸۴۸ء سے ۱۹۲۵ء) کولی براہمہ سے تھے وہ سیاست داں تھے جنھوں نے بنگال میں شہرت اور امتیاز حاصل کیا ۲۰ سال کی عمر میں سول سروس کے امتحان میں شریک ہوئے ۱۸۶۵ء میں واپس آکر صرف تین سال ملازم رہے۔ بعض بے قاعدگیاں عمل میں آئیں جس سے برطرف کردیئے گئے۔ ۱۸۷۶ء میں انڈین ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی۔ سیاست کے میدان میں اتر آئے تقریر کرنے میں بے مثل تھے۔ مسٹر ایچ ڈبلیو نیوسن نے لکھا ہے کہ مسٹر گلیڈسٹون کے سوا میں نے کسی مقرر کو اس قدر پر شکوہ اور موثر پیرایہ بیان اس قدر تیقن اور کامیابی کے ساتھ استعمال کرتے نہیں سنا۔ کلکتہ میں رِسن کالج کی بنا ڈالی اور اس کو چلاتے رہے۔ اخبار "بنگالی" کو ایڈٹ کرتے تھے۔ اس اخبار نے نوجوان بنگالیوں میں حریت پیدا کردی۔ کانگریس کے بانیان میں شمار رہے ۱۸۹۵ء پونا اور ۱۹۰۲ء میں احمد آباد کے اجلاس کے صدر رہے۔ لیکن جس چیز نے کہ انھیں حقیقی امتیاز بخشا وہ لارڈ کرزن کی تقسیم بنگالہ تھی۔ بڑے جوش و خروش کے ساتھ انھوں نے بنگالیوں کے اس حق کا اعلان کیا۔ اس کی تنسیخ کے آلہ کے طور پر برطانوی مال کے بائیکاٹ کی تجویز کی۔

Marfat.com

بڑے زور شور سے حمایت کی جس کا اثر پڑا ۱۹۲۱ئہ میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کا نفاذ ہوا تو انھوں نے حکومت بنگال میں وزارت کا عہدہ قبول کر لیا۔ سر کے خطاب سے نوازے گئے۔ لاہور، کلکتہ کارپوریشن میں حکومت بنگال کی مجلس مقننہ میں شاہی مجلس قانون ساز میں قابل تعریف کام کئے۔ سوراج پارٹی کے مقابلہ میں انتخاب میں شکست اٹھانا پڑی اس کے بعد تھوڑے عرصہ زندہ رہے اور ۱۹۲۷ئہ میں انتقال کیا۔

بھائی رام سنگھ

بھائی رام سنگھ ایک پولیٹکل مذہبی فرقہ کے پیشوا تھے ان کی سیاسی سرگرمی کی بدولت ۱۸۷۲ئہ میں زیر رزولیوشن نمبر ۳ ۱۸۱۸ئہ برہما جلا وطن کر دئے گئے۔ اس وطن پرست بزرگ نے وہیں اپنی حیات مستعار ختم کی۔[1]

[1] جلا وطنی کی داستان از لالہ لاجپت رائے صفحہ ۲۰

Marfat.com

ڈاکٹر راش بہاری گھوش

ڈاکٹر راش بہاری گھوش سی۔ آئی۔ ای سی۔ ایس۔ آئی مشہور عالم کلکتہ ولادت ذی عزت خاندان میں بمقام جوریکونا ضلع بردوان میں ۲۳ دسمبر ۱۸۴۵ء ہوئی۔ ابتدائی تعلیم قصبہ نیکورا میں حاصل کی ۱۸۶۱ء میں پریزیڈنسی کالج کلکتہ میں داخل ہو کر ۱۸۶۲ء میں ایف۔ اے کیا ۱۸۶۵ء میں بی۔ اے پاس کیا ۱۸۶۶ء میں آنرز کے ساتھ درجہ اول میں امتحان ایم۔ اے کیا۔ دوسرے سال بی۔ ایل ایل کے امتحان میں سنہری تمغہ پایا۔ فروری ۱۸۶۷ء میں کلکتہ ہائیکورٹ کے وکیل مقرر ہوئے ۱۸۷۱ء میں ملکی قوانین کا آخری امتحان پاس کیا ۱۸۷۵ء میں ٹاگور کے پروفیسر قانون منتخب ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں فیلو یونیورسٹی ہوئے۔ کلکتہ یونیورسٹی نے ۱۸۸۴ء میں ڈاکٹر آف لا کی ڈگری دی ۱۸۸۷ء میں سنڈیکیٹ کلکتہ یونیورسٹی کے ممبر منتخب ہوئے جو ۱۸۹۹ء تک رہے ۱۸۹۱ء میں اول مرتبہ بنگال لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ پھر ۱۸۹۳ء میں دوبارہ مقرر ہوئے ۱۸۹۲-۹۵ء کلکتہ یونیورسٹی کی فیکلٹی قانون کے صدر رہے۔ ۱۸۹۶ء میں سپریم کونسل میں ممبر ہوئے۔ اس پر خطاب ملے۔ مدراس اور سورت کی کانگریس کے صدر مقرر ہوئے۔ مطالعہ کتب کا بڑا شوق تھا ہندوستان میں خاص شہرت ہے۔ ایک عرصہ انتقال کو ہوا۔

Marfat.com

سوباش چندر بوس

سوباش بابو جانکی بابو کے صاحبزادے تھے ۲۳ جنوری ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ جانکی بابو کا قیام کٹک میں تھا اصل رہنے والے چوبیس ضلع کے گاؤں کوڈالیا کے تھے۔ ان کے سوباش بابو کے علاوہ سرت چندر بوس ڈاکٹر ستیش چندر بوس دو اولادیں اور ہیں ۱۹۰۹ء میں کالجٹ اسکول میں داخل ہوئے۔ ماسٹر بینی مادھو داس استاد تھے ۱۹۱۲ء میں میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد پریذیڈنسی کالج میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر ہریش نے ایک آشرم کھولا تھا۔ شرط یہ تھی جو ملک کی خدمت کرے وہ تمام عمر شادی نہ کرنے کا عہد کرے اور اس آشرم کا ممبر بنے۔ سوباش بابو بھی اس میں شامل ہو گئے تعلیم چھوڑ دی۔ اور تیاگ کی زندگی گذارنے لگے۔ عرصہ تک سیاحت کی۔ دہلی، آگرہ، متھرا، کاشی گئے اور کئی بڑے بڑے رشیوں پر ہو آئے۔ اہل خاندان کو عرصہ تک پتہ نہ لگا کہ سوباش کہاں ہیں۔ ایک سنیاسی پرمانند سے ملنا ہوا ان کے ارشاد پر وطن گئے اور پھر پریذیڈنسی کالج میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۱۵ء میں ایف۔ اے کیا۔ کالج کے لڑکوں میں ان کو بڑی عزت تھی۔

آخرش کلکتہ کے سکاٹس چرچ کالج سے بی۔ اے آنرز کیا۔ اس دوران میں یونیورسٹی انفنٹری میں نئی شمولیت کی۔ آپ کے والد ماجد چاہتے تھے کہ سول سروس کے امتحان میں شریک ہوں۔ مگر سوباش بابو کی رائے نہ تھی مگر

Marfat.com

باپ کا حکم بجا لائے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور سول سروس کا امتحان پاس کر کے ہندوستان واپس آئے۔ یہاں مہاتما گاندھی کا تمام ملک میں طوطی بول رہا تھا۔ بنگال میں دیش بندھو داس کی سیاسی خدمات پیش پیش تھیں انکے پاس ۱۹۱۶ء میں طلبیدہ پہنچے عدم تعاون کی تحریک شباب پر تھی اس کی معیت میں خدمت ملک میں لگ گئے دیش بندھو داس نے ایک اسکول کھولا تھا۔ نیشنل کالج نام تھا اور ایک اخبار بھی نکالتے تھے۔ یہ دونوں کام سوبھاش بابو کے سپرد کئے گئے۔ یہ بحیثیت پرنسپل کے تھے۔ اس کالج کو بڑی ترقی دی۔ بنگال میں عدم تعاون کی تحریک زوروں پر تھی۔ سوباشس بابو اس کے روح رواں بن گئے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں گرفتار ہو گئے۔ ان کے ساتھ دیش بندھو داس بھی پکڑے گئے۔ جیل ہوئی وہاں سوباش بابو دیش بندھو داس کا کھانا خود پکا کر کھلاتے ان کی عزت بہت کرتے اور سیاسی گرو کہا کرتے۔ جب سوباش بابو سزا بھگت کر جیل سے باہر نکلے تو تحریک بند ہو چکی تھی۔ گاندھی جی سودیشی تحریک کی تبلیغ میں منہمک تھے۔ اسی زمانہ میں بنگال میں سیلاب آیا ہزارہا خاندان تباہ ہو گئے۔ انھوں نے ریلیف کا کام شروع کر دیا اور کامیابی حاصل کی۔

سوباش بابو کانگریس کے کاموں میں شروع سے ہی حصہ لیتے رہتے تھے۔ مگر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کے رہنما جیل سے آزاد ہو چکے تھے۔ انکی رائے میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور سوراج پارٹی کے نام سے ادارہ قائم ہوا اور اس نے طے کیا کہ کونسلوں میں جانا ملک کی فلاح و بہبودگی کے لئے مفید ہے۔

Marfat.com

بنگال میں اس خیال کے حامی بندھو داس تھے اور یو۔ پی میں پنڈت جواہر لال نہرو اس کے کوشاں تھے۔ سوباش بابو دیش بندھو داس کے معتمد ترین نائب تھے اس لئے پارٹی کے مقصد کا ملک بھر میں پرچار کرنے کا کام انھیں کے سپرد ہوا۔

ان کے خلاف گاندھی جی پارٹی تھی۔ گاندھی جی کونسلوں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں گیا کے اندر کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا اس جلسے میں سوباش بابو بھی شامل ہوئے۔ گیا کے اجلاس میں کونسلوں میں جانے کی تجویز رکھی گئی لیکن نامنظور کردی گئی۔ یہی وجہ ہوئی کہ سوراج پارٹی مستقل جماعت بن گئی۔

سوباش بابو اخبار فارورڈ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اور جوانوں کی جماعت کی تشکیل کی۔ غریب کسانوں اور مزدوروں کی حمایت اس کا مقصد رکھا۔ اور تمام بنگال میں سوباس بابو کی مساعی کا روشن کارنامہ ہے خدمات ملک وملت نے ہندوستان میں بڑی شہرت پیدا کردی اور ہر جگہ ان کی عزت کی جاتی۔ کارپوریشن کا چیف اگزیکیٹو آفیسر مقرر ہوئے اپنے فرائض کی تکمیل میں بڑی سرگرمی دکھائی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو انھیں بنگال آرڈیننس کے ماتحت گرفتار کرکے غیر معین عرصہ کے لئے مانڈلے نظر بند کردیا گیا۔ وہاں سخت علیل ہوگئے۔ حکومت نے ۱۹۲۷ء میں رہا کردیا۔ کچھ عرصہ بعد صوبہ بنگال کی کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی زمانہ جتندر ناتھ داس کی موت ہوگئی۔ ان کی نعش کا جلوس نکلا جلسہ ہوا۔ آپ نے مرحوم کی تعریف اور حکومت کو

Marfat.com

برا بھلا کہا اس پر چند ماہ کی سزا کے مستحق ٹھہرے۔
ایک سال کے بعد لاہور میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ جس میں مکمل آزادی کی تجویز منظور ہوئی۔ اس اجلاس میں آپ نے ایک اسکیم رکھی کہ ملک میں کانگریس کی عدالتیں اور فوج قائم کی جائیں مگر کانگریس نے منظور نہ کیا۔
اجلاس لاہور کے بعد گاندھی جی نے نمک قانون توڑنے کی تحریک شروع کی۔ یہ برابر کے شریک تھے۔ بلا میعاد کے نظربند کر دیئے گئے۔ صلح کے بعد سوباش بابو جیل سے باہر آگئے سمجھوتے کے متعلق گول میز کانفرنس میں گاندھی جی شریک ہوئے ان کی عدم موجودگی میں تحریک دوبارہ شروع ہو گئی۔ گاندھی جی ہندوستان آتے ہی گرفتار کر لئے گئے ۱۹۳۲ء میں کراچی میں نوجوان بھارت سبھا کا سالانہ اجلاس ہوا۔ صدر جلسہ آپ تھے خطبہ ایسا تھا کہ حکومت برداشت نہ کر سکی اور یہ گرفتار کر لئے گئے۔ علی پور جیل اور سنڈی جیل میں رکھے گئے۔ پھر بھوالی جیل اور لکھنؤ جیل میں بھی رہے۔ آخر رہا کر دیئے گئے۔ یورپ کا سفر کیا۔ سوئٹزرلینڈ۔ روم۔ آئرلینڈ۔ فرانس۔ جرمنی۔ وغیرہ گئے۔ تین سال بعد لوٹے۔ ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ مگر ولایت سے آنے نہ دیا آئے تو گرفتار کر لیا ۱۹۳۷ء میں رہا ہوئے۔

Marfat.com

۱۹۳۸ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سالانہ اجلاس کے صدر ہوئے۔ ہوائی جہاز سے ولایت سے کراچی آئے ۱۹۳۹ء میں پھر کانگریس کے صدر ہوئے۔ مگر بڑے ہنگامے رہے پھر آپ نے استعفےٰ دے دیا۔ فارورڈ بلاک قائم ہوا پھر کچھ عرصہ بعد ۲۶ر جنوری کو آزادی کا دن منایا جاتا ہے۔ یہ گم ہو جاتے ہیں۔ روس۔ جرمنی جاپان جاتے ہیں اس کے بعد ۱۶ر اگست ۱۹۴۵ء کو تھائی لو کے ہوائی اڈہ پر ان کا جہاز ٹوٹ گیا۔ شدید زخمی ہوئے اور انتقال کر گئے۔

مسز سروجنی نائڈو

ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں میں سب سے زیادہ بین الاقوامی رجحانات رکھتی تھیں آپ کا خاندان اعلیٰ برہمن خاندان تھا۔ آپ کے والد ڈاکٹر اگھوری ناتھ چٹوپادھیائے سائنس کی ڈاکٹری میں ایڈنبرا یونیورسٹی کے سند یافتہ تھے۔ ان کے سائنسی تحقیقات کے شغف نے ان کو نظام کالج حیدرآباد قائم کرنے پر مجبور کیا۔ وہ اس کے پرنسپل بن گئے۔ ان کی والدہ بنگالی زبان میں عمدہ نظمیں لکھا کرتی

Marfat.com

تھیں۔ سروجنی نائیڈو کے ماں باپ کی اعلیٰ قابلیت کا ثمرہ تھا کہ ان کی اس طرح تعلیم ہوئی کہ ۱۲ سال کی عمر میں مدراس یونیورسٹی سے دسویں کا امتحان پاس کیا۔ ایک سال قبل کا واقعہ ہے الجبرا کا سوال کرتے کرتے ایک نظم لکھ ڈالی۔ طبیعت کا رجحان شعر و شاعری کی طرف زیادہ تھا۔ عمر ۱۳ سال کی تھی۔ صرف چھ دنوں میں تیرہ سو مصرعوں کی ایک طویل منظوم کہانی لکھی اور اس کے بعد دو ہزار مصرعوں کا ایک منظوم ڈرامہ لکھ ڈالا۔ ۱۸۹۵ء میں سولہ سال کی عمر تھی انگلستان بھیجدی گئیں۔ وہاں کنگس کالج میں داخل ہوئیں بعد کو کیمبرج کے جرٹن کالج میں داخلہ کرا لیا۔ ۱۸۹۸ء میں ہندوستان واپس آگئیں اور آپنے ڈاکٹر گوبند راجو لا ئیڈو سے شادی کرلی۔ پہلے پہل آپ ملک میں شاعرہ کی حیثیت سے مشہور ہوئیں۔ آپ کی نظموں "آستان زریں" اور "طائر وقت" نے بہت تحسین حاصل کی ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئیں۔ پھر آپ نے سوراج کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۲۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کیا گیا۔ تین سال بعد امریکہ کا دورہ کرکے ہندوستانی نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ پھر جنوبی افریقہ کی انڈین نیشنل کانگریس کیلئے منتخب ہوئیں۔

مہاتما گاندھی اور عباس طیب جی کی گرفتاری کے بعد

Marfat.com

سول نافرمانی کی تحریک کی قیادت آپ نے کی۔ دھاراسانا کے مقام پر نمک سازی کی تحریک کی قیادت کی بناء پر آپ کو گرفتار کر لیا ۱۹۳۲ء میں آپ قید کر دی گئیں۔ جب سب لیڈر چھوٹے آپ بھی آزاد ہوئیں۔ جب ملک آزاد ہوا آپ بھی حکومت کے اعلیٰ عہدہ پر سرفراز ہوئیں۔ سنہ ۱۹۵۶ء میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

شیام جی کرشن ورما

شیام جی کرشن ورما بمبئی کے رہنے والے تھے علمی لیاقت معقول تھی طالب علمی کے زمانہ سے طبیعت میں حریت نوازی تھی۔ یہاں کی جکڑ بندیوں کو دیکھ کر لندن چلے گئے چند سال گمنام رہے۔ جنوری ۱۹۰۵ء میں انڈیا ہوم رول سوسائٹی قائم کی۔ دسمبر تک اس نے اس سوسائٹی کے ممبر بنا لئے۔ اور دسمبر ۱۹۰۵ء میں اعلان کیا۔ ایک ہزار روپئے کے تین وظیفے اس شخص کو دیئے جائیں گے۔ جو ہندوستان سے نکل یورپ۔ امریکہ اور دیگر ممالک کی سیاحت کرے اور اپنے کو اس قابل بنائے کہ ہندوستانیوں میں آزادی اور قومی

Marfat.com

اتحاد کا جذبہ پیدا کرسکیں۔ اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ مسٹر ورما نے فرانس سے ایک چٹھی اور شائع کرائی کہ وہ دو ہزار روپیہ اس شخص کو وظیفہ دیا جائے گا جو رانا پرتاپ سنگھ، سیواجی اور اکبر اعظم پر مضمون لکھے۔

کرشن ورما نے لندن میں پہلے آزادی ہند کے لئے بڑی کارگذاری کی ۱۹۰۷ء میں پارلیمنٹ کے ہاؤس آف کامنز میں سوال پیدا ہوا کہ کرشن ورما کے خلاف گورنمنٹ کوئی کارروائی کرنا چاہتی ہے کرشن ورما نے رہائش فرانس کی اختیار کرلی اور ایک ماہواری رسالہ نکال رہے تھے۔ اس سے سیاسی تحریک کو بہت فائدہ پہنچا رہا تھا۔ اسکا نام انڈین سوشیالوجسٹ تھا۔ اس نے ایک مضمون میں لکھا کہ ہندوستان میں خفیہ سوسائٹیوں سے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔[1]

آخرش تمام عملی صورت سے عام سیاسی تحریکات میں ہمعصروں کے برابر کے شریک تھے۔ آخری زندگی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

---

[1] رولٹ کمیٹی کی تحقیقات ص ۱۹

Marfat.com

مدن لال ڈھینگرہ

مدن لال ڈھینگرہ۔ یہ بھی وطن پرست شخص تھا۔ امپیریل انسٹی ٹیوٹ کے ایک جلسہ میں بمقام انڈیا آفس سر ولیم کرزن وائیلی پولیٹیکل ایڈے کانگ کو گولی مار دی

مسٹر تھیکٹے بھی حریت نواز شخص تھا۔ یہ حیدر آباد کے رہنے والے تھے۔ تمام باغیانہ لٹریچر یہ لندن سے ہندوستان لے کر آتے۔ ۱۹۱۰ء میں چچری کے ساتھ بمبئی میں حراست میں لے لئے گئے ان پر مقدمہ چلا روداد مقدمہ سے پتہ لگا تو بھارت سوسائٹی کے ممبر بمبئی۔ ناسک۔ پونا۔ اورنگ آباد وغیرہ مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں اور سرگرم تحریک ہیں۔ گوالیار میں بھی اس سوسائٹی کے ورکر تھے ۲۲ برہمن پکڑے گئے۔ ریاست نے اُن پر مقدمہ چلایا اور سب سزایاب ہوئے

Marfat.com

ونائک ساورکر

ونائک ساورکر ناسک کے رہنے والے نرگسن کالج کے تعلیم یافتہ بمبئی یونیورسٹی سے بی۔اے کیا اور شیام جی کرشن ورما کی سوسائٹی میں شامل ہوگیا۔ ناسک میں مہاتما اگمیہ گورو پرم ہنس تھا۔ جو ۱۹۰۶ء سے گورنمنٹ کے خلاف تقریریں کر رہے تھے عوام کی رجوعات زیادہ تھی۔ ونائک ان کے شریک کار ہوگئے انھوں نے اس نوجوان کو اپنی سوسائٹی کا صدر منتخب کیا۔ ۱۹۰۷ء میں لندن گئے۔ ۱۹۰۹ء میں انڈیا ہوس کے مسلمہ لیڈر ہوگئے ایک کتاب ہندوستانی آزادی کی جنگ ۱۸۵۷ء ایک ہندوستانی قوم پرست کے قلم سے لکھ ڈالی اور ہفتہ وار جلسہ میں اقتباس اس کے سنائے جاتے۔ پھر ہندوستان آگئے ۱۹۱۰ء میں ۱۲۱ تعزیرات ہند سڈیشن کی رو سے مقدمہ چلا گیا۔ ۹ر جون کو بہ عبور دریائے شور کی سزا دے دی گئی۔ انڈمان سے سزا کاٹ کر لوٹے۔ ہندوستان آئے۔ مہاسبھا کے روح رواں بن گئے۔

Marfat.com

مہاتما گاندھی

موہن داس کرم چند گاندھی ہندوستان کے بلند پایہ رہنما تھے آپ انقلابی تحریکوں میں ستیہ گرہ اور عدم تعاون وغیرہ کے بانی تھے۔ آپ اپنی قوم کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اچھوت کی بڑی خدمت کی ۱۹۱۷ء سے ملکی سیاست میں حصہ لیا ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کو منسوخ کرانے کے لئے ستیہ گرہ کی تحریک جاری کی جو پھر روک دی گئی مہاتما جی گرفتار ہو گئے کچھ عرصہ بعد رہا ہوئے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں لاہور کے اجلاس کانگریس میں مکمل آزادی کے حصول کا اعلان کیا۔ مارچ ۱۹۳۰ء سول نافرمانی کی تحریک گاندھی جی نے پھر جاری کی جس پر یہ گرفتار ہوئے۔ مارچ ۱۹۳۱ء گاندھی ارون سمجھوتہ ہوا دوسری گول میز کانفرنس اکتوبر ۱۹۳۱ء میں ہوئی گاندھی جی شریک ہوئے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۰ء میں گاندھی وائسرائے ملاقات ہوئی نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ کانگریس نے انفرادی سول نافرمانی کی۔ گاندھی جی گرفتار ہو گئے ۱۵ فروری سے ۳ مارچ تک پونا جیل میں برت رکھا ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس میں گاندھی جی نے شرکت کی۔

Marfat.com

یہ کانفرنس ناکام رہی آخرش ۱۹۴۷ء میں لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کی سفارش پر ملک معظم نے ۳ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کو مسلم و ہندو اکثریت والے علاقوں کے لحاظ سے تقسیم کر کے پاکستان اور ہندوستان کے قیام کا اعلان کیا۔

گاندھی جی کو ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندو نوجوان ناتھو رام نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

ولبھ بھائی پٹیل

سردار ولبھ بھائی پٹیل کی شخصیت کانگریسی سیاست میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ایک ممتاز بیرسٹر تھے۔ تعلیم پانے کے بعد احمد آباد میں وکالت شروع کی۔ عموماً فوجداری کے مقدمات کو ترجیح دیتے۔ عدالتیں گھبرا جاتیں۔ وکالت کے بعد انگلستان جا کر بیرسٹری کی سند لی پھر آ کر اسی شغل میں لگے تھے۔ مہاتما گاندھی کے اثر میں آ گئے گجرات پسماندہ علاقہ تھا۔ گاندھی جی کی دلیرانہ رہنمائی نے علاقہ کی کایا پلٹ دی اس کام میں سردار پٹیل نے گاندھی جی کی نیابت انجام دی۔ کسانوں کی جدوجہد میں سردار صاحب نے نمایاں حصہ لیا ۱۹۲۸ء کی اہم تحریک ہردوئی کی تھی۔ مالیہ نہ ادا کرنے کی تحریک تھی۔ تمام ملک کی نگاہیں کسانوں پر لگی ہوئی تھیں۔ جو ولبھ بھائی پٹیل کی

Marfat.com

زیر قیادت طاقتور حکومت کے مکمل جبر و تشدد کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں آپ کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے اس کارگذاری کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی سنہ ۱۹۳۰ء میں گجرات میں تحریک سول نافرمانی کی رہنمائی کی اور یہ تحریک اتنے زوروں سے چلائی کہ سینکڑوں سرکاری ملازم مستعفی ہو گئے۔ اور وہ مخالفانہ فضا پیدا ہو گئی جسکا سامنا کبھی بھی حکومت برطانیہ کو نہ ہوا تھا۔ آخرش انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بنائے گئے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں تحریک سول نافرمانی پھر شروع کی گئی تو آپکو گاندھی جی کے ہمراہ گرفتار کر کے تقریباً دو سال تک بغیر کسی مقدمہ چلائے نظر بند رکھا گیا۔ واپسی کے بعد مجلس قانون ساز کے مقاطعہ میں بڑا حصہ لیا۔ اور تائید میں نہایت سختی کے ساتھ سی۔آر۔داس موتی لال نہرو اور اپنے بھائی وٹھل بھائی پٹیل کی مخالفت کی اور جب مہاتما جی نے مجالس قانون ساز میں جانے کا فیصلہ کیا تو ولبھ بھائی پٹیل نے پارلیمانی کام کی باگ ڈور سنبھال لی اور بڑی لیاقت سے رہنمائی کی۔

جب ملک آزاد ہوا تو نائب وزیر اعظم کے عہدے کو سنبھالا۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں فوت ہوئے۔

Marfat.com

پنڈت جواہر لال نہرو

پنڈت موتی لال نہرو کے خلف ارشد اور قوم کی آنکھ کے تارا ہیں۔ انگلستان میں تعلیم پائی اور اعلیٰ قابلیت کے حامل ہیں۔ تصنیفی ذوق بھی ہے۔ اوائل عمری میں پیرس سے لباس دھل کے آتا تھا۔ انگریزی لباس میں ملبوس رہتے۔ جس دن سے سیاست میں قدم رکھا گاڑھے کا لباس استعمال میں ہے۔ چار مرتبہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر رہے۔ مہاتما گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے پہلو بہ پہلو ملکی سیاست میں حصہ لیا۔ ملک کے آزاد کرانے میں گاندھی جی کے دست راست رہے۔ انقلابی تحریکوں میں آپ کے دم سے جان پڑی۔ غیر متعصب انسان ہیں۔ اردو سے بھی دلی تعلق ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم ہوئی۔ جمہوریہ بھارت کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ تا حال اس پر ممتاز ہیں اور ملک کو ہر اعتبار سے ترقی دے رہے ہیں۔ آپ کی بکثرت سوانح عمریاں ملک میں شائع ہوگئی ہیں۔ میرے عزیز دوست حافظ محمد رحیم چمن دہلوی کی جواہر لال کی کہانی کافی مقبول اور شہرت رکھتی ہے۔

Marfat.com

اچاریہ جے۔ بی۔ کرپلانی

اچاریہ جے۔ بی کرپلانی پہلے سندھی ہیں جنھیں کانگریس کی صدارت کا فخر حاصل ہے۔ ان کے پتا ریٹائرڈ تحصیلدار تھے۔ جنھوں نے ان کو پہلے سندھ میں اور پھر بمبئی میں تعلیم دلائی بمبئی یونیورسٹی سے اچاریہ کرپلانی نے بی۔ اے پاس کیا۔ طالب علمی کے دنوں میں ہی انھیں راج نیتی کا شوق تھا۔ ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال ہو جانے کے بعد جو دہشت انگیزی کی تحریک جاری ہوئی اس میں ان کا نمایاں حصہ تھا وہ اُن دونوں آربندو گھوش کی سیاست سے عقیدت رکھتے تھے۔ انھیں اپنے سیاسی وچاروں کی وجہ سے فرگوسن کالج سے نکالا بھی گیا تھا۔ اعتدال پسندوں کے جلسے میں وہ اپنے ساتھی طالب علموں کی ٹولی لے کر جاتے اور گڑبڑ مچایا کرتے تھے۔ انھوں نے جن مضمونوں میں فرگوسن کالج (بمبئی) سے ایم۔ اے پاس کیا وہ تاریخ اور اکنامکس تھے۔

کچھ دنوں کرپلانی جی ماسٹر رہے۔ پھر مظفرپور کالج (بہار) میں پروفیسر ہو گئے یہاں پہلے راجندر بابو سے اور پھر مہاتما گاندھی سے ملاقات ہوئی مہاتما گاندھی کے ساتھ

Marfat.com

انھوں نے چمپارن ستیہ گرہ میں کام کیا۔ اسی کے نتیجے کے طور پر وہ دہشت انگیزی کی تحریک سے نکل کر ستیاگرہی بن گئے۔ ۱۹۱۸ء میں جب مالوی جی کانگریس کے اجلاس دہلی کے صدر ہوئے تو انھوں نے کرپلانی جی کو اپنا پرسنل اسسٹنٹ بنایا اور چند مہینے بعد انھیں ہندو یونیورسٹی میں پروفیسر بنا کر رکھ لیا۔ لیکن یہاں وہ پورے ایک سال بھی نہ رہے تھے۔ اسہ یوگ اندولن شروع ہوگیا اور کرپلانی جی ہمہ تن اس تحریک میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۲۱ء میں انھیں سزا ہوگئی۔

رہائی کے بعد انھوں نے تعمیری کام شروع کیا اور گاندھی آشرم چلایا۔ کھادی کی تحریک کو ان کی بدولت بہت ترقی ہوئی وہ خود ٹھیلہ چلا کر بازار میں کھدر بیچا کرتے تھے۔ خاص کر یو۔ پی۔ کے گاؤں میں انھوں نے کھادی کا بہت پرچار کیا اور کئی سنٹر قائم کئے۔ آج اس آشرم کا ہیڈ کوارٹر میرٹھ میں ہے اور یہاں سے لاکھوں روپئے کی کھادی دہلی اور بمبئی جاتی ہے۔ اسہ یوگ اندولن کے سلسلہ میں تعمیری کام بھی بہت ہوا۔ چنانچہ قومی تعلیم کا کام بھی بہت زور شور سے چلایا گیا۔ قومی یونیورسٹیاں کھلیں۔ جو ودیا پیٹھ کہلاتی تھیں۔ گجرات ودیاپیٹھ کے پرنسپل اچاریہ کرپلانی مقرر ہوئے۔ جہاں وہ پانچ سال تک رہے۔

۱۹۲۸ء میں کرپلانی جی پھر یو۔ پی آئے اور یہاں کھادی کے

Marfat.com

کام میں لگ گئے۔ لیکن ۳۰ء میں نمک ستیہ گرہ شروع ہونے پر انھوں نے اس میں حصہ لیا اور ۱۹۳۱ء میں رہا ہوتے ۳۲ء میں پھر کانگریس کی تحریک چلی اور اس بار پھر کرپلانی جیل گئے۔ تین چار سزایابی کے بعد وہ ۱۹۳۴ء میں رہا ہوئے اور بہار کے زلزلہ کی ریلیف کمیٹی میں ان تھک کام کیا۔ اسی سال جب بمبئی میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا تو راجندر بابو نے بہ حیثیت صدر اچاریہ کرپلانی کو کانگریس کا جنرل سکریٹری چن لیا۔ اس عہدہ پر وہ بارہ سال تک فائز رہے۔

اگست ۱۹۴۲ء میں بمبئی میں جب تمام کانگریسی لیڈر گرفتار ہوئے تو اچاریہ کرپلانی بھی گرفتار کر لئے گئے۔ اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبروں کے ساتھ قلعہ احمد نگر میں رکھے گئے جہاں سے وہ شروع جون ۴۵ء میں سندھ بھیجے گئے اور ۱۵ر جون کو رہا ہو گئے۔

۲۰ر اکتوبر ۴۶ء کو وہ صدر کانگریس چنے گئے اور ۱۱ر نومبر میں انھوں نے میرٹھ میں کانگریس کے اجلاس کی صدارت کی درمیانی وقفہ میں وہ نواکھلی گئے اور اپنی جان خطرہ میں ڈال کر بچشم خود حالات کا معائنہ کیا اور پھر وہاں سے بہار جا کر فساد زدہ علاقہ کا دورہ کیا۔

اچاریہ کرپلانی تعمیری کام کے ماہر تنہائی پسند، شوخ طبیعت

Marfat.com

بزلہ سنج، معاملہ فہم اور سادہ زندگی بسر کرنے والے لیڈر رہیں۔ ان کی کئی تصنیفیں ہیں جن میں سے گاندھین ویسے بہت مشہور ہے۔ ہندوستانی کے مقابلہ میں انگریزی زیادہ اچھی بولتے ہیں۔ خیالات کے تسلسل اور اظہار میں وہ ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ اور بڑی سے بڑی بات ایسی زبان اور ایسے لفظوں میں ادا کردیتے ہیں کہ سادھارن آدمی سمجھ جاتیں۔ صاحب دماغ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عملی بھی ہیں انکی (بی بی) دھرم پتنی سچیتا کرپلانی بھی اپنے وطن اور قوم کی بہت اچھی خدمت کرنے والی ہیں۔ انھوں نے نواکھالی بہار اور پنجاب کا دورہ کیا اور کئی بار اپنی جان خطرہ میں ڈالی۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد

فتح پور سیکری ضلع آگرہ کا ایک کایستھ خاندان مغل سلطنت کے زوال کے بعد بہار میں جا کر آباد ہوا اور راجندر بابو اسی خاندان سے ہیں۔ ان کا جنم موضع زیروئی میں ہوا جہاں ان کے والدین بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے راجندر بابو کی ابتدائی تعلیم بہار میں اور کالج کی تعلیم کلکتہ میں ہوئی۔ یونیورسٹی کے امتحان

Marfat.com

میں وہ اوّل آئے اس زمانہ میں کلکتہ یونیورسٹی کا احاطہ برما، آسام، بنگال، بہار اور اڑیسہ تک تھا۔ اس لئے وہ پانچ صوبوں کے طالب علموں میں اول آئے۔ ڈاکٹر سچدانند سنہا نے اپنے رسالہ "ماڈرن ریویو" میں یہ لکھا تھا کہ یہ لڑکا کسی وقت ہندوستان کا لیڈر ہوگا۔ یہ پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی۔

راجندر بابو نے وکالت کلکتہ میں شروع کی اس کے بعد پٹنہ تشریف لائے اور یہیں پریکٹس کرنے لگے۔ کلکتہ میں بھی وہ اچھے وکیلوں میں تھے لیکن بہار میں تو وہ صف اول کے وکیلوں میں شمار ہونے لگے۔ انھیں پٹنہ بار ایسوسی ایشن کا صدر بھی بنا دیا گیا۔ یوں تو راجندر بابو تقسیم بنگال کے دنوں سے ہی سودیشی کی تحریک میں دلچسپی لے رہے تھے اور بنگال میں بہاری طالب علموں کا سنگٹھن بھی کیا تھا لیکن اصل میں ان کا سیاسی جیون اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب مہاتما گاندھی ۱۹۱۷ء میں چمپارن تشریف لے گئے اور ان سے ملاقات کی چمپارن کے کسانوں کی شکایتیں دور کرنے کے لئے مہاتما گاندھی نے جن لوگوں سے کام لیا ان میں راجندر بابو اور بابو برج کشور پرشاد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۱۹۱۹ء میں ستیہ گرہ کی تحریک میں اور ۱۹۲۰ء کے ربیہ یوگ اندولن میں راجندر بابو نے نمایاں حصہ لیا۔ اور

Marfat.com

۱۹۲۱ء میں ایسے وقت میں اپنی وکالت چھوڑ دی جب وہ ہائی کورٹ کے جج ہونے والے تھے اسی سال انھیں سزا ہوگئی اس کے بعد وہ ہمہ تن کانگریس کے کام میں لگ گئے۔ ۱۹۲۲ء میں گیا میں انڈین نیشنل کانگریس کا جو اجلاس ہوا اس میں راجندر بابو استقبالیہ کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ اس زمانہ سے اب تک وہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر چلے آتے ہیں ۱۹۲۱ء میں انھوں نے قومی تعلیم اور کھادی کو بہت فروغ دیا ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء کی تحریکوں میں بھی راجندر بابو گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۴ء میں راجندر بابو کانگریس کے صدر ہوئے اسی سال مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے تھے۔ انھوں نے بہ حیثیت صدر تمام ملک کا دورہ کیا اور پنڈت جواہر لال نہرو کے اور کسی صدر کانگریس نے اتنے وسیع دورے نہیں کئے۔ بہ حیثیت صدر کانگریس راجندر بابو نے قائداعظم سے مصالحت کی بات چیت کی مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ گانگریس کی گولڈن جوبلی انھیں کے صدارتی دور میں منائی گئی ۱۹۳۷ء میں صوبائی انتخابات ہوئے۔ راجندر بابو کانگریس پارلیمنٹری بورڈ کے تین ممبروں میں سے تھے بقیہ دونوں ممبر مولانا آزاد اور سردار پٹیل تھے ۱۹۴۰ء میں انفرادی ستیاگرہ میں اور ۴۲ء میں کوئٹ انڈیا رزولیوشن پاس ہونے پر یہ گرفتار کرلئے گئے ۱۹۳۹ء میں سوبانش بابو کے استعفےٰ دے دینے پر انھوں نے

Marfat.com

صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ جون ۱۹۴۵ء میں دوسرے لیڈروں کے ساتھ راجندر بابو بھی رہا ہوئے ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن سے بات چیت میں شریک رہے اور ۲ ستمبر کو جو انٹرم گورنمنٹ بنی اس میں فوڈ ممبر بنائے گئے دسمبر ۱۹۴۶ء میں آپ کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے اور یہ فرائض ایک زمانہ تک انجام دیتے رہے ہے۔

سیاسی اعتبار سے راجندر بابو گاندھین گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی بہت سادہ ہے۔ رفتار گفتار میں ذرا بھی تصنع نہیں ہے۔ انگریزی اور قانون کی قابلیت مسلمہ ہے۔ ہندی ساہتیہ سمیلن کے صدر رہ چکے ہیں، اُردو فارسی بھی اچھی جانتے ہیں ان کی تصنیفیں بہت ہیں۔

ملک کے آزاد کرانے میں گاندھی جی مولانا آزاد پنڈت جواہر لال نہرو کے پہلو بہ پہلو رہے۔ آج جمہوریہ بھارت کے صدر کی حیثیت سے ملک کی فلاح و بہبود میں لگے ہوئے ہیں۔

Marfat.com